انتقامِ مختارؒ



حجۃ الاسلام علامہ صادق حسن مدظلہ العالی

انتقامِ مختارؒ

مجموعہ تقاریر

حضرت علامہ صادق حسن نجفی قبلہ

مرتبہ

مولانا ندیم عباس حیدری علوی

پیش کش

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

ناشر

اِدارہ منہاج الصالحینؒ

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور فون: 35425372

کتاب : انتقامِ مختارؒ

تقاریر : حضرت علامہ صادق حسن نجفی قبلہ

مرتب : مولانا ندیم عباس حیدری علوی

نظر ثانی : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

پروف ریڈنگ : ملک ابرار حسین میثم حیدری - محمد عمران جعفری

فنی تعاون : زہراء بتول جعفری - محدثہ بتول جعفری

اشاعت : ستمبر 2010ء

صفحات : 296

ہدیہ : [redacted]وپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین ۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20 - غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

ترتیب

انقلابِ امیرِ مختارؒ

کسی کام کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اس کی غرض و غایت کی بلندیوں اور اس کی افادیت کی وسعتوں سے لگایا جاتا ہے۔ جو کام جس قدر بلند و پاکیزہ مقاصد لیے ہوئے ہوگا اور اس کی افادیت میں جس قدر وسعت پہنائی ہوگی، اسی قدر وہ کارنامہ عظیم متصور ہوگا۔ دنیا کی تاریخ میں ہزاروں کارہائے انجام پذیر ہوئے۔ تاریخ نے ہزاروں واقعات اور کارناموں کو اپنے سینے پر نقشِ آفرین بنا کر محفوظ کرلیا، لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ واقعۂ کربلا اپنی غرض و غایت کی بلندی اور افادیت کی ہمہ گیر وسعتوں کے اعتبار سے اس کارخانہ ہست و بود میں عدیم النظیر نظر آتا ہے۔ اس واقعہ نے ہمیشہ ہر دور میں مفکرین عالم کو اپنی اہمیت و عظمت کا اقرار کرنے پر مجبور کیا ہے اور دنیا کے اکابرین و مفکرین نے بلا تفریق مذہب و ملت اس شہید عالمِ انسانیت کی خدمت میں عقیدت و ارادت کے قیمتی پھول نچھاور کیے ہیں۔ اس سانحۂ عظمیٰ کو کسی قسم کے جغرافیائی اور نسلی حدود میں مقید نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی امامؑ کی ذات کو صرف اُمت مسلمہ یا محمدؐ و آلِ محمدؐ سے محبت رکھنے والوں کے لیے مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ حسینؑ عالم گیر ہستی ہیں، حسینؑ سب کے ہیں ۔

وہ سب کے واسطے ہیں اِک نمونہ کامل
زمین کہیں کی بھی ہو اس پہ آسماں ہیں حسینؑ

امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے وفاشعار ساتھیوں کا صبر و استقامت اور ایثار و قربانی کا درس شعور کی بلندیوں کا خواستگار ہے۔ کربلا ایک جنگی واقعہ کا نام

نہیں۔ اُس کا پس منظر بہت واضح اور روشن ہے۔ عرب کی سرزمین پر اسلام کا پُر امن اور عزت و آبرو کا پیغام لے کر نبی آخرالزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح رحمت للعالمینؐ جو عالمِ انسانیت کے لیے امن کا پیغام لے کر آئے تھے بت پرست گروہ نے ان کی کس طرح مخالفت کی۔ اگرچہ حضور سرورِ کونینؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی بعثت کا مقصد امنِ عالم کا قیام تھا۔ اسی لیے تو قرآن میں ارشاد ہوا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○

شعب ابی طالب، ہجرتِ مدینہ، میثاقِ مدینہ اور صلح حدیبیہ امنِ عالم کی خاطر ایثار وعمل کی لازوال ولافانی مثالیں ہیں۔ خطبۂ حجۃ الوداع اسلام کا دستورِ امن ہے۔ رحمت للعالمینؐ کے طرزِ عمل نے فتنہ گروں کو بے نقاب کر دیا۔ اسوۂ حسنہ پر عمل ہی امنِ عالم کی ضمانت ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسوۂ حسنہ کا احیاء حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذریعے مشیت الٰہی ٹھہرا۔ ناناؐ نے امن کی خاطر مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور نواسہ نے امن کی خاطر مدینہ سے کربلا کی طرف ہجرت فرمائی۔ دونوں ہجرتوں نے ظالموں کو بے نقاب کر دیا۔

دشمن کے اقدامات ہمیشہ دو طرح کے ہوتے ہیں: ابتداء میں وہ زور آزمائی کرتا ہے۔ جب ناکام ہوتا ہے تو ساتھ مل کر نظام کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان کا اسلام لانا اِسی تاریخی ردِعمل کا اظہار تھا کہ اب مل کر اسلام کو تباہ کرنا ہے۔ چنانچہ اس نے پیغمبرِ اسلام کی وفات کے بعد سب سے پہلے مولائے کائناتؑ کی امداد کا راستہ اختیار کیا، لیکن آپؑ نے اس کی امداد کو ٹھکرا دیا، اور فرمایا: میں بقائے اسلام کی خاطر منحرف حکومت کو برداشت کر سکتا ہوں، مگر کفر کی امداد کو برداشت نہیں کر سکتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی اقدار کی تباہی کا عمل شروع ہو گیا۔ اس

وقت اسلام ایک خطرناک موڑ پر آ گیا، سرکار دو عالمؐ کی ۲۳ سالہ ریاضت و محنت ضائع ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ جہاں مملکت میں شراب کو حرام قرار دیا گیا تھا، وہاں تختِ خلافت میں شراب آ گئی، جہاں نامحرم پر نگاہ کرنا جرم تھا وہاں سوتیلی ماؤں سے زنا کا رواج ہو گیا۔ جہاں علمِ معیارِ فضیلت تھا وہاں علماء کی توہین شعار بن گئی۔ نبوت و رسالت کو بنی ہاشم کا کھیل اور اسلام کو بے بنیاد نظریہ قرار دیا جانے لگا، اور پورا اسلامی معاشرہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ یوں اسلام کو فنا کے راستے پر لیے جایا جا رہا تھا۔

ایسے حالات میں ضرورت تھی کہ کوئی مجاہد اُٹھے اور پائے ہوس سے طاقتِ رفتار کھینچ لے، تو آئے میدانِ عمل میں فرزندِ رسولؐ الثقلین جناب امام حسین علیہ السلام! آپؑ نے ہر مصیبت کو برداشت کرنے کا عزم کر کے اس سیلاب کے سامنے بند باندھ دیا اور نواسۂ رسولؐ دلبندِ علیؑ و بتولؑ بقائے دین کے لیے اپنے اعزہ و احباب اور یار و انصار کے ساتھ کربلا کے لق و دق صحرا میں شہید ہو گئے۔ امام حسینؑ کے اقدام کی صورت حال یہ تھی کہ آپؑ نے مشیتِ الٰہی کے مطابق وقت، موقع اور مقام منتخب کیا تھا۔ جہاں جان کی قربانی بربادی نہیں تھی بلکہ ایک عظیم تر اور وسیع تر حیات کا پیش خیمہ تھی۔ آپؑ جانتے تھے کہ اس قربانی کے نتیجے میں ظلم کے حوصلے پست ہوں گے۔ مظلوم کو بولنے کا موقع ملے گا، ترمیمِ شریعت کا راستہ بند ہو جائے گا۔ جناب حسین علیہ السلام کا سارا جہاد اس مقصد کے لیے تھا کہ دین الٰہی باقی رہ جائے۔ رسالت کا وقار زندہ رہے، اسلام کی آبرو ضائع نہ ہونے پائے، چاہے اس راہ میں میری لاش پامال ہو جائے اور میرا بھرا گھر اُجڑ جائے، اسی لیے مکّہ سے خروج کرتے وقت آپؑ نے ارشاد فرمایا تھا:

"میں اپنے نانا کے دین کی اصلاح کے لیے نکلا ہوں"۔

اور پھر کربلا کے لق و دق صحرا میں یہ آواز بھی گونجی:

"اگر دینِ محمدؐ میرے خون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تو اے تلوارو! آؤ! مجھ پر ٹوٹ پڑو"۔

جناب امام حسین ابن علی علیہ السلام نے نانا کے دین کی بقا کے لیے مصائب کا راستہ اختیار کیا، اور بار بار اپنے قتل کی پیش گوئی کی کہ مجھے دینِ محمدؐ کو مستحکم بنانا ہے اور اس راہ میں مجھے تلواروں کو اپنا گلا بھی پیش کرنا ہے۔

اس مشن کے لیے جناب امام حسین علیہ السلام نے بڑی سے بڑی قربانی دے دی، لیکن اپنے نظریات سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔ معرکۂ کربلا میں کیسی کیسی جگر پاش منزلیں دیکھنے میں آئیں۔ یزیدی مظالم کی انتہا شہادتِ حسینؑ پر منتہا نہ ہوئی، بلکہ مخدراتِ عصمت و طہارت کو رسن بستہ قید کر کے کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں بے مقنعہ و چادر پھرایا گیا اور خانوادہ رسول کو حکومتِ وقت نے ایک باغی گروہ سے تعبیر کیا۔ دشمنانِ آلِ رسولؐ کے پروپیگنڈا کا بھانڈا تو سید سجادؑ اور عالمہ غیر معلمہ شریکۃ الحسینؑ، مسافرِ شام بی بی زینبؑ کے خطبات نے پھوڑا۔ جب پھوپھی اور بھتیجا کے خطبے دربار زیاد و یزید میں حق کی آواز بن کر گونجے اور انھوں نے اپنے نسب سے عوام الناس کو آگاہ کیا۔ لوگوں پر سکتہ طاری ہوگیا کہ خاندانِ رسالت کہاں اور کوفہ و شام کے دربار و بازار کہاں؟ ہائے خاندانِ عصمت و طہارت پر یہ وقت بھی آن پہنچا، لوگ سر پیٹ کر رہ گئے۔

تاریخ نے اپنے سینہ پر اس گھڑی کے نقش بھی ثبت کر لیے کہ جب جناب امام سجاد علیہ السلام نے دربارِ یزید میں بتایا کہ یزید ہم کون ہیں اور تو کون ہے۔ دربارِ یزید میں سناٹا چھا گیا۔ پورا دربار سوگواری کا منظر پیش کر رہا تھا۔ آہوں اور سسکیوں نے پورے ماحول کو سوگوار کر دیا، تو یزید نے نہایت چالاکی سے کام لیتے ہوئے مؤذن کو حکم دیا کہ گلدستۂ اذان پر جا کر اذان دے۔ مؤذن نے اذان شروع

کی، اور جب اشھد ان محمداً رسول اللہ پر پہنچا تو سید سجادؑ نے موذن سے مخاطب ہو کر کہا: تجھے اس نبیؐ کا واسطہ اذان کو روک دے۔

امامؑ نے یزید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے یزید! تو نے ہمارے مردوں کو ذبح کروایا، ہماری مستورات کو مقید کر کے گلی گلی اور کوچہ کوچہ پھرایا۔ ہمارے شہیدوں کے لاشوں کو پامال کرایا، ہماری عصمت مآب اور طاہرہ عورتوں کو بے پردہ کرایا، ہم پر پانی بند کروایا۔ ہمارے خیام کو نذرِ آتش کرایا اور ہمارے شہیدوں کے مقدس سروں کو نیزوں پر چڑھایا اور ہماری عورتوں اور معصوم بچوں کو رسن بستہ کر کے شہر بہ شہر اور صحرا بہ صحرا پھیرایا گیا۔ ان سب مظالم کے باوجود آج بھی تیرے دربار میں میرے نانا کا نام اذان میں گونج رہا ہے۔ تو اپنے نانا و دادا کا نام تو داخل نہیں کروا سکا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم کامیاب ہوئے اور تو نامراد و ناکام ٹھہرا۔

اس خطبے سے دربارِ یزید میں ہلچل مچ گئی۔ صدائے حسینی صحرائے عرب میں گونجنے لگی۔ عربوں کا ضمیر جاگنے لگا، لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ حکومت جسے ایک باغی گروہ کہہ رہی تھی وہ تو خانوادۂ رسولؐ ہے۔ آلِ رسول کا مذاق اڑایا گیا، حرمِ رسولؐ کی وہ بیبیاں جو عصمت و طہارت کے پاکیزہ آنگن سے کبھی باہر نہ آتی تھیں جن کے سروں سے اگر چادر سرک جاتی تو آفتاب بادلوں کی اوٹ میں چلا جاتا۔ آج انھیں بے پردہ اسیر کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ ہائے اے زمانہ! تو نے خاندانِ رسالتؐ کے ساتھ کیا کیا مظالم نہ روا رکھے۔

کربلا کا واقعہ امام حسین علیہ السلام کی طرف سے حفاظتِ اسلام کا اہتمام تھا تو یزید کی طرف سے شکستِ کفر کا انتقام۔ جناب حسین علیہ السلام نے دین کی بقا ممکن بنادی۔ اس طرح کہ اگر یزید کا کفر باقی رہ جاتا تو انتقام کامیاب ہو جاتا، مگر شہادتِ حسینؑ نے اسلام کو بچا لیا اور دینِ محمدی کامیاب ہو گیا۔

واقعۂ کربلا کے بعد کئی تحریکوں نے جنم لیا۔ یزیدی حکومت کے مظالم اور قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینے کے لیے لوگ منظم ہونے لگے۔ سیکڑوں محبانِ آلِ محمدؐ اسیر کرلیے گئے۔ بہت سوں کی گردن اُڑادی گئی اور کئی بے گناہوں کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا کہ کوئی ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھائے۔ کوئی کسی مظلوم کی دادرسی نہ کرے۔ کوئی واقعۂ کربلا کو حق والوں کی جنگ نہ سمجھے، کوئی خاندانِ رسالت کے بچے کچے گھرانے کی مدد کو نہ آئے، اور حکومت کے انتظامی ہتھکنڈوں کی وجہ سے بڑے بڑے سردار اپنے آقا و مولاؑ کی مدد کو نہ پہنچے۔ ان میں ایک محبِ آلِ محمدؐ مختارؓ تھا، جو اس وقت پابند سلاسل تھا۔ جسے خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کے لیے قدرت نے مقرر فرما رکھا تھا۔ قدرت نے پہلے سے انتظام کیا تھا۔ مولائے کائناتؑ نے بہت پہلے اس امر کی پیش گوئی کردی تھی، جب ابوعبیدہ ثقفی کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ مولاؑ نے آواز دی اس بچے کو اِدھر لاؤ، بلا کر زانو پر بٹھایا۔

فرمایا: یہ ہے جو میرے بیٹے کا انتقام لے گا، بڑا سمجھ دار ہے، بڑا ہوشیار ہے۔ فرمایا: بے حد ذہین ہے اور شفقت سے اس بچے کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ذہانت منزلِ ارتقاء کو پہنچی، بچپن کی حدوں سے نکل کر یہ بچہ جوانی کی حدود میں داخل ہوا۔ آلِ محمدؐ کی محبت میں، آٹھ بار قید ہوا اور آٹھ بار رہا ہوا۔ ہر بار جلاد گردن پر تلوار رکھتا تھا اور ہر بار مختارؓ یہی کہتے تھے: تم مجھے قتل نہ کرسکو گے، جب تک کہ تین لاکھ تراسی ہزار قاتلانِ حسینؑ کو میں قتل نہ کرلوں گا کیونکہ مختارؓ کو جنابِ علیؑ کے قول پر یقین تھا۔ مختارؓ کو یہ پورا یقین تھا کہ اگر مار بھی دیا گیا تو قدرت پھر جلائے گی، مجھے زندہ کرے گی۔ اس لیے کہ جنابِ علیؑ کے قول کو پورا ہونا تھا اور پھر یالثارات الحسینؑ کا نعرہ بلند ہوا اور ایک لاکھ اٹھارہ ہزار کا لشکر امیر مختارؓ کی قیادت میں دارالامارہ کی طرف بڑھا اور پھر دارالامارہ پر امیر مختارؓ کا قبضہ ہوگیا۔

آپؓ نے قاتلانِ حسینؑ کی ایک فہرست تیار کروائی جنھوں نے لاشۂ حسینؑ کو پامال کیا تھا، جنھوں نے بیبیوں کی چادریں چھینی تھیں۔ جس نے علی اکبرؑ کے سینے میں برچھی اُتاری تھی، جس نے عباسؑ کے بازوؤں کو قطع کیا تھا، جس نے علی اصغرؑ پر سہ شعبہ تیر چلایا، جس نے سکینہؑ کے طمانچے مارے، بالیاں چھینی۔ بن گئی فہرست، اور تمام قاتلانِ حسینؑ کو اسیر کرلیا گیا اور انھیں اس طرح قتل کیا گیا جس طرح اُنھوں نے رسولِ اعظمؐ کے نواسے اور ان کے تمام اصحاب وانصار پر ظلم ڈھائے تھے۔

جب میرے چوتھے امام جناب سید سجاد علیہ السلام کے سامنے جناب علی اکبرؑ کے قاتل کا سر گیا تو آپؑ نے مختارؓ کے لیے ڈھیروں دعائیں دیں اور اہلِ بیتؑ پے اپنے سوگ کو بڑھا دیا۔ اور یوں امیر مختارؓ نے مولائے کائناتؑ کی اس پیش گوئی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا جس کا انتظام قدرت نے بہت پہلے کر رکھا تھا۔

ہم نے انتقامِ امیر مختارؓ پر ایک مفصل کتاب مشہور خطیب علامہ سید صادق حسن نجفی مدظلہُ العالی کی مجالس مرتب کروائی ہیں۔ آپ نے بڑی محنت سے مجالس پڑھیں اور تاریخ مختارؓ سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ ابتداء میں علامہ محمد حسین نجفی قبلہ کا ایک مضمون لگایا، جو ہمارے قارئین کرام کی معلومات کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہماری اِس کاوش کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں مقبولیت کا درجہ عطا فرمائے اور ہمیں مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام مع الاکرام

طالبِ دُعا!

ریاض حسین جعفری، فاضل قم

سربراہ ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

قاتلانِ حسینؑ کا عبرت ناک انجام

از قلم: علامہ محمد حسین نجفی، فاضلِ نجف

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ شہادتِ امامؑ کے ساتھ ہی عالمِ اسلامی میں انقلاب کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے کیونکہ کسی بھی انقلاب کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک قوتِ احساس اور دوسرا جرأتِ اظہار۔ اور یہ دونوں چیزیں شہادتِ حسینؑ کے ساتھ ہی مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں اور اگر اس کی تصویر ہنوز دھندلی تھی تو کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں جناب زینبؑ و اُم کلثومؑ اور فرزند امام مظلومؑ کے فقید المثال خطبوں نے اس میں رنگ بھر دیا تھا۔ ان خطبوں کو سن کر لوگوں کا بے اختیار ہو کر گریہ و بکا اور داد و فریاد کرنا رائے عامہ کے بیدار ہونے اور انقلاب کے نمودار ہونے کا پیش خیمہ تھا۔

چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ جوں جوں عالمِ اسلامی میں حسینؑ کی خبر شہادت اور ان کے پس ماندگان کی دیار و امصار میں تشہیر کی اطلاع پھیلتی گئی۔ توں توں یزید اور اس کی حکومت کے خلاف غم و غصہ اور نفرت و بیزاری کے جذبات اُبھرتے گئے۔ حتیٰ کہ تھوڑے دنوں کے بعد خود یزید کو بھی اس کا احساس ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ باوجودیکہ پہلے شہادتِ حسینؑ پر اپنی انتہائی شادمانی کا اظہار کر چکا تھا مگر اب پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے اس خونچکاں واقعہ کی ذمہ داری تمام تر ابن زیاد پر ڈالتے ہوئے کہتا تھا:

خدا لعنت کرے ابن زیاد پر جس نے حسین بن علیؑ کو قتل کر کے مجھے مسلمانوں کی نظروں میں ذلیل ورسوا کر دیا ہے اور ان کے دلوں میں میری طرف سے نفرت وعداوت کے بیج بو دیے ہیں اور سب لوگ مجھ سے بیزار ہونے لگے ہیں۔

جماعت توابین کا تذکرہ

جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے کہ انفرادی طور پر تو ہر جگہ حکومت وقت سے اس کے عظیم جرم شنیع کی وجہ سے نفرت و بیزاری کے جذبات پیدا ہو ہی رہے تھے مگر اجتماعی طور پر دو جماعتیں امامؑ کے خونِ ناحق کا انتقام لینے کے لیے منظم طریقہ پر اُبھر کر سامنے آئیں اور اس سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ان میں سے ایک "جماعت توابین" کے نام سے مشہور ہے اور دوسری جماعت مختار کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ہم یہاں بڑے اختصار کے ساتھ ہر دو جماعتوں کے تشکیل پانے اور انتقامِ خون شہیداں لینے کے سلسلہ میں مساعی جمیلہ بروئے کار لانے کا مستند ماخذ و مصادر سے اجمالی تذکرہ کرتے ہیں تاکہ اس موضوع پر بھی فی الجملہ تبصرہ ہو جانے سے ہماری یہ کتاب ہر لحاظ سے مکمل و مختتم ہو جائے۔ انشاء اللہ!

ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ کی شہادت انتہائی بے کسی اور مظلومیت کے عالم میں ہو چکی، تو ان شیعیانِ کوفہ کے اندر جنھوں نے امامؑ کو نصرت کی یقین دہانی پر مشتمل خطوط لکھے تھے اور پھر نصرت کا حق ادا نہ کر سکے۔ بیداری کی لہر دوڑ گئی اور احساسِ ندامت اُبھر آیا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کی۔ اور اس بات کا اعتراف کرنے لگے کہ ہم سے بڑی زبردست خطا سرزد ہوئی ہے اور ہم ننگ وعار کا شکار ہو گئے ہیں اور پھر یہ تجویز پاس کی کہ اس گناہِ عظیم کا کفارہ اور اس ننگ وعار کا ازالہ اس طرح ممکن ہے کہ ہم قاتلانِ حسینؑ سے امامؑ کے خونِ ناحق کا

بدلہ لیں یا پھر اسی کوشش میں اپنی جانیں قربان کردیں۔

سلیمان بن صرد کے مکان پر شیعیانِ علیؑ کا اجتماع

چنانچہ اس سلسلہ میں عام شیعوں نے کوفہ کے سربرآوردہ پانچ شیعیانِ علیؑ سے رابطہ قائم کیا:

① سلیمان بن صرد خزاعی جو اپنی قوم میں معزز اور بہت ہی سن رسیدہ بزرگ تھے۔ صحبتِ رسولؐ کا شرف بھی حاصل تھا۔ وفاتِ رسولؐ کے بعد کوفہ میں رہائش اختیار کرلی تھی اور امیرالمومنینؑ کے ہمرکاب ہوکر جمل وصفین میں دادِ شجاعت دے چکے تھے۔ مرگِ معاویہ کے بعد سب سے پہلے شیعیانِ کوفہ کا انھی کے مکان پر اجتماع ہوا تھا۔ جس میں جنابِ امام حسینؑ کو کوفہ تشریف لانے کی دعوت دینے کی تجویز پاس ہوئی تھی اور پھر ان کو مسلسل خطوط لکھے گئے تھے مگر جب امام تشریف لائے تو سوئے اتفاق سے یہ نصرتِ امامؑ کا فریضہ انجام نہ دے سکے۔

② مسیب بن نجبہ فزاری: یہ بزرگ حضرت امیر علیہ السلام کے خاص اصحاب میں سے تھے۔

③ عبداللہ بن وال تیمی

④ عبداللہ بن سعد بن نفیل ازدی

⑤ رفاعہ بن شداد بجلی۔ یہ ہرسہ حضرات بھی اصحابِ حضرت امیر میں ممتاز مقام کے مالک تھے۔ چنانچہ یہ تمام حضرات مع اور چند منتخب افراد کے سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے۔

مسیب بن نجبہ کی تقریر

سب سے پہلے مسیب بن نجبہ نے ایک پُرجوش تقریر کی جس کا خلاصہ یہ

ہے: حمد وثنا کے بعد کہا: ہم بوجہ طولِ عمر مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے نہ ہوں جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے: کیا میں نے تم کو اس قدر عمر عطا نہیں کی تھی کہ اگر اس میں نصیحت حاصل کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے۔ اب ہماری عمریں ساٹھ ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی ہیں۔ ہمیں اپنے نفوس کی پاکیزگی پر بہت کچھ گھمنڈ تھا۔ مگر دختر رسولؐ کے فرزندؑ کی نصرت کے ساتھ جب ہماری آزمائش کی گئی تو ہم جھوٹے ثابت ہوئے۔ حالانکہ ہم نے تحریری طور پر ان کی نصرت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر جب وہ قریب تشریف لائے اور ہمارے قریب بڑی مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیئے گئے تو ہم نے مالی اور جانی طور پر ان کی بالکل کوئی نصرت و امداد نہ کی۔ بتاؤ جب ہم خدا و رسولؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو کیا عذر پیش کریں گے؟ جب ہمارے پاس رسول کا پورا کنبہ شہید کر دیا گیا، نہ بخدا ہمارے پاس کوئی عذر نہیں۔ سوائے اس کے کہ ان کے قاتلوں سے انتقام لیں یا اسی سلسلہ میں خود بھی جامِ مرگ نوش کریں اور کسی ایک کو اپنا امیر مقرر کر لو کیونکہ اس سلسلہ میں ایک امیر کا ہونا ضروری ہے۔

قیادت کے لیے سلیمان کا انتخاب

ان کے بعد رفاعہ بن شداد نے کھڑے ہو کر پُر زور الفاظ میں مسیب بن نجبہ کی تقریر کی تائید کی اور آخر میں کہا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ اس امیری کے لیے مسیب ہی نہایت موزوں شخص ہیں۔ اور اگر آپ کا خیال ہو تو سلیمان بن صرد خزاعی کو بھی سردار لشکر مقرر کیا جاتا ہے۔ جو علاوہ شیخ الشیعہ، بہادر اور دین دار ہونے کے صحابیِ رسول بھی ہیں۔ مسیب نے بھی سلیمان کی قیادت کی تائید کر دی۔

سلیمان بن صرد کی تقریر

اس کے بعد سلیمان نے کھڑے ہو کر ایک پُرزور تقریر کی جس کا ایک حصہ یہ ہے: ہم گردنیں دراز کر کے آلِ رسولؐ کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تھے اور ان کو خطوط لکھ لکھ کر اپنی نصرت و امداد کا یقین دلاتے تھے مگر جب وہ تشریف لائے تو ہم نے سُستی و کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ ہمارے پاس ہی فرزندِ رسولؐ بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ آوازِ استغاثہ بلند کی مگر کسی نے لبیک نہ کہی۔ انصاف طلب کیا مگر ان کے ساتھ انصاف نہ کیا گیا بلکہ فاسقوں کی جماعت نے ان کو اپنے تیروں کا ہدف اور نیزوں کا نشانہ بنا دیا۔ اب اُٹھ کھڑے ہو کہ خدا تم پر ناراض ہو چکا ہے۔ اور اس وقت تک اپنے ہی بیوی بچوں کے پاس نہ جائے۔ جب تک خدا کو راضی نہ کرلو اور میں سمجھتا ہوں کہ خدا اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک قاتلینِ امامؑ کو قتل نہ کردو۔

خبردار! موت سے نہ ڈرنا کیونکہ جو شخص موت سے ڈرتا ہے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ تم بنی اسرائیل کی طرح ہو جاؤ۔ جب انھوں نے گئوسالہ پرستی کر کے اپنے نفوس پر ظلم و زیادتی کی تو ان کے نبی (حضرت موسیٰؑ) نے کہا: اب تمھاری توبہ اس طرح قبول ہو سکتی ہے کہ اپنے نفوس کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اب تم تلواروں کو تیز کرلو اور نیزوں کو درست کرلو۔ اور جس قدر ہو سکتا ہے جنگ کے لیے ساز و سامان جمع کرلو۔ نیز لوگوں کو اس کارِ خیر میں شمولیت کی دعوت دو تا کہ ہم مناسب وقت پر نکل کھڑے ہوں۔ (صدق الاخبار، ص ۵، قمقام، ص ۵۸۳، کامل، ج ۳، ص ۳۳۳)

اس پُرزور تقریر کا اثر تھا کہ حاضرین کے خوابیدہ جذبات میں تلاطم پیدا

ہو گیا۔ خالد بن سعد بن نفیل نے کھڑے ہو کر کہا: خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ پروردگار میرے گناہ سے صرف اس صورت میں درگزر فرمائے گا اور راضی ہوگا کہ میں اپنے آپ کو قتل کر دوں تو یقیناً میں ایسا کر گزرتا (پھر کہا) میں تمام حاضرین کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میرے پاس جو کچھ مال واسباب ہے سوائے اسلحہ جنگ کے وہ سب میں نے ان فاسقوں کے ساتھ جہاد کرنے والے مسلمانوں پر وقف کر دیا ہے۔ کئی اور افراد نے بھی ایسے ہی پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا۔ سلیمان بن صردؓ نے عبداللہ بن وال کو خزانچی مقرر کرتے ہوئے کہا کہ جو صاحب اس کارِ خیر میں حصّہ لینا چاہتے ہیں وہ ان کے پاس جمع کرا دیں۔ (صدق الاخبار، ص ۵، تمقام، ص ۵۸۳، کامل، ج ۳، ص ۳۳۳)

سلیمان بن صردؓ کی شیعیانِ علیؑ سے خط وکتابت

اس کے بعد سلیمانؓ نے دوسرے علاقوں کی فضا کو ہموار کرنے کے لیے مختلف اطراف و جوانب میں اسی مطلب پر مشتمل قاصدوں کے ذریعہ خطوط بھیجے چنانچہ مدائن میں سعد بن حذیفہ بن الیمانؓ اور دوسرے شیعیانِ مدائن کے نام عبداللہ بن مالک طائی کے ہاتھ ایک خط روانہ کیا۔ جس میں شیعیانِ کوفہ کے ان عزائم کی اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ ان کو بھی دعوت دی کہ وہ اس کارِ خیر میں ان کی مساعدت کریں۔ جب سعد کو یہ خط پہنچا تو اس نے شیعیانِ مدائن کو پڑھ کر سنایا۔ چنانچہ سب نے لبیک کہتے ہوئے مدد کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کی۔ سعد نے جواب میں سلیمان بن صردؓ کو وعدۂ نصرت پر مشتمل جواب بھیج دیا۔

اسی طرح سلیمان نے دوسرا خط مثنیٰ بن مخرمہ عبدی کو ظبیان بن عمارہ تمیمی کے ہاتھ بصرہ روانہ کیا۔ مثنیٰ نے جواب میں سلیمانؓ کو لکھا۔ میں نے آپ کا مکتوب پڑھا

اور آپ کے دوسرے دینی بھائیوں کو بھی پڑھایا۔ سب نے آپ کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے نصرت پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ ہم مقررہ وقت پر حاضر ہو جائیں۔ ان شاء اللہ!

مرگِ یزید سے شیعیانِ کوفہ میں ہلچل

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے شیعیانِ علیؑ میں خونِ ناحق کے انتقام لینے کی تحریک تو اسی ۶۱ ہجری سے شروع ہو چکی تھی جس میں امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تھے لیکن اسلحۂ جنگ جمع کرنے اور پوشیدہ طور پر رائے عامہ کو ہموار کرنے میں کافی دن گزر گئے یہاں تک کہ ۶۴ ہجری ۱۴ ربیع الاول میں یزید ہلاک ہو گیا۔ شہادت امامؑ اور مرگ یزید میں تین سال دو ماہ اور چار دن کا فاصلہ ہے (اصدق الاخبار، ص ۶، شرح اخذ الثار، مطبوع مع حاشر، بحار، ص ۲۸۲)۔

جب یزید مر گیا تو ایک بار پھر شیعیانِ کوفہ سلیمان بن صردؓ کے مکان پر جمع ہوئے اور کہا کہ طلب انتقام اور حق خلافت بحق دار پہنچانے کے لیے یہ بہت مناسب وموزوں وقت ہے۔ یہ طاغی مر گیا ہے اور بنی اُمیہ کی خلافت رُوبہ انحطاط ہے۔ لیکن سلیمان نے اتفاق نہ کرتے ہوئے کہا: تمہارا مقابلہ اکابر کوفہ سے ہے جن کے پاس تمام ظاہری وسائل کی فراوانی ہے مگر تمہاری تعداد مختصر ہے۔ اگر خروج میں جلدی کی گئی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم مارے جاؤ گے اور اپنے مقصد میں کامیاب بھی نہیں ہو گے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ لوگوں میں اپنے داعی و مبلغ پھیلا دو۔ ان کو زیادہ سے زیادہ اپنا ہم خیال بناؤ تاکہ تمہاری جمعیت زیادہ ہو جائے چنانچہ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور اسی طریقہ پر عمل درآمد کیا گیا یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد اس تحریک سے اتفاق کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ (کامل، ج ۳، ص ۳۳۴، اصدق، ص ۷، تقام، ص ۵۸۴)

مرگِ یزید کے بعد ابن زیاد کا کردار

ادھر یہ سب کارروائی خفیہ طور پر ہورہی تھی اور دوسری طرف یہ کیفیت تھی کہ مرگِ یزید کے وقت عبیداللہ بن زیاد بصرہ کا گورنر تھا اور کوفہ میں اس کی نیابت میں عمرو بن حریث حاکم تھا۔ جب ابن زیاد کو مرگِ یزید اور شام میں اختلاف کی اطلاع ملی تو اس نے اہلِ بصرہ کو جمع کر کے ان کو اس امر کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یزید کی مذمت کرتے ہوئے اپنی بیعت لینے کا مطالبہ بھی کیا۔ اس وقت تو لوگوں نے بیعت کرلی۔ مگر باہر جا کر دیواروں پر ہاتھ رگڑتے ہوئے کہا: کیا ابن مرجانہ یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہمیشہ اس کے مطیع و منقاد رہیں گے؟ نیز ابن زیاد نے دو قاصد بیعت لینے کے لیے کوفہ بھی بھیجے۔ جن کو اہلِ کوفہ نے پتھر مار کر واپس کر دیا۔ (اصدق الاخبار، ص ۷، کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۳۲۰)

قاصدوں نے واپس جا کر حقیقتِ حال سے ابن زیاد کو آگاہ کیا۔ جب اہلِ بصرہ کو اہلِ کوفہ کے رویے کا پتہ چلا تو وہ بھی انکار پر ڈٹ گئے۔ چنانچہ جب ابن زیاد کو خلافت تو کجا اپنی گورنری کے زوال بلکہ اپنی جان کا بھی خطرہ لاحق ہوگیا تو پہلے تو بعض روسا بصرہ مسعود بن عمرو کے ہاں پناہ لی اور پھر شام کی طرف بھاگ گیا (کامل، ج ۳، ص ۳۲۳)۔ اہلِ کوفہ نے عمرو بن حریث کو نکال دیا اور بعض لوگوں نے وقتی طور پر عمر بن سعد کو امیر کوفہ بنانے کا ارادہ کیا مگر قبیلۂ ہمدان کی باہمت خواتین آڑے آئیں اور جامع مسجد میں جمع ہوکر اور فریاد کی کہ قاتلِ حسینؑ کو امیر کوفہ بنایا جارہا ہے۔ چنانچہ لوگ رو پڑے اور اس ارادہ سے باز آئے۔ (اصدق الاخبار، ص ۸)

اہلِ کوفہ کا بیعت ابن زبیر کرنا اور اس کا عبداللہ بن یزید کو گورنر کوفہ مقرر کرنا

اس کے بعد عام اہلِ کوفہ نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کرلی۔ جس کی وجہ

سے ابن زبیر نے عبداللہ بن یزید انصاری کو کوفہ کا گورنر اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ کو امیر خراج بنا کر کوفہ بھیجا جو ۲۲ ماہِ رمضان ۶۴ ہجری کو کوفہ پہنچے۔ جب کہ سلیمان بن صُرد اور ان کے ساتھی لوگوں کو قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینے کی دعوت دینے میں مشغول تھے۔ (کامل، ج ۳، ص ۳۳۵، تقام، ص ۵۸۲)

ویسے تو یزید کے عین حیات ابن زبیر بھی قتل حسینؑ کا بدلہ لینے کا ڈھونگ رچا کر لوگوں سے بیعت لیا کرتا تھا۔ اور اہلِ مدینہ نے بھی یزید کے انھی زہرہ گداز مظالم کی وجہ سے اس کی بیعت توڑ دی تھی۔ جس کے نتیجہ میں انسانیت سوز واقعہ حرہ پیش آیا (جس کی تفصیلات سابقاً حالاتِ یزید میں بیان ہو چکی ہیں)۔ اس لشکرِ جرار کا قائد مسلم بن عقبہ مری تو مدینہ کی تباہی کے بعد مکہ جاتے ہوئے راستہ میں ہی واصل جہنم ہو گیا تھا۔ اور اس کے قائم مقام حصین بن نمیر نے مکہ جا کر ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا تھا مگر جب اس اثنا میں اس کو مرگِ یزید کی اطلاع ملی تو حصار اُٹھا کر مدینہ کے راستے سے مروان بن الحکم وغیرہ بنی اُمیہ کو ہمراہ لیتا ہوا واپس شام چلا گیا۔ اب بلا مزاحمت اہلِ حجاز و عراق نے ابن زبیر کی بیعت کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ جب ابن زبیر نے اپنی قیادت کی دکان چمکتی ہوئی دیکھی تو اب انتقامِ خونِ شہیدانِ کربلا کا ذکر کرنا بھی چھوڑ دیا۔ (شرح الاثار، ص ۲۸۲، اصدق الاخبار، ص ۹)

صرف یہی نہیں بلکہ اس کا بھائی مصعب بن زبیر (حاکم بصرہ) ان قاتلانِ سیدالشہداء کی آخری جائے پناہ تھا جو کوفہ سے بھاگ کر بصرہ جاتے تھے۔ چنانچہ جب اس نے کوفہ پر چڑھائی کی تو اس کی فوج میں ایسے لوگوں کی کثرت تھی۔ (کامل، ج ۳، ص ۳۰۴)

معاویہ بن یزید کی بیعت

اہلِ شام نے مرگِ یزید کے بعد اس کے بیٹے معاویہ کی بیعت کر لی مگر اس نے خلع بیعت کر لیا اور تین ماہ اور بقولے چالیس دن کے بعد وفات پائی۔ مشہور یہ ہے کہ بنی اُمیہ نے اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ (اصدق الاخبار، ص ۹، کامل، ج ۲، ص ۳۱۹)

واللہ العالم! بوقتِ وفات اس کی عمر اکیس برس اور اٹھارہ دن تھی (کامل، ج ۳، ص ۳۱۹)۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مروان بن الحکم بھی چاہتا تھا کہ ابن زبیر کی بیعت کرے۔ مگر ابن زیاد جب شام پہنچ گیا تو اس نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا بلکہ خود اس کو ادعائے خلافت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ اسی سال ۶۴ ہجری شام میں مروان کی بیعت کر لی گئی۔ (اصدق، ص ۹، کامل، ج ۳، ص ۳۲۶)

جماعت توابین کی روانگی

اس طرف سلیمان بن صرد ۶۵ ہجری تک برابر پروگرام کی تیاری میں مشغول رہا اور بالآخر یکم ربیع الثانی ۶۵ ہجری کی شب کو کوفہ سے نکل کر مقام نخیلہ میں قیام کیا اور اس مقررہ مقام و تاریخ پر سب ہم خیال جمع ہوئے مگر اس وقت یہ حوصلہ شکن صورتِ حال سامنے آئی کہ جن لوگوں نے نصرت کے وعدے کیے تھے ان کی تعداد تو سولہ او بقولے اٹھارہ ہزار تھی لیکن جو لوگ وہاں پہنچے وہ بمشکل چار ہزار تھے۔ وہاں قیام کر کے سلیمان نے کوفہ میں اِکا دکا اپنے آدمی بھیجے جنھوں نے کوفہ کی جامع مسجد وغیرہ میں یالثارات الحسینؑ کے نعرہ ہائے حق بلند کیے۔ اس طرح تین دن کی تگ و دو اور انتظار کے بعد صرف ایک ہزار آدمی اور جمع ہوئے۔ اس طرح ان جاں بازوں کی کُل تعداد پانچ ہزار ہوگئی۔ مسیب بن نجبہ نے کہا: جو لوگ خروج کرنا پسند کرتے

ہیں ان کا مزید انتظار کرنا بے سود ہے اور نہ ہی ایسے لوگوں کی حاضری سودمند ہو سکتی ہے۔ سلیمانؓ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور آگے بڑھنے سے پہلے اپنی کمان پر ٹیک لگا کر تقریر کی۔ جس میں اس امر کی وضاحت کی کہ ہم مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے خروج نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہمارا مقصد تو صرف خدا کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنا ہے۔ پس جس شخص کا یہی مقصد ہے، خدا اس پر زندگی اور موت ہر حال میں رحمت نازل کرے، وہ ہمارے ساتھ آئے۔ اور جس کا مقصد مالِ دنیا حاصل کرنا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی سونا و چاندی نہیں ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ تلواریں کاندھوں پر، اور نیزے ہاتھ میں ہیں۔ سلیمان کی یہ تقریر سن کر ہر طرف سے یہی آواز آئی کہ ہم طلبِ دنیا کے لیے نہیں نکلے بلکہ توبہ کرنے اور فرزندِ رسولؐ کا بدلہ لینے کے لیے نکلے ہیں۔ (اصدق الاخبار، ص ۱۱، کامل، ج ۳، ص ۳۳۱)

جب سلیمان بن صرد نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن سعد بن نفیل نے کہا کہ جب ہمارا مقصد حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کا بدلہ لینا ہے۔ اور عبیداللہ بن زیاد کے سوا باقی سب قاتل کوفہ میں موجود ہیں تو ہمیں یہیں سے ابتداء کرنا چاہیے۔ مگر سلیمان نے یہ کہا کہ جس شخص نے لشکر بھیج بھیج کر ان کو شہید کرایا۔ وہ یہی فاسق ابن مرجانہ ہے۔ ہمیں پہلے اسی سے مقابلہ و مقاتلہ کرنا چاہیے۔ اگر خدا نے اس پر ہمیں غلبہ عطا فرما دیا تو پھر اہلِ کوفہ کا مقابلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ بلا جنگ اہلِ کوفہ تمہاری اطاعت کر لیں۔ پھر چُن چُن کر قاتلین کو قتل کر دینا۔ بالآخر اسی رائے پر اتفاق ہو گیا۔ (اصدق الاخبار، ص ۱۱، کامل، ج ۳، ص ۳۳۱)

جماعت توابین سے گورنر کوفہ کی ملاقات

وہاں سے روانہ ہونے ہی والے تھے کہ عبداللہ بن یزید گورنر کوفہ اور ابراہیم

بن محمد امیر خراج نے ان کی طرف قاصد بھیج کر استدعا کی کہ ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہمارا انتظار کرو۔ سلیمان نے رفاعہ بن شداد کو حکم دیا کہ تم اپنے لشکر کو مرتب کرو۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ سلیمان اپنے اکابر اصحاب کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں عبداللہ بن یزید اور ابراہیم بن محمد بھی چند اشراف کوفہ کی معیت میں پہنچ گئے۔ موصوفین نے سلیمان کو مشورہ کیا کہ ابن زیاد کے ساتھ جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ یہیں قیام کریں۔ ہاں جب ان کو ابن زیاد کے ان کی طرف بڑھنے کی اطلاع ملے تو پھر پیش قدمی کریں۔ مزید برآں انھوں نے دو پیش کش بھی کیں۔ ایک یہ کہ قیام کرنے کی صورت میں مقام جوخی کا خراج ان کے حوالہ کیا جائے گا۔ مگر سلیمان نے یہ کہہ کر ان کی اس پیش کش کو شکریہ کے ساتھ مسترد کر دیا کہ ہم مال و دولت جمع کرنے کی خاطر خروج نہیں کر رہے۔

دوسرے یہ کہ اگر آپ قیام کریں تو عندالضرورت آپ کو لشکرِ کثیر دیا جائے گا۔ مگر سلیمان نے ان کی یہ پیش کش بھی قبول نہ کی اور مزید توقف کو درست نہ سمجھتے ہوئے آگے بڑھنے میں مصلحت دیکھی۔ (اصدق الاخبار، ص ۱۲، کامل، ج ۳، ص ۳۴۱)

مگر انھوں نے یہ ضرور محسوس کیا کہ شیعیانِ بصرہ و مدائن مقررہ وقت پر نہیں پہنچے۔ چنانچہ بعض حضرات نے ان کی ملامت کرنا شروع کی۔ مگر سلیمان نے یہ کہہ کر ان کو روک دیا کہ ان کی ملامت نہ کرو۔ اگر وہ اس وقت نہیں پہنچ سکے تو زادِ راہ کی کمی یا کوئی اور وجہ ہوگی۔ البتہ ان کو جب آپ کی روانگی کی اطلاع ملے گی تو وہ ضرور آ کر آپ کے ساتھ ملحق ہو جائیں گے۔ اس وقت پھر سلیمان نے ایک تقریر کی جو دنیا میں بے رغبتی پیدا کرنے، آخرت میں رغبت بڑھانے اور جہاد کی فضیلت پر مشتمل تھی۔ بالآخر پانچ ربیع الثانی ۶۵ ہجری شب جمعہ کو وہاں سے روانہ ہو کر "دیر الاعور" کے مقام پر پہنچ کر رات گزاری۔ کچھ آدمی وہاں رُک گئے مگر سلیمان اپنے مخلص اصحاب کے

ساتھ ان کی پروانہ کرتے ہوئے برابر آگے بڑھتے گئے اور نہر فرات کے کنارے اقساس بنی مالک کے پاس رات بسر کی۔

جماعتِ توابین کا کربلا میں وُرُود

پھر صبح سویرے وہاں سے اُٹھ کر کربلائے معلیٰ پہنچ گئے۔ ایک شب وروز تک وہاں قیام کیا۔ اس اثناء میں قبرِ حسینؑ کی زیارت کی اور اس کے پاس برابر دُعا و استغفار اور گریہ و بکا میں مشغول رہے۔ راویانِ اخبار کا بیان ہے کہ وہاں اس قدر گریہ و بکا کا کہرام برپا ہوا کہ اس سے زیادہ کبھی رقت خیز منظر نہیں دیکھا گیا۔ ایک شب و روز تک وہاں قیام رہا پھر تمام حضرات قبرِ حسینؑ سے رخصت ہوئے۔ لوگ اس طرح قبر مبارک پر ٹوٹ رہے تھے جیسے حاجی حجرِ اسود پر ٹوٹتے ہیں۔ اس وقت ان کے نالہ و شیون کا عجیب سماں تھا۔ جذبات بے قابو تھے۔ سب سید الشہداءؑ کی مظلومیت اور اپنی حرماں نصیبی پر اَشک بہا رہے تھے۔ سب کے آخر میں سلیمانؓ یہ دعا کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ بارالہا! اگر ہم امامؑ کے ہمرکاب ہو کر شرفِ شہادت حاصل نہ کر سکے تو اب ہمیں اس سعادت سے محروم نہ رکھ۔ (اصدق الاخبار، ص ۱۲، کامل، ج ۳، ص ۱۴۳)

بالآخر وہاں سے روانہ ہو کر مقامِ انبار میں پہنچے۔ وہاں پھر عبداللہ بن یزید حاکمِ کوفہ کا قاصد خط لے کر پہنچا۔ جس میں ان حضرات سے واپس لوٹنے کی استدعا کی گئی تھی۔ سلیمان نے کہا: جب ہم نے مقامِ نخیلہ میں ان کے مشورہ کو قبول نہیں کیا تو اب دشمن کی سرحد کے قریب پہنچ کر واپس لوٹنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ سلیمان نے جواب میں اس کے اس مشورہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ میرے ہمراہیوں نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی جانوں کا سودا کر دیا ہے۔ اس لیے وہ کسی قیمت پر

واپس لوٹنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ جب عبداللہ کے پاس یہ مکتوب پہنچا تو اس نے کہا: یہ لوگ خود موت کو طلب کر رہے ہیں بخدا یہ لوگ عزت کی موت مارے جائیں گے۔ (اصدق الاخبار، ص ۱۴، کامل، ج ۳، ص ۳۴۲)

زفر کلابی سے ملاقات

بعدازاں سفر کرتے ہوئے مقامِ ہیت میں پہنچے۔ پھر وہاں سے چل کر مقام قرقیسیا میں وارد ہوئے۔ وہاں زفر بن حارث کلابی سے ملاقات ہوئی۔ جس نے پہلے انھیں دشمن تصور کر کے شہر کے دروازے بند کر لیے تھے اور خود قلعہ بند ہو گیا تھا۔ مگر انکشاف حقیقت کے بعد باہم گھل مل گئے۔ اس نے انھیں کافی آذوقہ اور ضروریاتِ خورد و نوش مہیا کر دیں۔ رات وہاں گزاری۔ دوسرے دن صبح وہاں سے آگے بڑھے۔ زفر بغرض مشایعت ان کے ساتھ نکلا اور اس نے سلیمان بن صُرد کو بتایا کہ عبیداللہ بن زیاد وغیرہ پانچ سردارانِ لشکر مقامِ رقّہ سے افواج کثیرہ لے کر روانہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ یہیں شہر میں داخل ہو کر قیام کریں تاکہ اگر وہ حملہ آور ہوں تو ہم تم اتفاق سے ان کا مقابلہ کریں۔ سلیمانؓ نے کہا: خود ہمارے شہر (کوفہ) والوں نے بھی ہم سے یہی مطالبہ کیا تھا جسے ہم نے مسترد کر دیا تھا (مطلب یہ کہ تمہاری یہ پیش کش بھی قبول نہیں ہے)۔

زفر کا مشورہ

جب زفر مایوس ہو گیا تو اس نے دوسرا مشورہ یہ دیا کہ پھر جلدی کرو۔ ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے تم مقام "عین الوردۃ" جسے "راس عین" بھی کہا جاتا ہے، پر پہنچ جاؤ اور شہر کو پشت کی جانب قرار دے کر دوسری طرف قیام کرو۔ اس طرح شہر،

پانی اور دیگر ضروریات زندگی تمہارے قبضہ میں ہوجائیں گے۔ اور جہاں تک ہمارے تمہارے معاملات کا تعلق ہے میری طرف سے مطمئن رہو۔ میں ہرگز تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ بخدا میں نے تم سے بڑھ کر کوئی شریف جماعت نہیں دیکھی۔ دیکھو جلدی کرو مجھے امید ہے کہ تم ان سے پہلے پہنچ جاؤ گے۔ خیال رکھنا کھلی فضا میں ان کے ساتھ جنگ نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں چاروں طرف سے گھیر کر ہلاک کردیں گے۔ کیوں کہ ان کی تعداد تم سے بہت زیادہ ہے۔

جماعت کا مقام عین الوردہ پر قیام

چنانچہ یہ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ دو دو مرحلوں کو ایک ایک مرحلہ میں قطع کرتے ہوئے مقام "عین الوردۃ" میں پہنچ گئے اور اس کی غربی جانب رحلِ اقامت ڈال دیا اور پانچ دن تک استراحت کرکے تھکانِ سفر دور کی۔ پانچویں دن معلوم ہوا کہ ابن زیاد اہلِ شام کے عساکر کثیرہ لے کر آرہا ہے اور صرف درمیان میں ایک شب و روز کی مسافت باقی ہے۔

سلیمان کی تقریر اور جنگی ہدایات

اس وقت سلیمان بن صردؓ نے تقریر کی جس میں دنیا کی بے ثباتی بیان کرکے اور دارِ آخرت میں رغبت دلانے کے بعد کہا۔ تمہارا وہ دشمن آپہنچا ہے جس کی طرف تم شب و روز ایک کرکے بڑھ رہے تھے۔ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو اس سے فیصلہ کن جنگ کرو اور شدائد جنگ پر صبر کرو۔ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ کسی زخمی کا کام تمام نہ کرنا اور نہ کسی اسیر کو قتل کرنا یہی جناب امیر علیہ السلام کی سیرت تھی۔ (اصدق الاخبار، ص ۱۶، کامل، ج ۳، ص ۲۳۲، قمقام، ص ۵۹۱)

اور یہ بھی کہا کہ اگر میں جاں بحق ہو جاؤں تو پھر امیر لشکر مسیب بن نجبہ ہوں گے۔ اگر وہ بھی راہِ خدا میں کام آ جائیں تو پھر رئیسِ لشکر عبداللہ بن سعد بن نفیل ہوں گے۔ اگر وہ بھی جان سپار ہو جائیں تو سردار عبداللہ بن وال ہوں گے اور اگر وہ بھی راہی ملک بقا ہو جائیں تو پھر قائد رفاعہ بن شداد ہوں گے۔ خدا اس بندہ پر رحم کرے جو اپنے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرے۔ (اصدق الاخبار، ص ۱۶، قمقام، ص ۵۹۱، کامل، ج ۳، ص ۳۳۲)

مسیب کی پیش قدمی اور کامیابی

پھر مسیب کو چار سو سوار دے کر آگے بھیج دیا اور اسے حکم دیا کہ اگر مخالف لشکر کے پہلے حصّہ سے ملاقات ہو تو اس پر ٹوٹ پڑیں۔ اگر فتح و نصرت حاصل ہو تو فبہا ورنہ واپس پلٹ آئیں۔ مسیب کو راستہ میں ایک اعرابی ملا۔ اس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قریباً ایک میل کے فاصلہ پر شراحیل بن ذی الکلاع چار ہزار کے دستہ فوج کے ساتھ اور اس کے پیچھے حصین بن نمیر چار ہزار کے ساتھ، اس کے پیچھے صلت بن نجبہ خلابی چار ہزار کے ساتھ اور ان سب کے بعد عبیداللہ بن زیاد ایک لشکرِ جرار لے کر آ رہا ہے۔ وہ مقام رقّہ سے ان دستوں کو "مقدمۃ الجیش" کے طور پر آگے بھیج رہا ہے۔ باوجود اس مدہش خبر سننے کے مسیب کے قدم بجائے پیچھے ہٹنے کے اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ حتیٰ کہ شامیوں کے پہلے دستۂ فوج پر نگاہ پڑی جو بڑے اطمینان سے آگے بڑھ رہا تھا۔ مسیبؒ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان پر یکبارگی حملہ کر دو۔ اس مختصر مگر مستعد اور دلیر دستہ کا حملہ اس قدر سخت تھا کہ شامیوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسیب اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں بہت سے شامی مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے اور ان سے کافی مال غنیمت ہاتھ آیا

پھر واپس اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئے۔ (قمقام، ص ۵۹۳، کامل، ج ۲، ص ۳۳۳)

جنگِ عین الوردہ کا بیان

جب ابن زیاد کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے حصین بن نمیر کو مزید لشکر دے کر روانہ کیا۔ اس طرح اہلِ شام کی کم از کم تعداد بارہ ہزار اور اہلِ عراق کی پورے پانچ ہزار بھی نہ تھی۔ چنانچہ دونوں لشکر بروز چہارشنبہ ۱۶ اور بقولے ۲۲ جمادی الاولیٰ ۶۵ ہجری کو ایک دوسرے کے مقابل ڈٹ گئے۔ اہلِ عراق نے اپنا لشکر اس طرح ترتیب دیا۔ میمنہ پر مسیب بن نجبہ، میسرہ پر عبداللہ بن سعد، جناح پر رفاعہ بن شداد افسرِ اعلیٰ مقرر ہوئے اور امیر لشکر سلیمان بن صرد خزاعی قلب میں کھڑے ہوگئے۔ اور اہلِ شام نے لشکر اس طرح ترتیب دیا۔ میمنہ پر عبداللہ بن ضحاک فہری کو، میسرہ پر ربیعہ بن مخارق غنوی کو، جناح پر شراحیل بن ذی الکلاع کو افسرِ اعلیٰ مقرر کیا۔ اور خود حصین بن نمیر قلب میں کھڑا ہوگیا۔ جب دونوں لشکر باہم قریب آگئے۔ تو اہلِ شام نے عراقیوں کو عبدالملک بن مروان کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ اور اہلِ عراق نے شامیوں کو یہ دعوت دی کہ عبدالملک اور آلِ زبیر کی اطاعت چھوڑ دو بلکہ امرِ خلافت اس کے صحیح حق داروں یعنی اہلِ بیت رسولؐ تک پہنچانے میں ہمارے ساتھ تعاون کرو۔ مگر کسی فریق نے بھی دوسرے کی بات نہ سنی اور اب جنگ ناگزیر ہوگئی (اصدق الاخبار، ص ۱۸، قمقام، ص ۵۵۴، کامل، ج ۳، ص ۳۳۳)۔

سلیمان نے اپنے اصحاب کو جنگ و جدال کی بہت کچھ ترغیب و تحریص دلائی۔

المختصر جنگ شروع ہوگئی۔ سلیمان بن صردؓ کے میمنہ نے حصین بن نمیر کے میسرہ پر اور میسرہ نے میمنہ پر اور خود سلیمان نے قلب پر اس زور کا حملہ کیا کہ اہلِ شام میدان چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ پھر شام تک اِکا دُکا زود خورد کا سلسلہ جاری رہا

مگر میدان بہرحال سلیمان کے ہاتھ رہا۔ دوسرے دن حصین کو آٹھ ہزار تازہ دم فوج کی مزید کمک پہنچ گئی۔

اب ان کی تعداد بارہ ہزار سے بڑھ کر بیس ہزار ہوگئی۔ چنانچہ دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی اور سوائے نماز کے وقت کے سارا دن شام تک جاری رہی۔ اصحابِ سلیمان نے باوجود قلیل التعداد ہونے کے بڑی پامردی سے دشمن کا مقابلہ کیا جب شام کو جنگ بند ہوئی تو معلوم ہوا کہ فریقین کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا ہے اور زخمی بھی کافی ہوئے ہیں۔

جب تیسرے روز اور یہ یوم جمعہ تھا، صبح ہوئی تو اہلِ شام کے پاس ادہم بن محرز باہلی کی ماتحتی میں مزید دس ہزار لشکر پہنچ گیا اسے بھی ابن زیاد نے کمک کے طور پر بھیجا تھا۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو چاشت تک تو فریقین میں گھمسان کا رَن پڑا۔ مگر اب اہلِ شام کے ٹڈی دل لشکر نے اس مختصر جماعتِ توابین کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر سلیمان گھوڑے سے اُتر پڑے اور اپنے آدمیوں کو للکار کر کہا: اے اللہ کے بندو! جو شخص توبہ کر کے جلدی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں جانا چاہتا ہے، وہ میری طرف آئے۔ یہ کہہ کر تلوار کا میان توڑ دیا۔ اسی طرح ان کے بہت سے ہمراہیوں نے بھی ان کی متابعت کی۔ اور بڑی جگرکاوی اور پامردی کے ساتھ لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ اہلِ شام کے بہت سے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس وقت سلیمان یہ رجز پڑھ رہے تھے:

الیک ربی تبت من ذنوبی وقد علانی فی الوریٰ مشیبتی

واغفر ذنوبی سیدی وجوبی

(نفس المہموم، ص۵۹۲)

جب حصین بن نمیر نے شدائد جنگ پر ان کے صبر وثبات اور شدید حملوں کو

دیکھا تو بزدل نے تیراندازوں کو حکم دیا کہ ان پر تیر برسائے جائیں۔ حکم کا ملنا تھا کہ آگ کے شراروں اور موسلا دھار بارش کے قطروں کی طرح ہر طرف سے تیر آنے لگے۔ چنانچہ اسی اثناء میں جناب سلیمان بن صرد خزاعیؓ یزید بن حصین بن نمیر کے تیر لگنے سے دار فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سدھا گئے (کامل، ج ۳، ص ۳۳۳)۔ ان کی عمر تریانوے برس تھی (اصدق الاخبار، ص ۱۹)۔ اس کے بعد علمِ لشکر میتب بن نجبہ نے ہاتھ میں لیا اور رجز پڑھتے ہوئے کئی بار بڑے زوردار حملے کیے اور ہر مرتبہ بہت سے شامیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ حتیٰ کہ دشمن نے ہر طرف سے حملہ کر کے ان کو گھیر لیا۔ اس طرح وہ بھی بہادرانہ جنگ لڑتے ہوئے عروجِ موت سے ہمکنار ہو گئے۔ اس کے بعد علمِ لشکر عبداللہ بن سعد بن نفیل نے سنبھالا اور بڑی جرأت و ہمت سے دادِ شجاعت دینا شروع کی۔ اسی اثناء میں ان کے پاس تین سوار پہنچے۔ عبداللہ بن فضل الطائی، کثیر بن عمرو المرنی اور سعد بن ابی سعر الحنفی جنھیں سعد بن حذیفہ بن الیمان نے یہ اطلاع دے کر بھیجا تھا کہ وہ ایک سوستر آدمیوں کا جتھہ لے کر مدائن سے روانہ ہو چکا ہے۔ اور اسی طرح مثنیٰ بن مخرمہ عبدی بھی بصرہ سے تین سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو چکا ہے۔ یہ خوش خبری سن کر عبداللہ بن سعد کے ساتھی خوش ہوئے مگر عبداللہ نے کہا: یہ خوشی اس وقت تھی کہ یہ لوگ ہماری زندگی میں پہنچتے (جس کی اب اُمید نہ تھی)۔ جب ان قاصدوں نے صورتِ حال کی نزاکت کو دیکھا تو وہ بھی اپنے ایمانی بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہو گئے۔ اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے راہیِ ملکِ بقا ہوئے (اصدق، ص ۲۰، قمقام، ص ۵۹۴، کامل، ج ۳، ص ۳۳۳)

بقولے کثیر بن عمرو المرنی اس وقت زخمی ہو کر گرا تھا جو بعد میں تندرست ہو گیا (اصدق، ص ۲۰)۔ بالآخر عبداللہ بن سعد نے بھی فیصلہ کن جنگ لڑتے ہوئے

عالمِ آخرت کی راہ لی۔ اب جناب سلیمان کی ہدایت کے مطابق علم لشکر عبداللہ بن وال نے سنبھالا تھا مگر وہ دوسری طرف شدید جنگ لڑ رہے تھے۔ اس لیے کچھ دیر کے لیے علَم زمین پر گر گیا۔ جب عبداللہ کو صورتِ حال کا علم ہوا تو انھوں نے علم سنبھال لیا اور بڑی پر جگری کے ساتھ تابڑ توڑ حملے شروع کیے۔ اور ساتھ ہی اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے جاتے تھے: جو شخص دائمی زندگی اور راحت چاہتا ہے وہ دل کھول کر ان لوگوں سے جنگ کرے۔ اب عصر کا وقت ہو چکا تھا اور فوجِ مخالف کی کمان ادہم بن محرز باہلی نے سنبھال لی تھی جو بڑے زوردار حملے کر رہا تھا۔ اس وقت عبداللہ یہ آیت پڑھ رہے تھے: وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○

انھی حملوں میں اسی ملعون کے ہاتھوں سے عبداللہ بن وال نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا۔ (تمقام، ص ۵۹۴، کامل، ج ۳، ص ۳۳۴)۔ اب حسبِ وصیت علَمِ لشکر رفاعہ بن شداد کے حوالہ کیا گیا۔ انھوں نے بھی خوب دادِ شجاعت دی۔ آج شامی چاہتے تھے کہ شام سے قبل ہی اہلِ عراق کا خاتمہ کر دیا جائے۔ مگر رات کے حائل ہو جانے کی وجہ سے مجبوراً جنگ موقوف کرنا پڑی۔ اب رفاعہ نے یہ سوچا کہ ان کے ہمراہ بالکل تھوڑے سے آدمی رہ گئے ہیں جن کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہے اور وہ بھی سب صحیح سلامت نہیں بلکہ بہت سے زخمی ہونے کے باعث جنگ کرنے کے قابل نہیں ہیں لہٰذا اب جنگ جاری رکھنے میں کامیابی کی بالکل کوئی اُمید نہیں ہے۔ لہٰذا انھوں نے رات کی تاریکی میں اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کو لے کر مراجعت کی۔ بعض آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب کرب بن یزید حمیری کو رفاعہ کے واپسی کے ارادہ کی اطلاع ملی تو اس نے موافقت نہ کی بلکہ اپنی قوم بنی حمیر اور قبیلہ ہمدان کے ایک سو آدمیوں کے ساتھ واپس جانے پر موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ راتوں رات

اپنے ساتھیوں سمیت فوج مخالف پر ٹوٹ پڑا۔ ابن الکلاع نے ان کو امان کی پیش کش کی مگر انھوں نے جواب میں کہا: امن میں تو پہلے ہی زندگی گزار رہے تھے اب تو صرف ہم آخرت کی امان کے طلب گار ہیں۔ چنانچہ زبردست جنگ کرنے کے بعد سب عالمِ بقا کی طرف سدھا گئے۔ اسی طرح صخر بن حذیفہ بن ہلال مزنی نے بھی اپنے قبیلہ بنی مزن کے تیس آدمیوں کی معیت میں حیات پر موت کو ترجیح دی اور آخر دم تک لڑتے ہوئے دنیا کے رنج والم سے رہائی پا کر عالمِ آخرت کے روح و ریحان کی طرف منتقل ہو گئے (اصدق الاخبار، ص ۲۲، کامل، ج ۳، ص ۳۴۴، مقتل، ص ۵۹۵)۔ بہر حال جب صبح ہوئی تو حصین بن نمیر نے میدان کو خالی پایا۔ رفاعہ اپنے چند ساتھیوں سمیت واپس جا چکے تھے مگر اس نے تعاقب کرنا ضروری نہ سمجھا۔ واپسی پر قرقیسیا پہنچ کر زفر کے پاس تین دن تک قیام کیا۔ اس اثناء میں زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔ بعد ازاں وہاں سے بجانب کوفہ روانہ ہوئے۔ سعد بن حذیفہ جب مقامِ حیف پر پہنچا اور اس کو صورتِ حال کی اطلاع ملی تو وہ وہیں سے واپس ہو گیا۔ واپسی پر بمقام صندودا پر مثنیٰ بن مخرمہ عبدی سے ملاقات ہوئی۔ اسے بھی تازہ صورتِ حال سے آگاہ کیا اور دونوں حضرات اپنے ہمراہیوں سمیت وہیں رفاعہ کے انتظار میں رُک گئے۔ جب رفاعہ بن شداد پہنچے تو انھوں نے ان تباہ حالوں کا گریہ و بکا سے استقبال کیا۔ دونوں گروہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ ایک شب و روز تک وہیں قیام رہا۔ اس کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔ ابن زیاد کی فوج نے جناب سلیمان بن صرد اور مسیب بن نجبہ کا سر قلم کر کے عبدالملک بن مروان کے پاس شام میں بھیج دیا۔ (اصدق الاخبار، ص ۲۳)۔ اور اس طرح قاتلانِ حسینؑ سے بدلہ لینے کی یہ پہلی کوشش منزلِ آخر تک پہنچی (شہید انسانیت، ص ۶۲۵)

مختارِ آلِ محمدؐ کا قاتلانِ امامؑ سے انتقام

سطور بالا میں مجملاً بیان کیا جاچکا ہے کہ سلیمان بن صرد خزاعیؓ کی قیادت میں توابین کی جو جماعت قاتلانِ امامؑ سے انتقام لینے کے لیے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کس طرح اور کن وجوہ سے اپنے مقصد میں ناکامی کا شکار ہوئی جس کی سب سے نمایاں وجہ باوجود اپنی تعداد کے قلیل ہونے کے براہِ راست بنی اُمیہ کی حکومت سے ٹکر لینا تھا۔ حالانکہ انفرادی طور پر عام قاتلانِ حسینؑ کوفہ میں ہی تھے۔ بہرحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتبانِ قضا و قدر نے اس مہم کو سر کرنے کے لیے مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کو منتخب کیا۔ سچ ہے ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مختارؓ کے حسب ونسب کا مختصر تعارف

اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے مختار کے حسب ونسب اور نام وکام کا مختصر سا تعارف کرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مختار بن ابی عبیدہ قبیلہ ثقیف کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ جو عرب کے شریف قبائل میں سے تھا اور اصل میں طائف کے باشندہ تھے۔ بعد ازاں کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ ان کا شمار کوفہ کے روسا میں ہوتا تھا۔ ان کے والد ابوعبیدہ کا شمار جنابِ رسولؐ خدا کے اصحابِ کبار میں ہوتا تھا۔ وہ کئی اسلامی غزوات میں دادِ شجاعت دے چکے تھے۔ بدورِ خلیفہ ثانی ۱۳ ہجری کو اواخر

ماہِ شعبان میں عجمیوں سے جنگ کرتے ہوئے کام آئے۔ (فرسان الہیجاء، ج ۲، ص ۱۹۸-۱۹۹)

مختارؓ کی ولادت پہلی ہجری میں بمقام طائف ہوئی۔ ان کی کنیت ابواسحاق اور لقب کیسان ہے۔ والد کی شہادت کے وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی اور زندگی کی ۶۷ بہاریں دیکھنے کے بعد جاں بحق تسلیم ہوئے۔ (فرسان، ج ۲، ص ۱۹۸)

مختارؓ کی مدح اور قدح میں روایات کا اختلاف

اگرچہ مختار آلِ محمد علیہم السلام کے ہمدرد و خیر خواہ ہونے میں مشہور تھے اور ہیں مگر ان کے بارے میں جو اخبار و آثار ہم تک پہنچے ہیں۔ ان میں مختار کی مدح و قدح کے متعلق اس قدر شدید اختلاف ہے کہ غواص بحار اخبار آئمہ اطہار حضرت علامہ مجلسیؒ ایسے عالمِ خبیر بھی سپر انداز ہو گئے ہیں اور دونوں قسم کی روایات درج کرنے کے بعد کوئی حتمی فیصلہ کیے بغیر صاف صاف لکھ دیا ہے: وانا فی شافه من المتوقفين وان كان الاشهر بين اصحابنا انه من المشكورين۔ میں ان کے بارے میں توقف کرنے والوں میں سے ہوں۔ اگرچہ ہمارے علماء میں مشہور یہی ہے کہ وہ مشکورین میں سے ہیں۔ (عاشر بحار، ص ۲۸۰)

جہاں تک ہمارے ذاتی رجحان کا تعلق ہے۔ ہمارا میلان ان کی مدح کی طرف ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب انتہائی مذمت والی روایات سے بھی بالآخر ان کا باقی ہونا ظاہر ہوتا ہے (عاشر بحار، ص ۶۰)۔ تو بعدازیں سرے سے یہ بحث ہی قلیل الجدوئی معلوم ہوتی ہے۔ اتنا تو تاریخی شواہد سے معلوم ہے کہ انھوں نے قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لے کر خاندانِ رسولؐ کو مسرور و شادکام کیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: ما اكتحلت هاشمية ولا اختضبت ولا

روؤی فی دارها شمی دخان خمس سنین حتیٰ قتل عبیداللّٰہ بن زیاد۔ جب تک عبیداللہ بن زیاد قتل نہیں ہوا۔ اس وقت تک خاندان بنی ہاشم کی کسی عورت نے نہ آنکھوں میں سُرمہ لگایا اور نہ خضاب لگایا اور نہ ہی کسی ہاشمی کے گھر سے پانچ سال تک دھواں اُٹھتا دیکھا گیا (اصدق الاخبار، ص ۷۱)۔ ایسا ہی جناب فاطمہ بنت علیؑ سے منقول ہے۔ فرمایا: ما تحنأت امراۃ منا ولا اجالت فی عینها مرودا ولا امتشطت حتیٰ بعث المختار براس عبیداللّٰہ بن زیاد۔ جب تک مختار نے عبیداللہ بن زیاد کا سر نہیں بھیجا۔ اس وقت تک ہماری کسی عورت نے نہ مہندی لگائی، نہ آنکھوں میں سرمہ لگایا اور نہ بالوں میں کنگھی کی۔ اسی طرح بعض موارد پر آئمہ اطہارؑ کا ان کے حق میں دعائے خیر کرنا بھی وارد ہے (اصدق، ص ۷۱، فرسان، ج ۲، ص ۲۳۰)۔ اور یہی امر مختار کی فلاح کے لیے کافی ہے اور بعید نہیں کہ جو غلط باتیں ان کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں حکومت بنی اُمیہ اور حکومت ابن زبیر کے پروپیگنڈے کا دخل ہو۔ کیونکہ مختار بیک وقت دونوں حکومتوں کے عتاب کا شکار تھے۔ واللہ العالم!

خروجِ مسلمؑ کے وقت مختارؒ کوفہ سے باہر تھے

جن لوگوں نے کوفہ سے حضرت امام حسینؑ کو بلاوے کے خطوط لکھے تھے۔ اگرچہ ان میں مختارؒ کا کہیں نام نہیں ملتا لیکن کوفہ پہنچ کر امامؑ کے سفیرِ خاص جناب مسلم بن عقیلؑ نے پہلے مختار کے گھر ہی قیام کیا تھا۔ جیسا کہ اپنے مقام پر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس سے بھی مختار کے ہمدرد اہل بیتؑ ہونے پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ ہاں بعدازاں ابن زیاد کی آمد سے جب حالات دگرگوں ہوئے اور اس وقت مختار کوفہ سے باہر اپنی ملکیتی بستی میں گئے تھے (جس کا نام لقفا تھا) (فرسان الہیجاء، ج ۲، ص ۲۰۴)

جہاں ان کی جائداد اور باغات تھے۔ (اصدق، ص ۲۵)۔ تب جناب مسلمؑ، ہانیؒ کے گھر منتقل ہو گئے۔ اور چونکہ جناب مسلمؑ کا خروج جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ جناب ہانیؒ کی گرفتاری کے واقعہ کی وجہ سے اچانک اور قبل از وقت تھا۔ اس لیے مختارؓ ان کے ساتھ شامل نہ ہو سکے۔ ہاں جب ان کو ان کے خروج کی اطلاع ملی تو اپنی قوم وقبیلہ اور اپنے غلاموں کی ایک جمعیت کے ساتھ رات کے وقت کوفہ پہنچے۔ مگر اس وقت جناب مسلمؑ روپوش ہو چکے تھے اور ابن زیاد کے حکم سے عمرو بن حریث نے امان کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا کہ جو اس کے نیچے آجائے، اسے امان مل جائے گی۔ چنانچہ بعض لوگوں کے مشورہ سے مختارؓ اسی جھنڈے کے نیچے چلے گئے اور صبح تک وہیں رہے۔ (اصدق، ص ۲۵، قرسان، ج ۲، ص ۲۰۴)

مختارؓ، زندانِ ابن زیاد میں

مگر چونکہ حاکمِ وقت کو مختارؓ کی طرف سے کافی شکوک وشبہات تھے لہٰذا انھیں امان نہ مل سکی۔ اس لیے انھیں صبح زندان میں بھیج دیا گیا۔ بلکہ ابن زیاد نے چھڑی کے ساتھ ان کے منہ پر کچھ ضربیں بھی لگائیں جس سے ان کی ایک آنکھ کو کچھ نقصان بھی پہنچا (اصدق، ص ۲۶، قرسان، ج ۲، ص ۲۰۵، کامل، ج ۳، ص ۳۴۷)۔ اسی قید میں جناب میثم تمار بھی قید تھے۔ انھوں نے مختار کو بشارت دی کہ تم عنقریب قید سے آزاد ہو جائیں گے اور یہ مردود ابن زیاد تمہارے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا۔ مختار نے دریافت کیا: تمھیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی ہے۔ میثم نے کہا: میں نے حضرت امیر علیہ السلام سے سنی ہے (قرسان، ج ۲، ص ۲۰۵، اصدق، ص ۲۶)۔ پھر مختارؓ شہادتِ حسینؑ تک مسلسل ابن زیاد کے زندان میں رہے۔

بعد ازاں مختارؓ نے تمام صورتِ حال لکھ کر عبداللہ ابن عمر کو بھیجی اور ان سے

اپنی رہائی کے لیے یزید کے پاس سفارش کی استدعا کی۔ چونکہ مختارؓ کی بہن صفیہ عبداللہ کے گھر تھی۔ جب اسے اپنے بھائی کی قید و بند کی اطلاع ملی تو اس نے باصرار عبداللہ کو سفارش کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے یزید کے نام سفارشی خط لکھا۔ ادھر یزید بھی ایسے سربرآوردہ لوگوں کی (بالخصوص شہادتِ امامؑ کے بعد) دل شکنی کرنا خلافِ مصلحت سمجھتا تھا۔ اور اب تو چونکہ عبداللہ نے اس کی بیعت بھی کرلی تھی۔ اس لیے بھی اسے اس کی خاطرداری ملحوظ تھی۔ چنانچہ یزید نے ابن زیاد کو تاکیدی حکم نامہ بھیجا کہ یہ میرا مکتوب دیکھتے ہی مختارؓ کو آزاد کردو۔ چنانچہ ابن زیاد نے مختارؓ کو بلا کر آزاد کردیا۔ مگر یہ شرط کرلی کہ تین دن کے اندر اندر کوفہ سے نکل جاؤ ورنہ حکومت تمہارے خون کی ذمہ دار نہ ہوگی (اصدق، ص ۲۷، طبری، ج ۷، ص ۵۹، تقمام، ص ۶۰۲، کامل، ج ۳، ص ۳۳۷)۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تمام رسل و رسائل کے لے جانے اور لے آنے کا کام کوفہ کے ایک معلم عمیر بن عامر نامی شخص نے انجام دیا۔ (اخذ الثار ابی مخنف)

مختارؓ رہائی کے بعد حجاز میں

چنانچہ رہائی کے تیسرے روز بعد مختارؓ حجاز روانہ ہوگئے۔ وہاں عبداللہ بن زبیر نے امامِ حسینؑ کے خونِ ناحق کے انتقام کا بہانہ کرکے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ مختارؓ نے چند ایسی شرائط کے ساتھ اس کی بیعت کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کی جن کی بنا پر وہ ابن زبیر کی کامیابی کے بعد قاتلانِ امامؑ سے انتقام لے سکتے (فرسان، ج ۲، ص ۲۱۱)۔ مگر ابن زبیر نے وہ شرائط قبول نہ کیں۔ اس لیے مختارؓ اس کے ہاں سے چلے گئے اور سال بھر طائف میں رہے (فرسان، ج ۲، ص ۲۱۱)۔ ایک سال کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے دریافت کیا کہ مختارؓ کہاں ہیں؟ اسے بتایا

گیا کہ طائف میں ہیں (اصدق، ص ۲۷)۔ مختار دوبارہ مکہ پہنچے (بعید نہیں کہ ابن زبیر کے بلانے سے آئے ہوں) اور انھی شرائط پر جو پہلے ابن زبیر نے مسترد کر دی تھیں بیعت کر لی اور برابر پانچ ماہ اور کچھ دن ابن زبیر کے ہمراہ مکہ میں قیام کیا (اصدق، ص ۷۱، فرسان، ج ۲، ص ۲۱۲)۔ اسی دوران میں اہلِ مدینہ کے بیعت یزید توڑنے اور یزید کے ان کی سرکوبی کے لیے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں لشکرِ جرار بھیجنے اور اس کے مدینۂ رسولؐ میں تباہی مچانے کا الیہ پیش آیا۔ جو واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اہلِ مدینہ کی سرکوبی کے بعد مسلم اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ابن زبیر کے ساتھ نپٹنے کے لیے مکہ روانہ ہوا۔ مگر چونکہ اس ملعون کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس لیے راستہ میں ہی واصلِ جہنم ہو گیا۔ اب اس کی نیابت میں حصین بن نمیر نے قیادت سنبھالی اور مکہ مکرمہ میں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ ابن زبیر خانہ کعبہ میں پناہ گزین تھا اس لیے خانۂ خدا پر آگ برسائی گئی۔ اس جنگ میں مختار ابن زبیر کی طرف سے شریک تھے اور تن تنہا کچھ اس طرح دادِ شجاعت دی کہ شامیوں کے دانت کھٹے کر دیے اور بالآخر ان کو پسپا ہونا پڑا۔ اسی اثناء میں حصین کو مرگِ یزید کی اطلاع ملی اور وہ محاصرہ اُٹھا کر مدینہ سے ہوتا ہوا اور بنی اُمیہ مثل مروان وغیرہ کو ہمراہ لیتا ہوا واپس شام چلا گیا (اصدق، ص ۷)۔ مرگِ یزید کے بعد کچھ وقت کے لیے ابن زبیر کے حق میں فضا سازگار ہو گئی۔ چنانچہ حجاز اور عراق وغیرہ کے اکثر لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ جوں جوں ابن زبیر کی ظاہری طاقت بڑھتی گئی۔ اس نے انتقامِ امام کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا اور اپنی تمام توجہ اپنی سلطنت کے مضبوط کرنے پر صرف کرنے لگا۔ مختارؓ اس سے دل برداشتہ ہو گئے (فرسان، ج ۲، ص ۲۱۲)۔ اسی اثناء میں کوفہ کا ایک باشندہ ہانی بن ابی حیۃ الوداعی بغرض عمرہ ماہِ رمضان میں واردِ مکہ ہوا۔ مختارؓ نے اس سے اہلِ کوفہ کی موجودہ حالت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ اگرچہ اکثر

لوگوں نے ابن زبیر کی بیعت کر لی ہے مگر اب بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جنھوں نے تا حال کسی کی بیعت نہیں کی۔ اگر ان کو کوئی صحیح قائد مل جائے تو وہ ان کے ذریعہ عراق و حجاز وغیرہ پر حکومت کر سکتا ہے۔ یہ سن کر مختارؒ نے کہا: وہ شخص میں ہی ہوں گا۔ جو ان سب کو ایک جھنڈے تلے جمع کرے گا اور ان کے ذریعے حق کا بول بالا کر کے باطل کا سرنگوں کرے گا۔ (فرسان، ج ۲، ص ۲۱۲۔ اصدق، ص ۲۷)

اس کے بعد مختار نے ابن زبیر کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہتے ہوئے کوفہ کی راہ لی اور بڑی سرعت کے ساتھ منازل سفر طے کرتے ہوئے بروزِ جمعہ کوفہ کے قریب نہر حیرہ پہنچے۔ ہاں گھوڑے سے اُترا، غسل کیا، تیل لگایا۔ سر پر عمامہ باندھا اور لباسِ فاخرہ زیب تن کیا۔ ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ یہ کہتے ہوئے کوفہ میں داخل ہوئے:

فوا الذی انزل القراٰن وشرع الادیان لا قتلنّ من اتی
دو عدن ونهد وخولان غضبًا لابن بنت نبی الرحمٰن
(فرسان، ج ۲، ص ۲۱۲۔ کامل، ج ۳، ص ۳۳۸)

جس جماعت اور گروہ کے پاس سے گزرتے سلام کرنے کے بعد برابر یہی کہتے جاتے: ابشروا ما النصر والفلج اتاکم ما تحبّون۔ تمہیں فتح و ظفر کی بشارت ہو، تم جو کچھ چاہتے تھے وہ تمہارے پاس پہنچ گیا ہے (فرسان، ج ۲، ص ۲۱۳۔ کامل، ج ۳۔ اصدق، ص ۲۸)۔ اس وقت کوفہ کی داخلی حالت یہ تھی کہ اہلِ کوفہ نے عمرو بن حریث کو جو ابن زیاد کا نائب تھا نکال دیا تھا اور اس کی جگہ ابن زبیر نے عبداللہ بن یزید الخطمی الانصاری کو کوفہ کا گورنر بنا دیا تھا جو برابر ابن زبیر کے لیے لوگوں سے بیعت لے رہا تھا۔ وہ سلیمان بن صرد خزاعی اپنی جماعت کے ساتھ امامؑ کے خونِ ناحق کا انتقام لینے کے لیے حکومت شام سے ٹکر لینے کی سرگرمیوں میں مشغول تھے۔

مختارؓ دوبارہ زندانِ کوفہ میں

ان حالات میں جب مختارؓ کوفہ میں پہنچے اور اہلِ کوفہ کو ان کے عزائم کا علم ہوا تو قاتلانِ امامؑ کو اپنا اندیشہ لاحق ہوا۔ چنانچہ عمر بن سعد، شبث بن ربعی، یزید بن حارث وغیرہ نے حاکمِ کوفہ کے کان بھرنے شروع کیے کہ سلیمان بن صرد تو تمہارے دشمن سے ٹکر لینا چاہتے ہیں۔ لیکن مختارؓ کا مقابلہ براہِ راست تمہاری حکومت سے ہے۔ اس لیے ان کا معاملہ بہت خطرناک ہے۔ مصلحت یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔ حاکم ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور اس نے اچانک مختارؓ کو پکڑ کر زندان میں بھیج دیا (اصدق، ص ۲۸، طبری، ج ۷، ص ۶۵)۔ راویانِ اخبار کا بیان ہے کہ مختار جن دنوں قید خانہ میں تھے وہاں بھی برابر یہ کہا کرتے تھے:

اما ورب البحار ، والنخيل والاشجار والمرامة والقفار والملائكة الابرار والمصطفين الاخيار لاقتلن كل جبار بكل ...... خطار ومهندبتا ربجموع الانصار ليسوا بميل اغمار ولا بعزل اشرار حتى اقمت عمر والدين ورابيلت شعب صدع المسلمين وشفيت غيل صدور المؤمنين وادركت ثار النبيين لم يكبر عليّ زوال الدنيا ولم احفل بالموت اذا اتى

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ مجھے سمندروں ، درختوں، صحراؤں، فرشتوں اور برگزیدگانِ اخیار کے پروردگار کی قسم میں ان انصار و اعوان کی جماعتوں کے ساتھ جو نہ ڈرپوک ہیں اور نہ ہی شریر۔

بذریعہ شمشیر وسنان، ہر جبار وسرکش کو ضرور قتل کروں گا اور جب
میں نے دین کا ستون کھڑا کر دیا، مسلمانوں کے رخنہ کو دُور کر
دیا۔ مومنین کے دلوں کو شفا دے دی اور (خاندان) انبیاء کا
انتقام لے لیا تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میری سلطنت زائل
ہوجائے اور مجھے موت آجائے"۔

اسی اثناء میں سلیمان بن صرد خزاعی کی جماعت توابین کے چند بچے کھچے آدمی رفاعہ بن شداد کی ہمراہی میں کوفہ واپس پہنچ گئے۔ مختارؒ نے زندان سے ہی ان کے نام ہمدردی کا ایک مکتوب بھیجا۔ اس کے جواب میں انھوں نے مختارؒ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھیں اپنے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم زبردستی آکر آپ کو زندان سے نکال دیں۔ مختارؒ ان کے اس ہمت افزا جواب سے بہت خوش ہوا اور جواب میں کہلا بھیجا اس بات کی ضرورت نہیں، تم مطمئن رہو۔ میں عنقریب رہا ہو جاؤں گا۔

مختارؒ کی قید سے رہائی

اس کے بعد مختارؒ نے اپنے غلام کو ایک خط دے کر مدینہ میں اپنے بہنوئی عبداللہ بن عمر کے پاس بھیجا اور اس سے استدعا کی کہ چونکہ مجھے بلاوجہ دوبارہ قید کر دیا گیا ہے۔ اس لیے آپ عبداللہ بن یزید انصاری حاکم کوفہ کے نام سفارشی خط لکھیں۔ اُمید ہے کہ اس طرح میں رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ چنانچہ عبداللہ نے فوراً حاکم کوفہ مختارؒ کے ساتھ اپنی رشتہ داری کا تذکرہ کرتے ہوئے پُرزور الفاظ میں سفارش کی کہ جلد از جلد انھیں رہا کر دیا جائے۔ حاکم کوفہ کے پاس یہ سفارش نامہ پہنچا تو اس نے مختارؒ سے خروج نہ کرنے کے متعلق بہت کچھ عہد وپیمان،

بلکہ اشراف کوفہ سے دس کفیل لینے کے بعد رہائی کے احکام صادر کیے۔ مختارؓ جب کہ ابھی زندان میں تھے ان کی بیعت کا سلسلہ تو اسی وقت شروع ہو گیا تھا مگر رہائی کے بعد تو اس سلسلہ نے مزید شدت اختیار کر لی اور اکابر و اشراف کوفہ برابر مختارؓ کے گھر آنے جانے اور ان کی بیعت میں داخل ہونے لگے اور روز بروز ان کی طاقت بڑھنے لگی۔

عبداللہ بن یزید کی بجائے عبداللہ بن مطیع کا تقرر

عبداللہ بن زبیر نے عبداللہ بن یزید گورنر کوفہ و ابراہیم بن محمد امیر خراج کی اس نرم روی یا کمزوری سے متاثر ہو کر ان کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن مطیع کو نیا گورنر مقرر کیا جو کہ پچیس ماہ رمضان کو کوفہ پہنچا۔ (کامل، ج ۳، ص ۳۵۷)۔

ابراہیم بن مالک اشترؒ کی شمولیت

یہ درست ہے کہ مختارؓ کے اعوان و انصار کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور بڑے بڑے ممتاز افراد اس تحریک میں شامل ہو رہے تھے۔ مگر مختارؓ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ابراہیم بن مالک اشترؒ کو اپنی جماعت میں شامل کرے جو اپنے عظیم باپ کی طرح بہت بہادر و دلیر اور ایک دلآویز و ممتاز شخصیت کا مالک تھا۔ چنانچہ بڑے لطائف الحیل کے ساتھ مختارؓ انھیں اپنی اس تحریک میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے (اصدق، ص ۳۳، کامل، ج ۲، ص ۲۵۸-۹-۲۰)۔ اور اب برابر طرفین سے باہمی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو گیا اور ان کی شمولیت کی وجہ سے اس تحریک میں بہت وزن پیدا ہو گیا جو عجمی لوگ کوفہ میں مقیم تھے بوجہ محبت اہل بیتؑ وہ بھی بہت جلد اس مقدس تحریک میں شامل ہو گئے جن کی تعداد بیس ہزار سے بھی متجاوز تھی (فرسان، ج ۲، ص ۲۱۶)

جب عبداللہ بن مطیع کو مختارؓ کی خفیہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو اس نے ایک جمعیت کو بھیجا کہ مختارؓ کو دربار میں لائیں۔ چنانچہ مختارؓ جانے پر تیار بھی ہو گئے۔ مگر جب ابن مطیع کے ہی بعض آدمیوں کے اشارہ سے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس ہوا تو مرض کا بہانہ کر کے حاضر ہونے سے معذرت طلب کی (فرسان، ج ۲، ص ۲۱۶، کامل، ج ۳، ص ۳۵۷)۔ اس طرح اس متوقع آفت سے بال بال بچ گئے۔ جماعت توابین کے برعکس مختار کا خیال یہ تھا کہ انفرادی طور پر چونکہ قاتلانِ حسینؑ کا مرکز کوفہ ہے اس لیے ان سے یہیں نبٹنا چاہیے۔

عملی اقدام کا ہنگام

بہرحال مختارؓ نے جب فضا سازگار کر لی تو شب پنج شنبہ ۱۵/۱۶ ربیع الاول ۶۶ ہجری کی درمیانی شب عملی اقدام کرنے کے لیے تجویز کی۔ جس مکان میں مختارؓ کی رہائش تھی اس کے اردگرد والے مکانوں میں اپنے بکثرت آدمی جمع کر رکھے تھے لیکن پروگرام سے ایک رات پہلے ایک خاص سبب سے اقدام کرنا پڑ گیا۔ ہوا یوں کہ عبداللہ بن مطیع (حاکمِ کوفہ) کو اس کی خفیہ پولیس کے سربراہ ایاس بن مضارب نے اطلاع دی کہ انھی دو راتوں میں مختارؓ خروج کرنے والے ہیں۔ لہٰذا ابن مطیع کے حکم سے کوفہ کے تمام بڑے بڑے شارع عاموں کی ناکہ بندی کر دی گئی اور ہر ہر چوک میں فوج کے دستے متعین کر دیئے گئے۔ شب چہارشنبہ ۱۴ ربیع الاول کو ابراہیم بن الاشتر حسب معمول نمازِ مغرب کے بعد مختارؓ کے پاس آنا چاہتے تھے کہ انھیں اطلاع ملی کہ ابن مطیع نے ناکہ بندی کر دی ہے، اور شہر کے سب سے بڑے بڑے شارع عاموں پر فوج کی بھاری جمعیت مقرر کر دی ہے۔ چنانچہ ابراہیم نے اپنے جنگ آزمودہ سو آدمی ہمراہ لیے اور ان کو اسلحۂ جنگ سے مسلح کر کے اوپر سے عادی

کپڑے پہنا دیے۔ جب وہ اس حال میں روانہ ہوئے تو باب الفیل سے آگے بڑھے ہی تھے کہ راستے میں ایاس بن مضارب سے مڈبھیڑ ہوگئی جو اپنی پولیس کے ہمراہ وہاں موجود تھا۔

مختصر سوال و جواب کے بعد ایاس نے ابراہیم کو گرفتار کر کے حاکمِ وقت کے پاس لے جانا چاہا۔ اور ابراہیم نے اسے راستہ چھوڑنے کے لیے کہا مگر جب اس نے راستہ چھوڑنے سے انکار کیا تو ابراہیم نے اچانک بڑے زور سے نیزہ اس کے حلقوم میں پیوست کر دیا جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ ابراہیم نے اپنے ایک ہمراہی کو حکم دیا کہ اس کا سر قلم کرلو۔ چنانچہ اس نے بڑھ کر اس کا سر قلم کرلیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر ایاس کے آدمی بھاگ نکلے اور ابراہیم ظفریاب ہو کر مختارؓ کے پاس پہنچ گئے۔ (اصدق، ص ۳۶) اور صورتِ حال کی اطلاع دیتے ہوئے کہا کہ اگرچہ عملی اقدام کے لیے آنے والی رات تجویز ہوئی تھی مگر تازہ صورتِ حال کے پیشِ نظر اسی رات اقدام کر دینا چاہیے۔ مختارؓ ابراہیم کی اس کامیابی کو نیک فال سمجھتے ہوئے خوش ہوئے اور سعید بن منقذ کو حکم دیا کہ سرکلوں، دکانوں کو آگ لگا کر بلند کرو اور قدامہ بن مالک و سفیان بن بجلی کو حکم دیا کہ تم اپنا علامتی نعرہ یالثارات الحسین بلند کرو، اور عبداللہ بن شداد کو دوسرا اسلامت نعرہ یا منصور اُمت کی منادی کرا دینے کا حکم دیا۔ پھر خود اسلحۂ جنگ سے مسلح ہو کر آمادۂ جنگ ہوگئے (اصدق، ص ۳۶)۔ اور صبح ہونے سے پہلے پہلے ان کے پاس قریباً چار ہزار آدمی جمع ہو چکے تھے (اصدق، ص ۳۸)۔ رات بھر کچھ نہ کچھ زدوخورد کا سلسلہ جاری رہا۔ ادھر ابراہیم جو اس رات مختارؓ سے اجازت لے کر نواحی کوفہ سے اپنے ہم خیال لوگوں کو ہمراہ لینے کے لیے گئے تھے۔ وہ بھی راستہ میں مار دھاڑ کرتے ہوئے اور جاتے آتے راستہ کی رکاوٹیں دُور کرتے ہوئے سالماً غانماً واپس مختارؓ کے پاس پہنچ گئے۔ نمازِ صبح سے قبل ہی مختارؓ کوفہ سے باہر لشکر کی

ترتیب سے فارغ ہو چکے تے۔ ادھر عبداللہ ابن مطیع نے بھی حجاز بن ابجر اور شبث بن ربعی وغیرہ کی سرکردگی میں لشکرِ کثیر مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ مختارؓ و ابراہیم اور ان کے ہمراہیوں نے محیرالعقول طور پر دادِ شجاعت دی اور مخالف کو شکستِ فاش دی۔ بالآخر عبداللہ بن مطیع قصرالامارہ میں جا کر پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ اِدھر مختارؓ نے جا کر دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا۔ کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ابن مطیع نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے راتوں رات وہاں سے نکل کر ابوموسیٰ کے گھر جا کر پناہ لی اور اس کے ساتھیوں نے دروازہ کھول دیا۔ ان لوگوں نے ابراہیم سے امان کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ چنانچہ ان لوگوں نے باہر نکل کر مختارؓ کی بیعت کی۔ مختارؓ دارالامارہ میں داخل ہوئے۔ رات دارالامارہ میں ہی گزاری۔ نمازِ صبح جامع مسجد میں پڑھائی۔ خطبہ کے بعد عام بیعت کا سلسلہ شروع ہوا جو کتابِ خدا، سنتِ رسولؐ، انتقامِ خونِ اہلِ بیتؑ، حمایت مظلوم اور ردِ ظالم پر لی گئی (اصدق، ص۴۳، کامل، ج ۳، ص ۲۶۳)۔ اس کے بعد بیت المال کا دروازہ کھولا گیا۔ اس میں کل نو ہزار درہم۔ ملے جو مختارؓ نے سپاہیوں میں تقسیم کر دیے اور جب مختارؓ کو معلوم ہوا کہ ابن مطیع، ابوموسیٰ کے گھر میں پنہاں ہے تو بوجہ قدیمی تعلقات اس کی طرف ایک ہزار درہم بھیج دیے تاکہ اسے گھر جانے میں سہولت ہو۔ چنانچہ وہ یہ رقم لے کر چلا گیا۔

بعدازاں مختارؓ اپنی حکومت کے استحکام اور اس کے نظم و نسق کو بحال کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ آرمینیا، آذربائیجان، موصل، مدائن، حلوان، رائے، ہمدان اور اصفہان میں اپنے عمال و حکام مقرر کیے۔ اس طرح شام و حجاز اور مصر و بصرہ کے علاوہ دیگر تمام اسلامی علاقہ مختارؓ کے زیرِ نگیں آ گیا (اصدق الاخبار، ص۴۴، کامل، ج ، ص ۲۶۳ وغیرہ)۔ مختارؓ نے پولیس کا سربراہ عبداللہ بن کامل

شاکری اور محافظ فوج کا سربراہ کیسان ابوعمرہ کو مقرر کیا۔(اصدق، ص ۴۴، کامل، ج ۳، ص ۳۶۴)

جیسا کہ جماعتِ توابین کے تذکرہ میں بیان کیا جاچکا ہے کہ مروان نے تختِ حکومت پر بیٹھنے کے بعد ابن زیاد کو لشکرِ جرار دے کر جزیرہ میں بعض لوگوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا۔ اور اسے حکم دیا تھا کہ وہاں سے فارغ ہو کر اہلِ کوفہ کو ان کی مخالفت کا ذائقہ چکھائے۔ مگر اسے کوفہ پہنچنے کی نوبت نہ مل سکی۔ سب سے پہلے اسے سلیمان بن صرد خزاعی کی جماعت کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ اس اثناء میں مروان مر گیا۔ عبدالملک مسندِ اقتدار پر بیٹھا۔ اس نے بھی ابن زیاد کو اس کے عہدہ پر بحال رکھا۔ جب ابن زیاد جماعتِ توابین کے مقابلہ سے فارغ ہوا تو پھر اہلِ جزیرہ یعنی زفر بن الحارث کلابی اور اس کے ساتھ جو قبیلہ قیس غیلان تھا جو کہ ابن زبیر کی اطاعت میں تھے۔ ان سے ٹھن گئی۔ قریباً سال تک ان سے جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہا۔

موصل میں مختارؓ کے لشکر کا ابن زیاد کے لشکر سے مقابلہ اور کامیابی

بہرحال جب ابن زیاد ایک سال تک لڑنے کے باوجود اہلِ جزیرہ پر فتح حاصل نہ کر سکا تو اب اس نے تنگ آ کر ان کا مقابلہ ترک کر کے موصل کا رخ کیا جو کہ مختار کے قبضہ میں تھا۔ جب موصل کے حاکم عبدالرحمٰن بن سعید کو ابن زیاد کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ اپنے اندر مقابلہ کی تاب وتوانائی نہ پاتے ہوئے تکریت منتقل ہو گیا اور مختار کو صورتِ حال کی اطلاع دی۔ مختارؓ نے اس کی کمک کے لیے یزید بن انس اسدی کو تین ہزار منتخب شاہسوار دے کر روانہ کیا۔ کوفہ سے باہر نکل کر ان کی مشایعت کی۔ ضروری ہدایات دے کر ان کو روانہ کیا اور بشرطِ ضرورت مزید کمک دینے کا وعدہ بھی کیا (کامل، ج ۳، ص ۳۶۴۔ اصدق، ص ۴۵)۔ یزید منازل سفر

طے کرتا ہوا موصل کی سرزمین میں داخل ہوا۔ جب ابن زیاد کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اس کے مقابلہ کے لیے بایں ترتیب چھ ہزار کا لشکر بھیجا کہ تین ہزار ربیعہ غنوی کی سرکردگی میں اور تین ہزار عبداللہ بن جملہ خثعمی کی ماتحتی میں۔ ربیعہ ایک دن پہلے روانہ ہوا اور پہلے پہنچا۔ جب یزید بن انس کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو چونکہ وہ بیمار تھا اسے سپاہی گدھے پر سوار کر کے اور پکڑ کر میدانِ جنگ میں لائے۔ میدان میں پہنچ کر اپنے فوجیوں کو جنگ کی ترغیب وتحریص دلائی، اور پھر وہیں ایک چارپائی پر لیٹ گیا اور کہا: اب تمہاری مرضی ہے کہ اپنے امیر کے حکم سے لڑو اور اس کی حفاظت کرو، یا اسی حالت میں اسے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ جب مقابلہ شروع ہوا تو عراقی بڑے بے جگری سے لڑے۔ یہ ۹ ذی الحجہ بروز عرفہ ۶۶ ہجری کی صبح کا واقعہ ہے۔ چاشت تک جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اہلِ شام کو شکستِ فاش ہوئی۔ وہ میدان سے بھاگ نکلے اور سردار لشکر ربیعہ مارا گیا۔ جب شامی بھاگ کر واپس جا رہے تھے تو راستہ میں عبداللہ خثعمی سے ملاقات ہوئی۔ جو تین ہزار کا تازہ دم لشکر لے کر آ رہا تھا۔ وہ ان بھگوڑوں کو ہمراہ لے کر واپس پہنچا۔

شب عید گزارنے کے بعد بروز عیدالاضحیٰ نمازِ صبح کے بعد پھر بڑا سخت رَن پڑا جو نمازِ ظہر تک جاری رہا۔ فریقین نے نمازِ ظہر پڑھی اور پھر میدانِ کارزار گرم ہو گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اہلِ شام نے میدان سے فرار اختیار کیا۔ لشکرِ شام کا سردار عبداللہ مارا گیا۔ تین سو شامی قید کیے گئے جو بعد میں یزید بن انس کے حکم سے قتل کر دیے گئے۔ اس کے بعد خود یزید بن انسؒ کا بھی طبعی موت سے انتقال ہو گیا۔ ورقہ بن عازب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر ان کو اعزاز واحترام کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ (اصدق الاخبار، ص ۳۶، کامل، ج ۳، ص ۳۶۵)

یزید بن انس نے اپنی موت سے پہلے ورقاء بن عازب کو اپنا نائب نامزد

کردیا تھا۔ ورقاء کو اطلاع ملی کہ ابن زیاد اسّی ہزار کا لشکرِ جرار لے کر اس طرف کا رُخ کر رہا ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ ہم اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ بہتر یہ ہے کہ واپس چلیں۔ دشمن یہی سمجھے گا کہ ہم اپنے سردار کی موت کی وجہ سے واپس جارہے ہیں، نہ اس سے ڈر کر۔ ہمراہیوں نے بھی اس کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ جب مختارؓ کو تازہ صورتِ حال کی اطلاع ملی تو انہوں نے ابراہیم بن مالک اشترؓ کو ایک لشکرِ جرار دے کر ابن زیاد کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ جب راستہ میں کہیں یزید بن انس والا لشکر مل جائے تو تم اس کے بھی سردار ہو، ان کو بھی اپنی فوج میں شامل کر لینا۔ (اصدق الاخبار، ص ۴۷، کامل، ج ۳، ص ۳۶۵)

کوفہ کے بعض شرپسند عناصر کی شورش

قاتلانِ امامؑ میں سے جو سر برآوردہ لوگ کوفہ میں تھے وہ مختارؓ سے خائف و ترساں تو تھے ہی۔ چنانچہ شبث بن ربعی، محمد بن اشعث اور شمر وغیرہ نے جب دیکھا کہ اس وقت مختارؓ کے پاس بالکل تھوڑا سا لشکر ہے تو انھوں نے بغاوت کر دی۔ لشکرِ مختارؓ نے دفع الوقتی کے طور پر معمولی مقابلہ جاری رکھا اور کسی معتمد آدمی کے ذریعہ ابراہیم کو صورتِ حال کی اطلاع دیتے ہوئے پیغام بھیجا کہ فوراً اپنے لشکر سمیت کوفہ پہنچو۔ اس وقت ابراہیم مقامِ حمام اعین سے روانہ ہو کر مقامِ ساباط میں پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ جب ابراہیم کو اس نازک صورتِ حال کی اطلاع ملی تو وہ لشکر لے کر اچانک صاعقہ شرر بار کی طرح اہلِ کوفہ پر آگرا اور جو لوگ مختارؓ سے برسرِ پیکار تھے ان کو شکست فاش دے کر پانچ سو آدمی قید کر کے مختارؓ کے پاس لایا۔ مختارؓ نے حکم دیا کہ مجھے بتاتے جاؤ کہ ان میں سے کون کون سے لوگ قتلِ امامؑ میں شریک تھے؟ ان کے

علاوہ باقی کو چھوڑ دو۔ چنانچہ ان میں سے دو سو اڑتالیس آدمی تہ تیغ کر دیے گئے۔ اور دوسروں کو کسی قسم کی شورش اور ہنگامہ آرائی نہ کرنے کا عہد و پیمان لے کر چھوڑ دیا۔ (اصدق، ص ۴۹، کامل، ج ۳، ص ۲۶۸)

تکمیلِ مقصد کا ہنگام آ گیا

اب قدرت قاتلانِ امامؑ کو مزید ڈھیل نہیں دینا چاہتی تھی۔ ان کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کا وقت آ گیا تھا۔ مختارؒ نے اعلان کرایا کہ جو شخص بھی اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا اسے امان ہے سوائے ان لوگوں کے جو قتلِ امامؑ میں شریک ہو چکے ہیں۔ (اصدق، ص ۴۹، کامل، ج ۳، ص ۳۶۸)

قاتلانِ حسینؑ کے گھروں کا ڈھایا جانا

بعد ازاں مختارؒ نے پولیس کے افسرِ اعلیٰ ابو عمرہ کو حکم دیا کہ ایک ہزار بیلچہ دار مزدور ہمراہ لے کر کوفہ میں گشت کرو اور جن جن لوگوں نے امام حسینؑ کے خلاف جنگ میں شرکت کی ہے، ان کے مکانات مسمار کر دو۔ چنانچہ ابو عمرہ نے ایسا ہی کیا اور بہت سے لوگوں کے مکانات منہدم کروا دیے اور ان کے اموال اپنے اہلِ عجم لشکریوں میں تقسیم کرا دیے۔ اور اس اثناء میں قاتلینِ حسینؑ میں سے جو شخص گھر میں ملا، اُسے فوراً واصلِ جہنم کر دیا۔ (فرسان، ج ۲، ص ۲۲۰، اصدق الاخبار، ص ۵۰)

سید الشہداءؑ کی لاشِ مقدس پامال کرنے والوں کا قتل کرنا

قاتلینِ سید الشہداءؑ میں سے جنھیں مختارؒ نے سب سے پہلے قتل کیا وہ دس نفر تھے جنھوں نے بعد از شہادت جناب سید الشہداءؑ کے بدنِ مقدس پر گھوڑے دوڑائے تھے۔ مختارؒ نے ان کو پشتوں کے بل لٹا دیا اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کی

میخیں گاڑ کر اُوپر گھوڑے دوڑائے۔ پھر ان کے نجس بدنوں کو نذر آتش کر دیا۔
(اصدق، ص ۵۰)

عمرو بن الحجاج زبیدی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جو نہر فرات پر متعین شدہ فوج کا افسر تھا۔ جس کی شدت گرفت کی وجہ سے ساقیٔ حوض کوثر کا کنبہ دریائے فرات کے کنارے العطش العطش کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا تھا۔ اس ملعون کے قتل کی کیفیت میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ بجانب ''واقصہ'' روانہ ہوا۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں گیا؟ بعض نے کہا ہے کہ مختار کے آدمی اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ وہ شدتِ پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑا تھا۔ انھوں نے اس کا سر قلم کر لیا اور لے جا کر مختارؒ کے سامنے پیش کیا (کامل، ج ۳ ص ۳۶۸)۔ بعض نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس ملعون نے اندیشۂ قتل کے ماتحت بصرہ کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔ راستہ میں اہلِ شراف کے ہاں پناہ گزین ہونا چاہا مگر ان لوگوں نے مختارؒ کے خوف سے پناہ نہ دی۔ مایوس ہو کر چلا۔ اس کے چلے جانے کے بعد ان لوگوں نے اسے پناہ نہ دینے پر افسوس کیا اور چند آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑے کہ اسے واپس لائیں۔ جب عمرو نے ان کو اس طرح آتے دیکھا تو اس نے یہ خیال کیا کہ یہ مختارؒ کے آدمی ہیں اس لیے بنی کلب وطئے کے شہروں کے درمیان بمقام بیضہ ریتلی جگہ پر عین شدتِ گرما کے وقت گھوڑا ڈال دیا اور بالآخر پیاس کے غلبہ سے روح داروغۂ جہنم کے حوالہ کر دی۔ اس طرح خدا نے اسے پیاسا ہلاک کیا۔ ولعذاب الاخرة اشد وابقی۔ (صدوق، ص ۵۰، فرسان، ج ۲ ص ۲۲۱)

خولی بن یزید اصبحی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جو کربلا سے سید الشہداءؑ کا سر اقدس کوفہ لایا تھا اور رات اپنے گھر تنور میں یا بروایتے طشت رخت شوئی کے نیچے رکھا تھا۔ جب اس کی زوجہ نواز (کامل، ج ۳، ص ۳۷۰ اور قمقام، ص ۶۲۶ پر اس کا نام عیوف بنت مالک لکھا ہے) کو جو خاندانِ نبوت سے محبت رکھتی تھی۔ پتہ چلا تو اس نے اس شقی کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا کہ لوگ مال و زر لائے ہیں۔ اور تم فرزندِ رسولؐ کا سر لائے ہو؟ پھر عہد کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ایک چھت کے نیچے جمع نہیں ہوں گی۔ بہر حال جب مختارؒ کے آدمی اس کی طلب میں اس کے گھر پہنچے تو یہ بدبخت بیت الخلاء میں ایک ٹوکری کے نیچے چھپ گیا۔ جب ان آدمیوں نے "نوار" سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ تو اس نے زبان سے تو یہ کہا کہ مجھے معلوم نہیں مگر ہاتھ سے بیت الخلاء کی طرف اشارہ کر دیا۔ چنانچہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ پھر مختارؒ کے پاس لے جایا جا رہا تھا کہ راستہ میں مختارؒ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے حکم دیا کہ اسے اپنے گھر کے سامنے لے جا کر قتل کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس وقت مختارؒ بھی موجود تھے۔ انھی کے حکم سے قتل کے بعد اس کی نجس لاش کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور مختارؒ نے وہاں سے اس وقت حرکت کی جب وہ جل کر خاکستر ہوگئی۔ (اصدق، ص ۵۱، فرسان، ج ۲، ص ۲۲۲، کامل، ج ۳، ص ۳۷۰)۔ خسر الدنیا والآخرۃ۔

حکیم بن طفیل کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس نے جناب ابوالفضلؑ کی شہادت کے بعد ان کا لباس تارا تھا اور جناب سید الشہداءؑ کو تیر مارا تھا۔ مختارؒ نے عبداللہ بن کامل کو ایک جماعت کے ساتھ اس کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے جا کر اسے گرفتار کر لیا۔ اس

کی عورت عدی بن حاتم کے پاس چلی گئی تا کہ ان سے مختارؓ کے پاس اپنے شوہر کی سفارش کی استدعا کرے۔ جب ابن کامل کو اس امر کی اطلاع ملی تو محض اس اندیشہ سے کہ مبادا عدی اس کی سفارش کریں۔ اس نے راستہ ہی میں اس ملعون کا کام اس طرح تمام کر دیا کہ اس کے کپڑے اُتروا کر اس پر اس قدر تیر برسائے کہ اس کا بدن چھلنی ہو گیا اور بالآخر اس طرح جہنم رسید ہوا۔ (فرسان، ج۲، ص۲۲۲۔ اصدق، ص۵۱۔ کامل، ج۳، ص۵۳)

مالک بن نسر (بسر) جہنی اور اس کے دو ساتھیوں کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس نے روزِ عاشورا جناب سید الشہداءؑ کے حق میں بعض نازیبا کلمات استعمال کیے تھے، اور آپ کے فرقِ اقدس پر تلوار کا ایسا وار کیا تھا جس سے آں جناب کا سر شگافتہ ہو گیا تھا اور جب آپ کی وہ ٹوپی جو آپ نے زیرِ عمامہ پہنی ہوئی تھی خون سے تر ہو گئی تھی تو جناب نے اُتار کر پھینک دی تھی جسے یہ شقی اُٹھا کر گھر لے گیا تھا۔ بہر حال مختارؓ کو اطلاع دی گئی کہ یہ شقی عبداللہ بن اسید جہنی اور حمل بن مالک محاربی (جو کہ جنابِ مظلومِ کربلاؑ کے قتل میں شریک تھے) سمیت قادسیہ میں قیام پذیر ہے۔ مختارؓ نے مالک بن عمرو نہدی کو جو کہ آپ کے اصحابِ کبار میں سے تھا۔ ایک جماعت کے ساتھ ان کی گرفتاری کے لیے قادسیہ بھیجا۔ چنانچہ وہ انھیں گرفتار کر کے عشاء کے وقت مختارؓ کے پاس لائے۔ مختارؓ نے ان سے کہا: اے خدا و رسولؐ، کتابِ خدا اور اہلِ بیت رسولؐ کے دشمنو! تمھیں شرم نہ آئی کہ ان لوگوں کو شہید کیا جن پر نماز میں درود و سلام بھیجنے کا حکم ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا: ہم پر احسان کر کے چھوڑ دو، کیونکہ ہمیں مجبور کر کے ان کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ مختارؓ نے کہا: تم نے حسینؑ پر کیوں احسان نہ کیا تھا؟ پھر مالک بن نسر

کو خطاب کر کے کہا: کیا تم وہی شخص ہو جس نے امام حسینؑ کے فرق اقدس پر تلوار ماری تھی۔ اور ان کی ٹوپی لے گیا تھا؟ بعض حاضرین نے کہا: ہاں ہاں یہ وہی ہے! پھر مختارؓ نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہاں تک کہ وہ ملعون تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہوگیا۔ اس کے بعد اس کے دوسرے دونوں ساتھیوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ (فرسان، ج ۲، ص ۲۳۳، قمقام، ص ۶۲۶، کامل، ج ۳، ص ۲۶۹)

شمر بن ذی الجوشن کا قتل

جن لوگوں کی واقعاتِ کربلا پر نگاہ ہے ان کے لیے یہ منحوس نام کوئی اجنبی نہیں ہے۔ یہ وہی ملعون ہے جس نے کند شمشیر کی بارہ ضربوں سے جوانانِ جنت کے سردار کا سرتن سے جدا کیا تھا، اور یہی وہ شقی ازلی ہے جس نے صرف امام حسینؑ کے بچوں کو نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کے تمام زن و مرد اور خورد و کلاں کو یتیم و بے نور کیا تھا۔ اس شقی ازلی کے واصلِ جہنم ہونے کی کیفیت میں کافی اختلاف ہے۔ جو کچھ عاشر بحار میں امالی شیخ طوسیؒ کے حوالہ سے مرقوم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب شمر نے کوفہ سے (چند آدمیوں سمیت بصرہ کی طرف) راہِ فرار اختیار کی تو مختارؓ نے ابوعمرہ کو ایک جماعت کے ساتھ (جن کی تعداد ایک سو تھی) اس کی تلاش میں بھیجا۔ چنانچہ راستہ میں اس سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ سخت خونریز جنگ لڑنے اور زخموں سے چُور چُور ہوجانے کے بعد اسے گرفتار کر کے مختارؓ کے دربار میں لایا گیا۔ مختارؓ نے حکم دیا کہ تیل کی دیگ گرم کی جائے۔ گرم ہونے کے بعد اس شقی کو اس میں ڈال دیا گیا۔ یہاں تک کہ بالکل نیست و نابود ہوگیا۔ وباء فی الدنیا قبل الاخرة بالذل وسوء لعذاب۔ نیز اس کے ہمراہیوں کو بھی تہِ تیغ کر دیا گیا اور ان کے سر قلم کر کے مقام

"رحبۂ خدابین" میں سولی پر لٹکا دیئے گئے۔

حرملہ بن کاہل اسدی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس نے تیر سہ شعبہ سے شہزادہ علی اصغرؑ کی شمع حیات کو گل کیا تھا۔ منہال بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ میں مکہ سے واپسی پر (مدینہ میں) امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امامؑ نے فرمایا: حرملہ بن کاہل اسدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا: میں اسے زندہ کوفہ میں چھوڑ آیا ہوں۔ امامؑ نے آسمان کی طرف دستِ دُعا بلند کر کے کہا: اللّٰھم اذقه حرّ الحدید اللّٰھم اذقه حرّ النار۔ خداوندا! اسے لوہے اور آگ کا ذائقہ چکھا۔ جب میں واپس کوفہ پہنچا تو اس وقت مختار نے خروج کیا ہوا تھا۔ چونکہ میرے اور ان کے درمیان قدیمانہ راہ و رسم محبت تھی۔ لہٰذا چند روز کے بعد ان سے ملنے کے لیے گیا۔ اس وقت مختارؒ گھر سے باہر آ رہے تھے۔ مجھ سے دریافت کیا اب تک کہاں رہے؟ نہ ہماری امارت میں شریک ہوئے نہ ہی ہمیں مبارک باد دی۔ میں نے بتایا کہ میں مکہ گیا ہوا تھا۔ اب آیا ہوں۔ پھر میں ان کے ہمراہ چلنے لگا۔ جب کناسہ کے مقام پر پہنچا تو وہاں اس طرح رُک گئے۔ جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک جماعت آئی اور کہا: ایھا الامیر! البشارۃ، البشارۃ۔ حرملہ کو لایا جا رہا ہے چنانچہ جب اسے حاضر کیا گیا تو مختارؒ نے خوش ہو کر کہا: الحمدللّٰہ الذی مکننی منك۔ "خدا کا شکر ہے جس نے مجھے تم پر غلبہ دیا"۔ پھر جزار (قصاب) طلب کیا۔ اسے حاضر کیا گیا۔ حکم دیا: پہلے ایک ایک کر کے اس کی انگلیاں کاٹی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے۔ بعدازاں دوسرے اعضاء و جوارح کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔ پھر آگ روشن کر کے اس کے نجس بدن کو اس میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ

جل کر بالکل خاکستر ہو گیا۔ منہال کہتا ہے: میں نے یہ واقعہ دیکھ کر صدائے تکبیر و تسبیح بلند کی۔

مختارؒ نے اس تعجب خیز تکبیر و تسبیح کا سبب دریافت کیا۔ میں نے امام زین العابدینؑ کی ملاقات والا تمام واقعہ کہہ سنایا۔ یہ سنتے ہی مختارؒ گھوڑے سے اُتر آئے۔ دو رکعت نماز پڑھی، پھر طویل سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ واپسی پر جب میرے گھر کے پاس سے گزرنے لگے تو میں نے دعوتِ طعام دی۔ مختارؒ نے کہا کہ تم نے ہی تو مجھے اطلاع دی ہے کہ میرے آقا علی بن الحسینؑ نے اس طرح دعا فرمائی تھی۔ جب خداوند عالم نے ان کی اس دعا کو میرے ہاتھوں پر مستجاب فرمایا ہے تو تم مجھے دعوتِ طعام دیتے ہو؟ میں کس طرح آج کھانا کھا سکتا ہوں۔ میں نے تو اس نعمت کے شکریہ میں روزہ کی نیت کر لی ہے۔ منہال کہتے ہیں: میں نے کہا: خدا آپ کو موفق فرمائے۔ (قمقام، ص ۶۲۸، فرسان، ج ۲، ص ۲۲۷، اصدق، ص ۵۵، عاشر بحار، ص ۲۷۸ وغیرہ)

سید الشہداءؑ کا ورس لوٹنے والے چند آدمیوں کا قتل

مختارؒ نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لیے اپنے آدمی بھیجے جنھوں نے دوسرے سامان کے علاوہ جناب سید الشہداءؑ کا ورس (یمن میں اُگنے والی خوشبودار گھاس) لوٹا تھا کہ من جملہ ان کے زیاد بن مالک ضبعی، عمرو بن خالد غنوی، عبدالرحمن بن ابی خشکارہ بجلی اور عبداللہ بن قیس خولانی تھے۔ جب ان کو پکڑ کر مختار کے سامنے لایا گیا تو مختارؒ نے کہا: اے خدا کے نیک بندوں اور جوانانِ جنت کے سردار کو قتل کرنے والو! دیکھو خدا نے تم سے کس طرح انتقام لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ورس تمہارے قبضہ میں کسی نحس دن میں آیا تھا۔ پھر حکم دیا کہ ان کو بازار میں لے جا کر قتل کر دیا جائے۔

چنانچہ وہاں لے جا کر ان کو واصلِ جہنم کیا گیا۔(فرسان، ج ۲، ص ۲۲۸، اصدق، ص ۵۵، کامل، ج ۳، ص ۳۷۰)

حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں میں سے ایک جماعت کا قتل

مختارؓ کے آدمی ان لوگوں کو پکڑ کر لائے جنھوں نے سیدالشہداءؑ اور آپؑ کے اعزہ وانصار کی شہادت میں حصّہ لیا تھا۔ من جملہ ان کے ایک ابوالحتوف جعفی بھی تھا جس نے آنجنابؑ کی پیشانی اقدس پر تیر مارا تھا۔ دوسرا ابوقدامہ عامری جس نے جناب کے قلب وجگر پر وہ سخت تیر مارا تھا جسے آپؑ نے پسِ پشت سے کھینچا تھا۔ تیسرا صالح بن وہب تھا جس نے آپؑ کے پہلو میں نیزہ مارا تھا۔ چوتھا ابجر بن کعب تھا جس نے شہزادہ عبداللہ بن الحسنؑ کے بازو پر تلوار ماری تھی۔ جس سے ہڈی کٹ گئی تھی۔ پانچواں ابوایوب غنوی تھا جس نے تیر سے آں جنابؑ کے حلقوم کو زخمی کیا تھا۔ چھٹے اور ساتویں نصر بن خرشہ اور عمرو بن خلیفہ جعفی تھے جنھوں نے آنجنابؑ کو زخمی کیا تھا۔ آٹھویں اور نویں عبداللہ وعبدالرحمٰن پسرانِ صلخت اور دسویں اور گیارھویں عثمان بن خالد وبشر بن حوط (سوط) تھے جنھوں نے عبدالرحمٰن بن عقیل کو شہید کیا تھا۔ ان سب کو جنابِ مختارؓ کے حکم سے سربازار بڑی ذلت وخواری کے ساتھ واصلِ جہنم کیا گیا اور پھر ان کی نجس لاشوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ (فرسان، ج ۲، ص ۲۲۷، اصدق، ص ۵۵-۵۶، کامل، ج ۳، ص ۳۷۰)

عمر بن سعد کا قتل

جن دنوں مختارؓ نے خروج کیا تھا اور ان کی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ عمر بن سعد ملعون روپوش ہوگیا تھا، پھر کسی طرح عبداللہ بن جعدہ بن ہبیرہ کے ذریعہ سے جو کہ

مختارؓ کا مقرب بارگاہ تھا۔ مختارؓ سے اپنے لیے امان نامہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا مگر مختارؓ نے امان نامہ میں کچھ ایسے ذو معنی الفاظ درج کیے تھے جن کی وجہ سے مناسب وقت پر اس ملعون کے نجس وجود سے زمین کو پاک کر سکتے تھے۔ چنانچہ بعدازاں وہ ظاہر ہوگیا اور گاہ بگاہ مختارؓ کے دربار میں آنے جانے لگا۔ چند یوم کے بعد مختارؓ نے حسبِ عادت مسجع الفاظ میں اعلان کیا: لاقتلن غداً رجلاً عظیم القدمین خائر العینین شرف الحاجبین یهمز الارض برجله یسّر قتله المومنین والملائکة المقربین۔ چونکہ صفات بظاہر ابن سعد پر منطبق ہوتی تھیں اس لیے حاضرین میں سے ایک شخص (ہیثم نخعی) نے حقیقتِ حال سے مطلع ہوکر اپنے بیٹے (عریان) کو ابن سعد کے پاس بھیجا۔ چنانچہ ملعون صورتِ حال سے مطلع ہوا تو آدھی رات کے وقت گھوڑے پر سوار ہوکر راہِ فرار اختیار کی مگر کچھ مسافت طے کرنے کے بعد زین کے قربوس پر سر رکھ کر سو گیا۔ اس کا سونا تھا کہ گھوڑا اسے واپس کوفہ لے آیا۔ جب آنکھ کھلی تو اپنے تئیں کوفہ کے محلوں میں پایا۔ پھر جلدی سے اپنے گھر میں داخل ہوگیا۔

بقول مرزبانی جب ابن سعد کو مختارؓ کے اس اعلان کی اطلاع ملی کہ میں کل فلاں فلاں صفات والے شخص کو قتل کروں گا تو اس نے بنی تمیم کے ایک بہادر مالک نامی آدمی کو چار سو دینار دے کر ہمراہ لیا اور راہِ فرار اختیار کی۔ جب مقامِ حمام، اعین ونہر عبدالرحمٰن پر پہنچا تو مالک سے کہا: تمہیں کچھ معلوم ہے کہ میں کوفہ سے کیوں نکلا ہوں؟ مالک نے کہا: نہیں۔ ابن سعد نے کہا: میں مختار سے خائف ہوں۔ یہ سن کر مالک نے کہا: تو نے یہ اقدام کر کے سخت غلطی کی ہے۔ تیرا یہ خیال غلط ہے۔ مختارؓ تجھے ہرگز قتل نہیں کرتا۔ لیکن اگر اسے تیرے فرار کی اطلاع ملی تو وہ تیرے مکانات مسمار کر دے گا اور جائداد ضبط کر لے گا۔ ابن سعد اس کی باتوں میں آ گیا اور واپس

کوفہ چلا آیا مگر آتے ہی یہ احتیاطی کارروائی کی کہ اپنے لڑکے حفص کو مختارؓ کے پاس تجدید عہد کے لیے بھیجا۔ چنانچہ حفص نے مختارؓ کے پاس جا کر کہا کہ میرا باپ کہتا ہے کہ آیا میں حسب سابق امان میں ہوں؟ مختارؓ نے کہا: تیرا باپ ہے کہاں؟ حفص نے کہا: گھر میں ہے۔ مختارؓ نے کہا: بیٹھ جاؤ۔ حفص بیٹھ گیا۔ پھر مختارؓ نے ابوعمرہ کو بلا کر اس کے کان میں کہا: عمر بن سعد کے گھر جاؤ اور اسے جس حال میں پاؤ، قتل کر دو اور اس کا سر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ابوعمرہ حسب الحکم اس کے گھر پہنچا دیکھا کہ ابن سعد شب خوابی کے کپڑوں میں رختِ خواب پر بیٹھا ہے۔ ابوعمرہ نے کہا: تمہیں حاکم (مختارؓ) نے یاد کیا ہے۔ پسر سعد اُٹھنے لگا مگر پاؤں کپڑے کے ساتھ الجھا۔ جس کی وجہ سے گر پڑا۔ ابوعمرہ نے اسی وقت تلوار میان سے نکالی اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس طرح جناب سید الشہداؑ کی ابن سعد کے متعلق بددعا پوری ہوگئی کہ خدا تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تجھے تیرے رختِ خواب میں ذبح کرے۔ بہرکیف ابوعمرہ نے پسر سعد کا سر مختارؓ کے پاس حاضر کیا۔ مختارؓ نے حفص سے کہا: آیا اس سر کو پہچانتے ہو؟ حفص نے کہا: ہاں۔ اس کے بعد اب زندگانی دنیا میں کوئی خیر وخوبی نہیں ہے۔ مختارؓ نے کہا: تو نے سچ کہا ہے۔ پھر حکم دیا کہ اسے بھی اپنے باپ کے ساتھ ملحق کر دو۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس وقت مختارؓ نے کہا: آیا عمر بن سعد حسینؑ کی جگہ اور حفص علی اکبرؑ کی جگہ ہوسکتا ہے؟ پھر خود ہی کہا: نہ بخدا۔ اگر میں قریش کی ایک تہائی بھی تہ تیغ کر دوں تو بھی یہ لوگ حسینؑ کی ایک انگلی کے برابر بھی نہیں ہوسکتے! بعدازاں مختار نے ابن سعد کا سر محمد بن حنفیہؒ کے پاس مدینہ بھجوا دیا، کیونکہ موصوف نے ابن سعد کو ڈھیل دینے پر مختارؓ کی کچھ سرزنش کی تھی۔ جب ملعون ابن سعد کا سر محمد بن حنفیہؒ کے پاس پہنچا تو سجدۂ شکر ادا کیا اور مختارؓ کے حق میں دعائے خیر کی۔

(فرسان، ج ۲، ص ۲۳۰، اصدق، ص ۵۹، قمقام، ص ۶۳۲)

بجدل بن سلیم کلبی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے جناب سید الشہداءؑ کی انگوٹھی اُتاری تھی اور اس کی خاطر آں جنابؑ کی انگلی قطع کی تھی۔ مختارؒ کے حکم سے پہلے اس کی انگلیاں کاٹی گئیں۔ پھر ہاتھ اور پاؤں قلم کیے گئے اور وہ شقی اسی حالت میں تڑپ تڑپ کر واصلِ جہنم ہوگیا۔ (فرسان، ج ۲، ص ۲۳۱، اصدق، ص ۶۰)

زید بن رقاد کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس نے ابی مخنف کے بیان کے مطابق شہزادہ عبداللہ بن مسلمؑ کی پیشانی پر تاک کر تیر مارا تھا اور جب شہزادہ نے حفاظت کے لیے ہاتھ بلند کیا تو وہ پیشانی کے ساتھ چھد گیا۔ مختارؒ نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ عبداللہ نے اپنے آدمیوں سمیت جا کر اس کے گھر کو گھیرنے میں لے لیا۔ ناچار زید شمشیر برہنہ بکف ہو کر نکل آیا۔ مختارؒ کے آدمی اس پر حملہ آور ہوئے۔ ابن کامل نے کہا: اسے تلواریں نہ مارو بلکہ صرف تیروں اور پتھروں کا نشانہ بناؤ۔ چنانچہ اس پر اس قدر تیر و پتھر برسائے گئے کہ ملعون گر پڑا۔ ہنوز زندہ تھا کہ آتشِ جہنم سے پہلے اُسے آتشِ دنیا کے حوالہ کر دیا گیا، جس سے بہت جلد اس کی روح داروغہ جہنم کے پاس پہنچ گئی۔ (فرسان، ج ۲، ص ۲۳۰، اصدق، ص ۵۹، کامل، ج ۳، ص ۳۷۱)

عمرو بن صبیح کا قتل (صدائی/صیداوی)

ابومخنف کے علاوہ دوسرے عام اربابِ مقاتل کے بیان کے مطابق شہزادہ عبداللہ بن مسلمؑ کو اسی ملعون نے مذکورہ بالا کیفیت سے تیر مارا تھا۔ ایک بیان کے

مطابق رات کے وقت جب کہ عام لوگ سو چکے تھے۔ مختارؓ کے آدمی اس ملعون کی گرفتاری کے لیے اس کے گھر پہنچے۔ یہ مکان کی چھت پر سویا ہوا تھا اور تلوار سر کے نیچے تھی۔ اسے تلوار سمیت گرفتار کر کے مختارؓ کے پاس لایا گیا۔ اس نے کہا: میں نے صرف اصحابِ حسینؑ کو نیزے مارے تھے مگر کوئی آدمی قتل نہیں کیا تھا۔ مختارؓ نے صبح تک اسے قید میں رکھا۔ صبح ہونے پر لوگوں کو حاضر ہونے کا اذنِ عام دیا۔ پھر حکم دیا کہ اسے اس قدر نیزے مارو کہ ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جس سے وہ جہنم رسید ہو گیا۔ (فرسان، ج ۲، ص ۲۳۲، اصدق، ص ۶۰، کامل، ج ..... ص ۳۷۱)

قیس بن اشعث بن قیس کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس نے سید الشہداءؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کی چادر اُتاری تھی۔ دینوری کے بیان کے مطابق اس نے عبداللہ بن کامل کے پاس پناہ لے لی تھی۔ عبداللہ نے مختارؓ سے اس کا تذکرہ کیا۔ مختارؓ نے کوئی جواب نہ دیا، پھر باتوں باتوں میں عبداللہ سے کہا: اپنی انگوٹھی تو دکھاؤ۔ عبداللہ نے انگوٹھی اُتار کر دکھائی۔ مختارؓ نے اپنی انگشت میں پہن لی۔ پھر ابن کامل کو کسی کام کے لیے بھیج دیا اور ابو عمرہ کو بلا کر کہا کہ ابن کامل کے گھر جاؤ اور اس کی زوجہ کو اس کے شوہر کی یہ انگوٹھی بطور علامت دکھا کر کہو کہ میں قید بن اشعث کو مل کر اس کو کچھ ایسی باتیں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مختار کے گزند سے محفوظ ہو جائے۔ پھر جب قیس ملے تو فوراً اس کا سر قلم کر کے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ابو عمرہ نے حسبِ ہدایت ایسا ہی کیا اور جب اس کا سر قلم کر کے مختارؓ کے سامنے پیش کیا تو مختارؓ نے کہا:

هذا بقطيفة الحسين (یہ حسینؑ کی چادر کا بدلہ ہے) اس وقت ابن کامل موجود تھا۔ اس نے شکوہ کے انداز میں مختارؓ سے کہا:

تم نے اس شخص کو قتل کیا جو میری پناہ میں تھا؟ مختارؒ نے کہا: چپ رہو، کیا تم اس بات کو جائز سمجھتے ہو کہ قاتلینِ حسینؑ کو پناہ دو۔ (الاخبار الطوال، ص ۲۶۴، طبع مصر)

سنان بن انس نخعی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس نے روزِ عاشوراء اور جنایاتِ کثیرہ کے علاوہ سیدالشہداءؑ کو سخت کاری نیزہ مارا تھا بلکہ بہت سے علماء کے نزدیک آں جنابؑ کا قاتل بھی یہی شقی ازلی ہے۔ مختارؒ نے ایک جماعت کو اس کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ معلوم ہوا کہ وہ بصرہ کی طرف فرار ہوگیا ہے۔ مختارؒ کو یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا۔ اس کا گھر تباہ کر دیا اور اس کا سراغ لگانے کے لیے کچھ جاسوس مقرر کیے۔ چنانچہ چند یوم کے بعد انھوں نے مختارؒ کو اطلاع دی کہ سنان بصرہ سے قادسیہ کی طرف روانہ ہوگیا ہے۔ یہ سن کر مختارؒ کو روحانی شادمانی ہوئی اور ایک جماعت کو اس کی گرفتاری کے لیے قادسیہ روانہ کیا۔ چنانچہ اسے عذیب و قادسیہ کے درمیان گرفتار کرلیا گیا اور مختارؒ کے سامنے پیش کیا۔ مختارؒ نے حکم دیا کہ پہلے تو اس کی ایک ایک کر کے تمام انگلیاں قطع کی جائیں۔ پھر ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بعدازاں روغن زیتون کی ایک دیگ گرم کی گئی۔ اس طرح کھولتے ہوئے تیل میں ملعون کو ڈال دیا گیا ہے جس سے وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ (قمقام، ص ۶۴۷، فرسان، ج ۲، ص ۲۳۴، اصدق، ص ۶۱)

مختارؒ کا راہِ فرار اختیار کرنے والوں کے مکانات کا مسمار کرانا

جن دنوں مختارؒ کوفہ میں قاتلین سیدالشہداءؑ کو چن چن کر ہلاک کر رہے تھے۔ اس اثناء میں بہت سے ملاعین کوفہ سے بھاگ کر اکثر بصرہ میں (مصعب بن زبیر کے پاس) چلے گئے۔ چنانچہ ان میں مرہ بن منقذ (قاتل شہزادہ علی اکبرؑ) محمد بن

اشعث، عبداللہ بن عروہ خثعمی، عبداللہ بن عقبہ غنوی (قاتل ابی بکر ابن الحسینؑ) شبث بن ربعی اور اسماء بن خارجہ فزاری وغیرہ بھی شامل تھے۔ مختارؓ نے ان کے مکانات منہدم کرا دیے۔ (اصدق، ص ۶۲، فرسان، ج ۲، ص ۲۳۵)

عبیداللہ بن زیاد حصین بن نمیر اور شراحیل بن ذی الکلاع کا قتل

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ مختارؓ نے ابراہیم بن الاشتر کو ابن زیاد بدنہاد کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے لشکرِ جرار دے کر بھیجا تھا۔ مگر کوفہ کی داخلی شورش کو فرو کرنے کے لیے ان کو واپس بلانا پڑا۔ جب وہ شورش موقوف ہو گئی۔ اور داخلی حالات سازگار ہو گئے تو بعد ازاں مزید دو یوم قیام کرنے کے بعد پھر مختارؓ نے ان کو بارہ بروایتِ نو اور بقولے کچھ کم بیس ہزار کا لشکرِ جرار دے کر ابن زیاد اور اہلِ شام کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے بائیسویں ذی الحجہ ۶۶ ہجری کو روانہ کیا۔ مختارؓ کچھ دُور تک ان کی مشایعت کے لیے ہمراہ گئے اور ضروری ہدایت و وصایا کرنے کے بعد واپس آ گئے۔ ابراہیم نے بڑی سرعت کے ساتھ منازلِ سفر طے کرتے ہوئے موصل سے پانچ فرسخ اس طرف نہر خاذر پر پہنچ کر اسے اپنا لشکرگاہ قرار دے دیا۔ دوسری طرف سے ابن زیاد بھی تیس ہزار (تذکرۃ الخواص، ص ۲۸۵، طبع النجف) اور بقول ابن نما اس سے بھی زیادہ لشکر کے ساتھ موصل پر قبضہ کرتے ہوئے آگے بڑھ آیا اور ابراہیم کے لشکر کے قریب ڈیرے ڈال دیے۔ ابن زیاد کے ایک رئیس لشکر عمیر سلمی نے ابراہیم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ رات کے وقت خلوت میں ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ رات کے وقت اپنے ایک اور ساتھی فرات بن سالم (ابراہیم) کے ہمراہ ابراہیم کے پاس آیا اور کہا: اگرچہ میں اور میری قوم ابن زیاد کے ہمراہ ہیں مگر میں اپنی قوم سمیت بنی مروان کو بُرا سمجھتا ہوں۔ کل جب جنگ شروع ہو گی تو ابن

زیاد کے میسرہ کی کمان میرے ہاتھ میں ہوگی۔ تم میسرہ پر حملہ کرنا، ہم راہِ فرار اختیار کریں گے۔ اس طرح بہت جلد آپ کو فتح وکامرانی حاصل ہوجائے گی۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کی باتیں صداقت پر مبنی تھیں۔ مگر وہ دوسرے روز حسب وعدہ بوجہ خوف ننگ وعار جلدی راہِ فرار اختیار نہ کرسکا بلکہ سخت جنگ کے بعد جب پہلے ابن زیاد کے کچھ اور آدمیوں نے میدانِ جنگ سے منہ موڑا تب اس نے بھی میدان چھوڑا۔ (کامل، ج ۳، ص ۳۸۰، قمقام، ص ۶۳۷ وغیرہ)

ابراہیم بن الاشتر اس رات ہرگز نہ سوسکا بلکہ تمام رات لشکر کو مرتب کرنے اور ان کو دشمن کے ساتھ فیصلہ کن جنگ وجدال کرنے پر ترغیب وتحریص دلانے میں مشغول رہا (کامل، ج ۳، ص ۳۸۰)۔ وہ تمام لشکر سے برابر یہی کہتا تھا: اے ناصرانِ دین وشیعیان امیرالمومنینؑ! تمہارے سامنے عبیداللہ بن مرجانہ موجود ہے جو حسینؑ بن فاطمہؑ بنت رسول کا قاتل ہے۔ یہ وہی ہے جو حسینؑ اور ان کے اہل وعیال اور نہر فرات کے درمیان حائل ہوگیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ العطش العطش کرتے ہوئے شہید کردیے گئے۔ اسی نے ان کے لیے چوڑی چکلی زمین کا دامن تنگ کردیا تھا حتیٰ کہ ان کو اور ان کے اہلِ بیتؑ کو شہید کردیا۔ بخدا فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا تھا جو ابن مرجانہ نے ذُرّیتِ رسولؐ کے ساتھ کیا۔ بخدا مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہارے ہاتھوں سے اس کا خون بہا کر تمہارے دلوں کو شفا دے گا اور تمہیں فتح وفیروزی عطا فرمائے گا۔ نماز صبح کے بعد طرفین کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ ہوگئے۔

اور سواروں پر شراحیل بن ذی الکلاع الحمیری کو کمانڈر مقرر کیا (کامل، ج ۳، ص ۳۸۰) اور ابراہیم نے اس طرح اپنا لشکر ترتیب دیا کہ میمنہ پر سفیان بن یزید، میسرہ پر علی بن مالک، سواروں پر طفیل بن القیط اور پیادوں پر مزاحم بن مالک

کمانڈر مقرر کیا (تقمام، ص ۶۳۵)۔ پہلے پہل ابن زیاد کے لشکر سے ابن ضبعان کلبی رجز پڑھتا ہوا نکلا اور مبارز طلب کیا۔ اُدھر ابراہیم کے لشکر سے احوص بن شدۃ او ہمدانی رجز پڑھتا ہوا مقابلہ کے لیے نکلا۔ احوص نے کلبی سے نام پوچھا۔ اس نے کہا: میرا نام منازل الابطال ہے۔ احوص نے کہا: میرا نام مقرب الآجال ہے۔ پھر اس چابک دستی سے اس پر تلوار ماری کہ ایک ہی وار میں واصلِ جہنم کر دیا۔ پھر داؤد دمشقی مقابلہ کے لیے نکلا۔ احوص نے اس کو بھی ایک ہی وار میں داروغۂ جہنم کے سپرد کر دیا۔ پھر واپس صف میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ بعد ازاں ابن زیاد اور آگے بڑھا۔ جب دونوں لشکر بالکل ایک دوسرے کے قریب آ گئے تو یہ کیفیت دیکھ کر حصین بن نمیر نے جو لشکرِ شام کے میمنہ کا افسر تھا اپنے سپاہیوں کو للکارتے ہوئے اور رجز پڑھتے ہوئے ابراہیم کے میسرۂ لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابراہیم کے لشکر سے شریک تغلبی شعلۂ جوالہ کی طرح رجز پڑھتے ہوئے اس ملعون پر ٹوٹ پڑا۔ اور باہم گتھم گتھا ہو گئے اور دو چار بار باہمی ردّ و بدل کے بعد شریک نے اسے ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس شقی کی پلید روح واصلِ جہنم ہو گئی۔

بہرحال یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ ابراہیم کے میسرۂ لشکر کا افسر اعلیٰ بن مالک الجشمی کام آ گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے قرہ بن علی نے علم سنبھال لیا بلکہ ابراہیم کے میسرہ میں کچھ بھگدڑ بھی مچنے لگی۔ اس وقت میسرہ کا علم عبداللہ بن ورقا کے ہاتھ میں تھا مگر ابراہی کے شیرانہ تابڑ توڑ حملوں نے جنگ کا پانسہ بدل کے رکھ دیا۔ وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح جدھر کا رُخ کرتا کشتوں کے پشتے لگا دیتا۔

راویانِ اخبار کا بیان ہے کہ گھمسان کا رَن پڑ رہا تھا۔ اور طرفین سے نیزوں، تیروں اور تلواروں کی بارش برس رہی تھی اور لوہے سے لوہے کے ٹکرانے کی وجہ سے اس قدر شور بلند تھا کہ میدانِ جنگ لوہاروں کا بازار معلوم ہوتا تھا۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرا کر چنگاریاں برسانے لگیں اور غبارِ جنگ نے فلکِ نیلگوں کو تاریک کر

دیا۔ اسی اثناء میں نمازِ ظہر کا وقت آ گیا۔ اصحابِ ابراہیم نے تکبیر اور اشارہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ دونوں طرف سے کثیر التعداد آدمی مارے گئے۔ اب ابن زیاد کے لشکر نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ بعض نے راہِ فرار اختیار کی۔ اس وقت عمیہ سلمٰی نے بھی میسرہ سمیت میدان چھوڑ دیا۔ اب تو ابن زیاد کے لشکر میں بُری طرح بھگدڑ مچ گئی۔ ابراہیم کے سپاہی ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ دوسری طرف نہر خازر تھی۔ شامی اندھا دھند اس میں گر رہے تھے۔ اتنے میدان میں نہیں قتل ہوئے ہوں گے جس قدر اس نہر میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔ ابراہیم کے لشکریوں کو بہت کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ نیز اسی جنگِ مغلوبہ میں شرحبیل بن ذی الکلام الحمیری بھی جو شامیوں کا بہت بڑا جرنیل تھا، مارا گیا اور اس طرح میدان اہلِ عراق کے ہاتھ رہا اور خداوند عالم نے ابراہیم کو نمایاں فتح و فیروزی عطا فرمائی۔ جب جنگ موقوف ہوگئی اور ابراہیم کے آدمی مالِ غنیمت جمع کرنے سے فارغ ہو چکے تو ابراہیم نے ان سے کہا: میں نے اثنائے جنگ میں ایک ایسے شخص کو نہر خازر کے کنارے قتل کیا ہے جو ایک منفرد علم کے نیچے تھا اور اس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ میں نے اسے تلوار کے ایک بھرپور وار سے دونیم کر دیا۔ اس کے ہاتھ مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی جانب تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابن زیاد تھا، جاؤ اُسے تلاش کرو۔ چنانچہ اس ملعون کی تلاش شروع ہوئی بالآخر اس کا جیفہ مل گیا۔ جب اس کی شناخت کر لی گئی کہ یہ ابن زیاد ہی ہے تو ابراہیم نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر حکم دیا کہ اس کا سر تن سے جدا کر لیا جائے۔ پھر اس کے نجس بدن کو پہلے اُلٹا سولی پر لٹکوایا۔ بعد ازاں اُسے نذرِ آتش کر دیا گیا اور ابن زیاد حصین بن نمیر اور شراحیل وغیرہ سردارانِ لشکرِ شام کے سر مختار کے پاس بھجوا دیے گئے۔ یہ روزِ عاشوراء ۶۶ ہجری، یعنی سید الشہداءؑ کی شہادت کے پورے چھ برس بعد انہی کے یومِ شہادت کا واقعہ ہے۔ جب مختارؓ کے پاس سر پہنچے تو وہ اس قدر مسرور و

شادکام ہوئے۔ قریب تھا کہ فرطِ مسرت سے رونے لگیں۔ جب ابن زیاد کا نجس سر مختارؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ کھانا کھانے میں مشغول تھے، اُٹھے اور اس کے منہ پر لاتیں ماریں۔ پھر جوتا اُتار کر غلام کو دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے پاک کرو کیونکہ میں نے اسے ایک نجس کافر کے منہ کے ساتھ چھوا ہے (فرسان، ج ۲، ص ۲۳۵ تا ۲۳۹، اصدق، ص ۶۲ تا ۷۰، کامل، ج ۳، ص ۳۷۷ تا ۳۸۱)۔ پھر حکم دیا کہ ان سروں کو وہاں رکھا جائے جہاں جناب سید الشہداءؑ کا سرِ مبارک رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بعدازاں ان کو وہاں سولی پر لٹکایا گیا جہاں حضرت امام حسینؑ کا سرِ مبارک نصب کیا گیا تھا۔ وارد ہے کہ جب ابن زیاد کا سر مختارؓ کے سامنے رکھا گیا تو ایک باریک سانپ آیا جو اس ملعون کے منہ میں داخل ہوا اور ناک کے سوراخ سے نکل گیا۔ پھر ناک سے داخل ہوا اور منہ سے نکل گیا۔ اس نے کئی بار ایسا ہی کیا اور جب سر سولی پر لٹکا ہوا تھا تو پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ بروایتے تین دن تک ایسا ہی ہوتا رہا (اصدق، ص ۷۰، تذکرۃ الخواص، ص ۲۸۶، کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۳۸۱ وغیرہ)

اس کے بعد مختارؓ نے ابن زیاد، حصین بن نمیر اور شرجیل بن ذی الکلاع کے سر مع تیس ہزار دینار کے مکہ میں جناب محمد بن حنفیہؓ کے پاس بھجوا دیے اور اس مضمون کا ایک مکتوب بھی ہمراہ ارسال کیا:

انی بعثت انصارکم وشیعتکم الی عدوکم فخرجوا محتسبین آسفین فقتلوهم فالحمد لله الذی ادرك لکم الثار واهلکهم فی کل فج عمیق و شفی الله صدور قوم مؤمنین

جب یہ سر محمد بن حنفیہؓ کے پاس پہنچے تو وہ سجدۂ باری تعالیٰ میں گر گئے اور مختارؓ کے حق میں دعائے خیر کرتے ہوئے فرمایا:

جزاہ اللہ خیر الجزاء فقد ادرک لنا ثارنا ووجب
حقہ علی کل من ولدہ عبدالمطلب بن ہاشم

پھر ابن الاشتر کے حق میں بھی دعائے خیر کی۔ بعدازاں یہ سر مدینہ میں حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں بھجوا دیے۔ جب امامؑ کی خدمت میں سر حاضر کیے گئے۔ اس وقت آپؑ کھانا تناول کرنے میں مشغول تھے۔ فوراً سجدۂ شکر میں سر رکھ دیا۔ پھر سر بلند کرنے کے بعد خدا کی حمد وثنا اور مختارؓ کے حق میں دعائے خیر کرتے ہوئے فرمایا: الحمدللہ الذی ادرک لی ثاری من عدوی وجزی المختار خیراً۔ پھر فرمایا: جب ہمیں دربار ابن زیاد میں پیش کیا گیا اس وقت وہ کھانا کھانے میں مشغول تھا اور میرے والد ماجد کا سرِ اقدس اس کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس وقت میں نے یہ دعا کی تھی کہ اللھم لاتمتنی حتی ترینی رأس ابن زیاد۔ بارالہا! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک اسی طرح ابن زیاد کا سر مجھے دکھا نہ دے۔ اس طرح قاتلانِ سیدالشہداؑ عذابِ آخرت سے پہلے دنیوی عذاب میں گرفتار ہوئے اور جو قتل سے بچ گئے وہ نابینائی، چہرہ کی سیاہی وغیرہ آفات و بلیات میں گرفتار ہو گئے۔ جیسا کہ زہری سے مروی ہے:

ما بقی منھم احدا لا وعوقب فی الدنیا اما بالقتل او
العمی او سواد الوجہ او زوال الملکفی مدۃ یسیرۃ
(تذکرۃ الخواص، ص ۲۸۰)

اس طرح ان نابکاروں کے بارے میں سیدالشہداؑ کی وہ بددعا پوری ہوئی جو اس طرح کی تھی:

اللّٰھم اشھد علی ھؤلاء القوم فانھم دعونا لینصرونا
ثم عدوا علینا یقاتلوننا اللّٰھم منعھم برکات الارض

مزقهم تفريقا ومزقهم تمزيقا واجعلهم طرائق قددا ولا ترض الولاة عنهم ابداً وقتلهم بدداً ولا تغادر منهم احداً (فرسان، ج ۲، ص ۲۲۷)

مختارؓ کا ہنگامِ وفات

حالات کا بنظرِ غائر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرتِ کاملہ مختارؓ سے جو کام لینا چاہتی تھی وہ لے چکی تھی اور ان کا مشن پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا اس لیے بارگاہِ ایزدی سے جلد ان کا بلاوا آ گیا۔ اس امر کا اظہار خود مختارؓ نے بھی ابتداء امر میں کیا تھا کہ جب میں خاندانِ نبوت کا انتقام لے کر اہلِ ایمان کے دلوں کو شفا دے دوں تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں کہ میری سلطنت زائل ہو جائے اور پیکِ اجل آ جائے (جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے)۔ مختارؓ نے اپنے اٹھارہ ماہ دورِ حکومت میں قاتلینِ سید الشہداءؑ میں سے اٹھارہ ہزار آدمیوں کو قتل کیا اور اگر نہر خازر کے مقتولین کو بھی شامل کر لیا جائے تو ان کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب تک مختارؓ بنی اُمیہ اور ان کے ہوا خواہوں سے نبرد آزما تھے، عبداللہ بن زبیر اور اس کے ہوا خواہ خاموش تھے کیونکہ بنی اُمیہ ان دونوں کے مشترکہ دشمن تھے۔ البتہ جب مختارؓ اس طرف سے فارغ ہوئے تو عبداللہ بن زبیر اور ان کے عمال نے اس اندیشہ سے کہ کہیں مختارؓ ان کے خلاف اعلانِ جنگ نہ کر دیں خود پیش قدمی میں مصلحت دیکھی۔ چنانچہ اس کا بھائی مصعب بن زبیر نے جو کہ بصرہ کا گورنر تھا غالباً عبداللہ کے حکم سے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ کوفہ پر چڑھائی کر دی۔ اس لشکر میں اکثر وہ لوگ تھے جو کوفہ سے بھاگ کر بصرہ پہنچے تھے۔ ادھر مختارؓ کی جمعیت پراگندہ تھی کیونکہ زیادہ فوج ابراہیم کے پاس تھی اور وہ فتح خازر کے بعد وہیں بمقام نصیبین قیام پذیر ہو گئے تھے۔ لہٰذا مختارؓ نے نہایت عجلت

میں صرف چار ہزار کا لشکر ترتیب دیا۔ اور کوفہ سے نکل کر مقام حمام اعین (بقولے بمقام نہر البصریین) پر مصعب کے مقابلہ کے لیے پہنچ گئے۔ مصعب بھی اپنی جمعیت کے ساتھ مقابل میں آ کر جم گیا۔ اور پہلے مختارؓ سے ابن زبیر کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ مختارؓ نے انکار کرتے ہوئے اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ پہلے ہم دونوں فریق مل کر دشمنانِ آلِ رسولؐ کو ختم کریں۔ پھر باہمی مشورہ سے اہلِ بیتؑ رسول میں سے جس شخص پر اتفاق ہوگیا، اس کی بیعت کرلیں گے۔ اسے مصعب نے منظور نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طرفین سے آتشِ جنگ مشتعل ہوگئی۔ اس جنگ میں مختارؓ کے کئی سربرآوردہ اور مخلص ساتھی کام آگئے۔ وہ مقابلہ نہ لاتے ہوئے راہِ فرار اختیار کر گئے۔ مخالف کا کوئی خاص نقصان نہ ہوا البتہ ایک مشہور دشمن اہلِ بیتؑ یعنی محمد بن اشعث واصلِ جہنم ہوگیا (الاخبار الطوال، ص ۲۶۷، کامل، ج ۳، ص ۳۸۴)۔ مختارؓ اپنے چند مخلص ساتھیوں کے ساتھ واپس کوفہ لوٹ کر قصر دار الامارہ میں قلعہ بند ہوگئے۔ اس طرح مصعب بلامزاحمت کوفہ میں داخل ہوگیا اور دار الامارہ کا محاصرہ کرلیا۔ بقول دینوری اس محاصرہ نے چالیس یوم تک طول کھینچا۔ (الاخبار الطوال، ص ۲۶۷)۔ اس طرح مختارؓ کا ازوقہ ختم ہونے لگا اور ان پر قافیۂ زیست تنگ ہونا شروع ہوگیا۔ لہٰذا مختارؓ نے زندگانیٔ دنیا سے مایوس ہوکر غسل کیا، حنوط کیا اور خوشبو لگائی۔ اپنی زوجہ اُم ثابت وغیرہا کو الوداع کہا۔ پھر باہر نکل کر اپنے چند جانثاروں کے ساتھ دلیرانہ مجاہدانہ انداز میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے زندگانیٔ دنیا سے منہ موڑتے ہوئے ہمیشہ کے لیے عروسِ موت سے ہمکنار ہوگئے۔ ظالموں نے ان کا سر بدن سے جدا کر کے مصعب کے سامنے پیش کیا۔ پھر مصعب نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کے پاس مکہ بھیج دیا۔ ۱۴ ماہِ رمضان ۶۷ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر سرسٹھ (۶۷) برس تھی (فرسان، ج ۲، ص ۲۳۱، الاخبار الطوال، ص ۲۶۸،

کامل، ج ۳، ص ۳۸۸)۔ اس سلسلہ میں چھ ہزار آدمی مارے گئے (کامل، ج ۳، ص ۳۸۸)۔ مصعب بدنہاد کی آتشِ کینہ وعناد اس پر بھی نہ بجھی بلکہ مختارؓ کی دونوں بیویوں اُم ثابت بنت سمرہ بن جندب اور عمرہ بن بنت نعمان بن بشیر انصاری کو گرفتار کر کے مختارؓ سے اظہار برأت پر مجبور کیا۔ چنانچہ اُم ثابت تو ثابت قدم نہ رہ سکی اور اظہار برأت کر کے اپنی گلو خلاصی کرالی مگر عمرہ آخر تک اپنے انکار پر قائم رہی اور اس انکار کی اسے یہ قیمت ادا کرنا پڑی کہ مصعب کے حکم سے جبانہ میں لے جا کر اس کی گردن اُڑا دی گئی۔ بعض شعراء نے اس کے مرثیے کہے۔ ایک مرثیہ کے چند شعر یہ ہیں:

ان من اعجب العجائب عندی   قتل بیضاء حرة عطبول

قتلوها بغیر ذنب سفاهًا   ان لله درها من قتیل

کتب القتل والقتال علینا   وعلی المحصنات جز الذیول

اگرچہ اس کے ساتھ مختارؓ کی ظاہری زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور نفس کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مگر جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے قدرت کاملہ مختارؓ سے جو کام لینا چاہتی تھی وہ اس کی تکمیل کی سعادت حاصل کر کے بارگاہِ ذوالجلال والاکرام سے بقاء و دوام کا انعام حاصل کر چکے تھے۔ اب زمانہ کروڑوں کروٹیں بدلے، لیل نہار لاکھوں بار گردش کریں، انقلابِ روزگار ہزاروں بار کوشش کرے، آفتاب ماہ تاب سیکڑوں بار طلوع و غروب کریں مگر کیا مجال کہ مختارؓ کے نام و کام کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکیں۔ گویا مختارؓ زبانِ حال سے پکار رہے ہیں ؎

افلت شموس الاولین وشمسنا   ابداً علی افق العلٰی لا تغرب

سچ ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را   ہر زمان از غیب جانے دیگر است

☆☆☆

مجلسِ اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

یہ سورۂ شعراء کی آخری آیت ہے جس میں قدرت نظام کائنات کا ایک اہم اصول بتا رہی ہے:

"عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا، جو ظالم تھے اور ظلم کرنے والے تھے، کہ زمانہ اور ماحول کس طرح سے پلٹ جاتا ہے۔ اور عنقریب ان کے سامنے ان کے ظلم کے نتائج اور ان کے ظلم کی جزا آ جائے گی"۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

قرآن کی اس آیت نے یہ بتایا کہ ظلم کسی کی جانب سے ہو، کسی کے دور میں ہو، کسی بھی نوعیت کا ہو، زیادہ دیر تک پھلتا نہیں ہے۔ اور ایک نہ ایک وقت دنیا میں ایسا آتا ہے، ہمیں یہ منظر نظر آنے لگتا ہے کہ ظالم نادم ہو رہا ہے۔ پشیمان ہو رہا ہے۔

اب یہ ظلم جس کا انجام اس طریقے پر آتا ہے، راوی جو کوفے کا ایک بہت بڑا سردار ہے۔ وہ نقل کرتا ہے کہ خلیفہ ولید نے کوفے پر فوج کشی کی، کوفے پر قبضہ کیا۔ اور کوفے پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کے حاکم کو قتل کیا گیا اور اس کا سر کٹ کر حاکم

کے دربار میں آنے والا ہے۔ چنانچہ، جشن منایا جا رہا ہے۔ شہر کے بڑے بڑے سرداروں اور رئیسوں کو دعوت دی جا رہی ہے جشن کی۔

راوی کہتا ہے: میں بھی پہنچا۔ حاکم کے قریب بیٹھا۔ خلیفہ کے قریب مجھے جگہ ملی۔ ایک مرتبہ جب پہلے حاکم کا سر کٹ کے خلیفۂ وقت کے سامنے پہنچا تو سارے دربار میں نعرے بلند ہوئے۔ لوگ اظہارِ مسرت کرنے لگے۔ لیکن خلیفۂ وقت نے میرے چہرے سے شاید اندازہ لگا لیا، کہا: کیا تجھے خوشی نہیں ہو رہی ہے؟

راوی کہتا ہے: اے حاکمِ وقت! میں اسی دارالامارہ کوفہ میں بیٹھا تھا۔ اور جس مقام پر اس وقت تو بیٹھا ہے یہاں میں نے دیکھا تھا کہ ابن زیاد بیٹھا تھا اور ابن زیاد کے سامنے نواسۂ رسول کا سر کاٹ کر لایا گیا تھا۔

اے خلیفۂ وقت! اس دن بھی مَیں اس دربار میں تھا، جب یہاں پر مختارؓ بیٹھا تھا۔ جہاں پہ اس وقت تو بیٹھا ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ ابن زیاد کا سر کاٹ کر مختارؓ کے سامنے لایا گیا ہے۔

اے خلیفۂ وقت! میں اس دن بھی یہاں پر تھا کہ جب اس مقام پر ایک اور بادشاہ بیٹھا تھا، جہاں تو بیٹھا ہے۔ اس مختارؓ کا سر کاٹ کر اس کے سامنے لایا گیا تھا۔

اے حاکمِ وقت! آج میں دیکھ رہا ہوں کہ اسی بادشاہ کا سر تیرے سامنے کاٹ کر لایا گیا ہے۔

پس ___!

ایک مرتبہ یہ کہتے ہوئے حاکم کھڑا ہو گیا اور کہا: ”خدا تجھے پانچواں سر یہاں پہ نہ دکھائے“۔

اور یہ کہہ کر کوفے کے دارالامارہ کو گرا دینے کا حکم دیا۔ لیکن دارالامارہ کے گر جانے سے نظامِ قدرت اور نظامِ فطرت تو نہیں بدلتا۔ ہر شخص جو دوسرے پر ظلم کرے

گا اس کو اس کا انجام اور اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ ہر ظالم کو ظلم کے بعد اسی دنیا میں سزا ملے گی۔

اکثر وہ ہیں کہ جن پر وہ کیفیت اور حالت آئے گی کہ وہ نادم ہو رہے ہوں گے۔ افسوس کر رہے ہوں گے۔ پچھتا رہے ہوں گے کہ کاش پہلے ہم سنبھل جاتے۔ کاش پہلے ہماری سمجھ میں یہ باتیں آ جاتیں۔

ایک مرتبہ کسی نے نوشیروان عادل سے سوال کیا: اے نوشیروان! تو ایک حاکم ہے۔ ایک بادشاہ ہے۔ کسی کی یہ مجال نہیں کہ تیرے کسی عمل پر اعتراض کرے۔ کسی کے پاس یہ طاقت نہیں کہ تیرے خلاف بولے۔ پھر بھی کیا چیز ہے کہ جس نے تجھے اتنا سنبھالے ہوئے رکھا ہے کہ تیرے عدل کی شہرت دُور دُور تک ہوگئی ہے۔ لوگ تیرے عدل کا کلمہ پڑھتے ہیں؟

یعنی ظاہری طور پر نوشیروان کو ظلم سے روکنے والی کوئی چیز نہیں تھی۔ بااختیار حاکم ہے۔ مضبوط ترین حکومت کا مالک ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ جب لوگ صدیوں تک ظلم برداشت کرتے ہیں تو اس کے بعد ظلم بھی ان کے لیے کوئی نئی چیز نہیں رہتا ہے۔ عوام کا مزاج بھی ظلم برداشت کرنے کا ہو گیا ہے۔

تو اب سوال کیا جا رہا ہے کہ آخر کیا سبب ہے؟ کیا وجہ ہے کہ تو نے عدل سے کام لیا اور ظلم نہیں کیا؟

جواب دیتا ہے: ایک دن میں شکار کو جا رہا تھا۔ راستے میں مَیں نے دیکھا کہ ایک کتا گزر رہا تھا۔ میری فوج کے ایک سپاہی نے ایک پتھر اُٹھا کر اس کتے کو مارا۔

صاحب ناسخ التواریخ اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں: ایک مرتبہ پتھر اُٹھا کر کتے کو مارا۔ کتے نے پتھر کی چوٹ کو برداشت کیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ ابھی میرا قافلہ کچھ آگے بڑھا ہو گا کہ قافلے میں سے ایک گھوڑا بدکا اور اس نے اپنی پچھلی ٹانگیں چلائیں

جو اس سپاہی کو لگیں، اور یہ تکلیف کی شدت سے کراہتا ہوا گر گیا۔

لوگوں نے اس کو سنبھالا۔ ابھی میرا قافلہ کچھ اور آگے گیا ہوگا۔ میں نے دیکھا کہ راستے میں ایک گڑھا آیا اور اس گھوڑے کی ٹانگ اس میں پڑی اور ٹوٹ گئی۔ جب میں نے یہ منظر دیکھا۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی، میں نے نظامِ قدرت دیکھا کہ ہر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملتی ہے۔ کچھ کو فوراً اور کچھ کو کچھ دیر کے بعد تو میں نے عزم کرلیا، میں نے تہیہ کرلیا کہ اب میں اپنی ساری زندگی کسی پر ظلم نہیں کروں گا۔

بس ـــــ!

یہ چیز اگر آپ کی سمجھ میں آجائے، اگر یہ مسئلہ آپ کے لیے واضح ہوجائے تو ظلم جو ہے وہ ہمیشہ آخر میں اپنے کرنے والے کو ندامت کی اور پچھتاوے کی منزل میں لے جاتا ہے۔ ایک وہ مرحلہ آتا ہے، ایک وہ منزل آتی ہے کہ ظالم کو خود افسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ میں نے اس انداز سے کسی پر ظلم کیوں کیا۔ حضرت مظلومِ کربلاؑ کے دل سے نکلنے والی دعا، ہمارے چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"ایک دعا ایسی ہے جو اگر کافر بھی مانگے تو خدا قبول کرلیتا ہے، چاہے وہ مومن کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ مظلوم اگر کوئی ہے اور وہ دعا کر رہا ہے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس پر مومن نے ظلم کیا ہے۔ خدا مظلوم کی دعا کو فوراً قبول کرتا ہے"۔

روایت میں یہ ہے:

"میں نے کائنات میں مظلوم کی دعا سے زیادہ تیزی سے اپنی منزل تک پہنچ جانے والی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے"۔

معصومؑ کا فرمان ہے:

""مظلوم کی دعا، جس پر ظلم کیا جائے، فوراً بارگاہِ الٰہی میں پہنچتی ہے۔ حتیٰ کہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو، تب بھی اس کی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے"۔

ہمارے علماء کا ایک فقرہ ہے:

""ہم ایسے کافر کی حکومت زیادہ پسند کرتے ہیں جو عادل ہو، اس مومن کے مقابلے میں جو ہو تو مومن لیکن اس کی حکومت ظالم ہو"۔

تاریخ میں یہ واقعہ بھی ہے۔ مَیں جس موضوع پر آ رہا ہوں وہ ابھی آپ پر واضح نہ ہو رہا ہوگا۔ لیکن تھوڑی دیر کی زحمت ہے، جس کے بعد موضوع آپ کے سامنے واضح ہو جائے گا۔

تاریخ میں یہ درج ہے:

قدیم زمانے کا تذکرہ ہے، جب اس دنیا میں دو بڑی حکومتیں مشرقی سمت میں واقع تھیں۔ ایک ہندوستان کی حکومت، ایک چین کی حکومت۔ دونوں کی آبادی تقریباً برابر تھی۔ دونوں کا انتظام کرنا تقریباً برابر کا مسئلہ تھا۔ دونوں کی فوجیں تقریباً برابر تھیں۔ دونوں کے خزانے تقریباً برابر تھے۔ دونوں کے وسائل تقریباً برابر تھے۔ لیکن ہندوستان کا بادشاہ یہ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ ملک میں روز بروز بدامنی بڑھتی جا رہی ہے۔ غربت بڑھتی جا رہی ہے۔ پریشانیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ مصیبتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ قسم قسم کی آفتیں آ رہی ہیں، قسم قسم کی بلائیں نازل ہو رہی ہیں۔

اور میری برابر کی مملکت، میرے برابر کا ملک چین وہاں پر بھی اتنی ہی آبادی ہے۔ وہاں پر بھی ایسا ہی خزانہ ہے۔ وہاں پر بھی اتنی ہی فوج ہے۔ وہاں کا بھی تقریباً

اتنا ہی رستہ ہے۔ لیکن وہاں امن ہے، چین ہے، سکون ہے۔ لوگ خوشحالی سے زندگی گزار رہے ہیں۔

تو ایک مرتبہ یہ حیران ہوا اور اپنے قاصد کو ایک خط دے کر شاہِ چین کی طرف روانہ کرتا ہے، خط میں سوال کرتا ہے:

اے چین کے بادشاہ! مجھے اتنا بتا دے کہ وہ کیا چیز ہے؟ وہ کیا طریقہ ہے؟ وہ کیا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے ہمارے جیسے وسائل اور خزانہ رکھنے کے باوجود تمہارے ملک میں اتنا امن ہے، اتنا چین ہے، اتنی بہتری ہے اور ہمارے ملک میں اتنی بدامنی ہے، انتشار ہے۔ حالات کی خرابی ہے، آفتیں اور بلائیں ہیں۔

جب قاصد یہ خط لے کر شاہِ چین کے پاس پہنچا تو اب شاہِ چین نے خط پڑھتے ہی حکم دیا: اس قاصد کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا جائے۔

اس بیچارے کو، جس کا نہ کوئی قصور ہے، نہ کوئی غلطی ہے، نہ کوئی خطا ہے۔ اس کو بلا کسی وجہ کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اب جو وہ قید خانے میں گیا تو اپنی قسمت پر رونے لگا اور فریاد کرتا ہے: مجھے اتنا تو بتاؤ کہ کتنے دنوں کی سزا ملی ہے؟

شاہِ چین کی جانب سے جواب آیا: تیرے قید خانے کے سامنے جو ایک بہت مضبوط اور بڑا سا درخت لگا ہوا نظر آ رہا ہے۔ جس دن یہ درخت ٹوٹ کر گر جائے گا اس دن تجھے قید سے نجات ملے گی۔ انتہائی مضبوط درخت، کہ بظاہر اس کے گرنے کے کوئی آثار نہ تھے۔

شاہِ ہند کا قاصد سمجھ گیا کہ یہ مجھے ہمیشہ قید میں رکھنے کی سازش اور منصوبہ ہے۔ نہ یہ درخت کبھی ٹوٹ کر گرے گا اور نہ ہی کبھی میں قید سے آزاد ہوں گا۔ لیکن چالیس دن گزرتے ہیں۔ چالیسویں دن کی صبح کو جب یہ شخص بیدار ہوا تو اس کے کان میں ایک دھماکے کی آواز آئی۔ دوڑ کر قید خانے کی کھڑکی پر پہنچا تو کیا

عجیب منظر دیکھا کہ وہ درخت ٹوٹا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ وہ درخت زمین پر گرا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ نہ کوئی آندھی آئی، نہ کوئی آفت آئی، نہ کوئی سیلاب آیا، نہ کوئی بجلی اس پر گری۔ ایک مرتبہ درخت خود بخود گر پڑا۔ دل خوشی سے بھر گیا کہ اب بادشاہ کے وعدے کے مطابق میری رہائی کا وقت آ پہنچا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ وہاں بادشاہ کے سپاہی آرہے ہیں۔ شاہِ چین کے دربار میں لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ شاہِ چین نے کہا: تجھے رہائی مبارک ہو۔ اب اپنے بادشاہ کے پاس جا کر جو میں نے تجھے جواب دیا ہے وہی پہنچا دینا۔

تو قاصد حیران ہو کر سوال کرتا ہے، آپ نے کون سا جواب دیا ہے؟ آپ کا جواب کون سا تھا؟ آپ نے تو گرفتار کیا اور چالیسویں دن چھوڑ دیا۔

کہا: کیا تو نہیں سمجھا؟ اتنا بتا جب میں نے تجھے قید خانے میں ڈالا تھا تو تیرے صبح و شام کس کام میں گزر رہے تھے؟

کہا: فقط ایک ہی کام تھا قید خانے کی کھڑکی پر بیٹھا رہتا تھا اور ہر وقت اس درخت کو دیکھا کرتا تھا اور دل ہی دل میں دعا کرتا تھا، کاش! یہ درخت گر جائے۔ اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ میری یہ خواہش بالکل اُلٹ ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا، اتنا مضبوط اور مستحکم درخت کیسے گرے۔ لیکن چوبیس گھنٹے سوائے ضروریات کے ہر وقت کھڑکی پر بیٹھا ہوا دیکھتا رہتا اور دل میں یہی خواہش تھی کہ یہ ٹوٹ کر گر جائے۔

شاہِ چین نے کہا: یہی فرق ہے میری اور تیرے بادشاہ کی مملکت میں۔ جا کر اس سے کہہ دینا کہ جب ایک مظلوم کی بددعا میں اتنا اثر ہے کہ چالیس دن کے اندر اس مضبوط اور مستحکم درخت کو بغیر کسی وسیلے کے گرا دیا گیا۔ اتنا مضبوط درخت ایک مظلوم کی بددعا کے نتیجے میں گر گیا تو جہاں دن رات ظلم ہوتا ہو، جہاں دن رات لوگوں کے حقوق پامال کیے جاتے ہوں، اس مملکت میں امن و سکون آئے گا تو کیسے آئے گا۔

اب یہ معصومؑ کی اس روایت کی روشنی میں بالکل صحیح بھی ہے کہ مظلوم کی دعا خدا فوراً قبول کرتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ جو پورے مملکت کے لیے ہے، یہی ہمارے چھوٹے سے گھر کے لیے بھی ہے۔

آج کل لوگوں کا مسئلہ کیا ہے؟ پریشانیاں ہیں، آفتیں ہیں، بلائیں ہیں۔ ایک پریشانی ختم نہیں ہوتی، دوسری شروع ہو جاتی ہے۔ ایک طرف دیکھتے جایئے تو آمدنی میں برکت ہی برکت ہے۔ لیکن دوسری جانب جسے دیکھئے سر پکڑے رو رہا ہے، پریشانیاں حد سے زیادہ ہیں۔

اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا، آخر ان کی انتہا کہاں ہوگی؟ ہم پریشان ہو کر سوچتے ہیں اور ظاہر ہے ہر آدمی اب اپنے بارے میں سوچتا ہے کہ جتنا پریشان اور مصیبت زدہ اس دنیا میں مَیں ہوں اتنا اِس معاشرے میں کوئی اور نہیں ہوگا۔

آخر وجہ کیا ہے ــــــ!؟

اپنی غلطی بھی سمجھ میں نہیں آتی، اپنا قصور بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اب شاہِ چین کے واقعے کو ذہن میں رکھیے اور ایک حضرت ابوذر غفاریؓ کا جملہ سُن لیجیے اور نتیجہ آپ کے سامنے آجائے گا۔ پیغمبرِ اسلام کی وفات کے بعد اب اُمت مسلمہ اور خصوصیت سے اب نئے نئے اسلام قبول کرنے والے انھوں نے پیغمبرؐ کو نہیں دیکھا۔ لیکن ان میں بڑی تمنا تھی کہ کاش ہمیں پتہ چلے کہ پیغمبرِ اسلام نے ساری زندگی کیا ارشاد فرمایا۔

وہ اصحابِ رسولؐ کے پاس آتے تھے اور ان سے پوچھا کرتے تھے کہ آپ نے پیغمبرؐ کو بہت دیکھا ہے، آپ پیغمبر کی صحبت میں بیٹھے ہیں۔ آپ نے پیغمبرؐ کا زمانہ گزارا ہے، مجھے کوئی وصیت کیجیے، ہمیں کوئی وصیت کیجیے۔

تو حضرت ابوذر غفاریؓ کے پاس بھی ایک مرتبہ اسلامی مملکت کے کسی دُور دراز کے شہر سے خط آیا اور خط کے اندر فقط خط لکھنے والے نے ایک خواہش ظاہر

کی: اے ابوذر غفاریؓ! آپ مجھے کوئی نصیحت کریں جو دنیا و آخرت دونوں میں میرے کام آئے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے فقط ایک جملہ لکھ کر بھیجا: ''اے شخص! تو دنیا میں سب سے زیادہ جس سے محبت کرتا ہے، کبھی اس کے ساتھ بُرائی نہ کرنا، کبھی اس کے ساتھ بدی نہ کرنا''۔

یہ جواب اس صاحب ایمان کے پاس پہنچا تو وہ حیران اور پریشان ہوگیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے کیا جواب دیا، بظاہر یہ ایک جواب نہیں، یہ کوئی نصیحت نہیں جس سے انسان محبت کرے گا، اس سے کبھی بُرا سلوک کر ہی نہیں سکتا۔ یہ کہنا ہی بیکار ہے کہ جس سے محبت کرتے ہو، کبھی اس سے بدی نہ کرنا، کبھی اس سے بُرائی نہ کرنا۔

ایک مرتبہ حیران ہوا کہ ایسی لاحاصل نصیحت، اس کا مطلب کیا ہے؟ لیکن دل کہہ رہا تھا کہ یقیناً اس میں ایک بہت بڑا پیغام پوشیدہ ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کبھی کوئی بیکار جملہ نہیں لکھ سکتے۔ پیغمبرؐ نے انھیں لقمانِ اُمت قرار دیا ہے۔ انھوں نے جب لکھا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی راز ضرور ہوگا۔

دوسرا خط بھیجا، کہا: اے ابوذر غفاریؓ! آپ اپنے جملے کا مطلب واضح کیجیے۔

اب وہاں سے جواب آیا: میرے جملے کا مطلب بہت واضح تھا کہ دنیا میں انسان سب سے زیادہ اپنی ذات سے محبت کرتا ہے۔ دنیا میں انسان سب سے زیادہ اپنے آپ سے محبت کرتا ہے، سب سے زیادہ اپنوں سے محبت ہوتی ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ پھر اپنوں میں سب سے زیادہ اپنی ذات۔ لیکن سب سے زیادہ اپنے آپ سے انسان محبت کرتا ہے۔

محبت کی کیفیت کیا ہے؟ چھوٹی سی بات بتاتا چلوں۔

بیٹھے ہوئے تھے کوئی بزرگ، کچھ دوست۔ تذکرہ ہو رہا تھا ایک دوست کے باپ کا۔ ایک ایسے صاحبِ فضائل تھے۔ وہ شخص جو انتقال کر گئے اُن کا بیٹا بڑھ بڑھ کر بیان کر رہا تھا۔ کسی نے سوال کیا: ان کا پیشہ کیا تھا؟

کہا: راتوں کو چھپ چھپ کر جاتے تھے اور گھروں میں جا کر ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ چوری کیا کرتے تھے اور چوری کا مال لا کر زندگی کا گزارہ کرتے تھے۔ لیکن ایک مرتبہ پریشانی میں پھنس گئے۔ جب ایک گھر میں اُترے چوری کے ارادے سے، تو دیکھا کہ سارے بے ایمان جاگ رہے ہیں تو فوراً ان کو بھاگ کر واپس آنا پڑا۔

تو اب چونکہ اپنا ہے اس لیے گھر کا مالک بھی بے ایمان قرار پایا۔ جس کے گھر میں گئے چوری کے لیے اگر وہ جاگ رہا ہے تو وہ بھی بے ایمان ہے۔ اس لیے کہ اپنے والد کی بات ہے۔

تو یہ بات فطرتِ انسانی میں شامل ہے جو اپنا ہوتا ہے، اس کی بُرائی بھی اچھائی لگتی ہے اور انسان اس سے محبت کرتا ہے۔ اپنوں میں بھی سب سے زیادہ اپنی ذات سے آدمی پیار کرتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کہہ رہے ہیں کہ میرے جملے کا مقصد یہ تھا، کبھی کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے تمھیں نقصان پہنچے۔ کبھی کوئی ایسا فعل انجام نہ دینا جس سے تمھیں نقصان پہنچے۔

میرا جملہ کیا تھا، سب سے زیادہ جس سے محبت کرتے ہو، اس کے ساتھ بدی نہ کرنا۔ سب سے زیادہ اپنے جسم سے محبت کرتے ہو، کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے اس کو نقصان پہنچے۔ یہ ظلم ہو جائے گا اپنی ذات پر۔ اور ایسا کون سا کام ہے جو اپنے آپ کو نقصان پہنچائے؟ ہر فعلِ حرام، ہر گناہ، مرضیٔ خدا کے خلاف اٹھایا ہوا ہر قدم، شریعت کے مخالف۔

یہ وہ چیز ہے کہ جس کو آج تو آپ انجام دے دیجیے گا۔ نہیں پڑھتے ہیں نماز، نہیں رکھتے ہیں روزہ، نہیں نکالتے ہیں زکوٰۃ و خمس، نہیں جاتے ہیں حج کے اُوپر، ادا نہیں کرتے، اپنے آپ کو حرام سے نہیں بچاتے ہیں۔ یہ حقیقت میں اپنے آپ پر ظلم ہو رہا ہے۔ یہ اپنی ذات کے اُوپر بدی ہو رہی ہے۔

ایک وہ دن آئے گا، ایک وہ منزل آئے گی، جب اس کا نتیجہ سامنے آئے گا تو انسان کو پتہ چلے گا کہ میں نے اپنے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ یہی کہہ رہے ہیں کہ جس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہو، کبھی اس سے بدی نہ کرنا۔ کبھی اس کے اُوپر ظلم نہ کرنا۔ کوئی ایسا کام نہ کرنا جو خدا کے احکام کے خلاف ہو۔

اور یہاں میں اتنا بتا دوں کہ جہاں آپ نے احکامِ خدا کے خلاف قدم اٹھایا، وہیں سے ظلم کا آغاز ہو گیا۔ اس لیے کہ ظلم کی تعریف علماء نے لکھی ہے۔

وَضعُ الشَّیْءِ فِی غَیْرِ مَحَلِّهٖ

"ایک چیز کا اصلی مقام ہے وہاں سے اسے اُٹھا کر کسی دوسرے مقام پر رکھنا"۔

یہ ہے ظلم ——!

اب فرض کیجیے خدا نے چہرے کے اُوپر بال پیدا کیے ہیں ڈاڑھی کی صورت میں، ان کا مقام کیا ہے؟ ان کا محل کیا ہے؟ یہی چہرہ ہے جس کے اُوپر یہ بال رہنے چاہئیں، جس کو ہم آپ ڈاڑھی کہا کرتے ہیں۔

اگر اب ان بالوں کو نائی کے اُسترے کے اُوپر یا گھر کے واش بیسن کے اندر بہا دیا گیا، تو یہ کیا ہو گیا؟ ظلم، کہ جس چیز کو خدا نے جہاں کے لیے پیدا کیا تھا، وہاں آپ نے نہ رکھا اور اس کو اس مقام پہ رکھا جہاں کے لیے وہ پیدا نہیں کی۔

ظلم کا آغاز کہاں ہوا؟ مثلاً آپ نے روزانہ صبح سویرے اپنے چہرے کے اُوپر ریزر چلایا۔

خدا نے اس پردے کو قرار دیا اس لیے کہ یہ عورت کے جسم پر رہے۔ اس لیے کہ یہ چادر عورت کے سر پر رہے اور اس کے تمام جسم پر حجاب اور پردہ ہو جائے۔ لیکن کیا کیا؟

اسے اُٹھا کر ڈال دیا گیا کھانے پینے کی ان چیزوں پر کہ جن کا نام رکھا گیا کہ یہ جنابِ سیدہؑ کی منت اور نیاز ہے۔

میں ہر سال ایک جملہ اس پر ضرور کہتا ہوں، اور ہر سال اس پر گفتگو کرتا ہوں۔

تو بہر حال ـــــ!

اس سال ارادہ نہ تھا لیکن بات آ گئی کہ اب کیوں اس کے اُوپر پردہ ڈالا گیا؟ اس لیے کہ بی بی کی نیاز ہے۔

ارے! اتنی احتیاط ہوتی ہے جنابِ فاطمۃ الزہراؑ کی نیاز کے سلسلے میں، کہ ہم اور آپ جیسوں کو تو کمرے میں داخلے کی اجازت ہی نہیں ملا کرتی۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، یعنی اگر اس عمر میں بھی ہیں کہ اگر جنابِ سیدہؑ کے پاس جاتے تو بی بی گود میں بٹھاتیں۔ لیکن چونکہ لڑکا ہے، اس لیے منع کر دیا گیا کہ تمھیں یہ چیز کھانے کو نہیں ملے گی، یہ جنابِ سیدہؑ کی نیاز ہے۔

اگر اس لیے یہ احتیاط تھی کہ آپ کے دل میں خیال یہ آیا کہ ایسا کرنا گناہ ہے، اگر ہم نے بی بی کی نیاز کو، اگر ہم نے شہزادی کی نیاز کو مردوں کے سامنے رکھا یا مردوں کو استعمال کرنے دیا تو یہ حرام ہو جائے گا، یہ گناہ ہو جائے گا۔

اگر اس نیت سے احتیاط کی تو یہ فعل حرام ہے، یہ گناہ ہے، اس لیے کہ شریعت

میں بدعت کہتے ہیں نئی چیز کو ایجاد کرنا۔

اور اگر دل میں گناہ کا خیال نہیں، یہ خیال نہیں ہے کہ شریعت نے منع کیا ہے لیکن خود احتیاط کرنے کو جی چاہ رہا ہے، خود پابندی کرنے کو جی چاہ رہا ہے تو پھر یہ ظلم ہوگیا، اس لیے کہ جیسا میں نے سال گذشتہ بھی کہا تھا کہ یہ نذر کی چیزیں، یہ نیاز کی چیزیں، یہ روٹی، یہ پھل، یہ کھانے پینے کی چیزیں ان کے اُوپر چادر نہیں رکھنا ہے بلکہ چادر اپنے سر کے اُوپر رکھنا ہے۔ اِن کو پردہ نہیں کرانا ہے، پردہ اپنے جسم کو کرانا ہے۔

وہاں تو روایات میں یہ ملتا ہے کہ آپ اس نیاز کو شہزادی کی طرف منسوب کرنے کے بعد اس کا اتنا خیال اور اس کی اتنی احتیاط کر رہے ہیں اور وہاں تاریخ میں یہ ملتا ہے، جسے کوئی جھٹلا ہی نہیں سکتا، جس کا کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔

وہ سورۂ دہر کا نازل ہونا ہے کہ بی بی کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں وگیہوں کہ شہزادی نے خود چکی پیس کر آٹا تیار کیا، اس آٹے سے روٹی تیار کی۔ یہ وہ روٹی ہے جو فاطمہؑ کے نام سے تیار ہوئی، اور اس کے بعد یہ روٹی باہر جاتی ہے، یتیم کو بھی دی جاتی ہے، اسیر کو بھی دی جاتی ہے، مسکین کو بھی دی جاتی ہے۔

تین دن متواتر فاطمہؑ کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں گئیں، اگر مان بھی لیا جائے کہ آنے والے فرشتے تھے۔

بہرحال ــــــ!

گھر سے باہر گئیں، لوگوں کے سامنے گئیں۔ نگاہ پڑنے والوں کی نگاہ بھی پڑی۔ اور اگر فرشتوں والی روایت کو قبول نہ کیا جائے تو نامحرم کے ہاتھ میں گئیں۔ لیکن اس پر نہ تو اہلِ بیتؑ کو اعتراض ہے۔ نہ خاندانِ رسولؐ کی کوئی احتیاط ہے۔ یہ ہماری اور آپ کی عجیب احتیاط نکل آئی ہے کہ اس چیز کو تو اتنا چھپائیں گے جس کی احتیاط شہزادی بھی نہیں کر رہیں۔ اور وہ چیز جو اصل میں چھپانے کے قابل ہے وہ چیز

جس کو اصل میں پردہ پہنانا ہے اس کے بارے میں کوئی احتیاط نہیں۔ اس کے بارے میں کوئی خیال نہیں۔ جب کہ خاندانِ اہلِ بیتؑ کی ساری احتیاط اسی پردے کے مسئلے پر تھی کہ ہمارے ماننے والوں میں کوئی عورت بے پردہ نہ آئے۔ ہمارا کلمہ پڑھنے والوں میں کسی عورت کے سر پر سے چادر نہ اُترنے پائے۔ یہ موضوع تسلسل سے آئے گا۔

تو وہ چادر جو مومنہ کے سر سے اُتر کر نیاز کی شے پر گئی، یہ کیا ہے:

وَضعُ الشَّیْءِ فِی غَیرِ مَحَلِّهٖ

خدا نے جس چیز کو جس مقام کے لیے بنایا ہے ہم نے وہاں سے اُٹھا کر اس کو دوسرے مقام پر رکھ دیا ہے۔ تو جہاں بھی فعلِ حرام کا آغاز ہوا، وہاں سے گناہ شروع ہوا۔ وہاں ظلم شروع ہوا، وہاں ظلم کا آغاز ہوا اور قرآن نے کہہ دیا:

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

جہاں سے ظلم کا آغاز ہوا، چاہے وہ ایک مومن کے گلے پر خنجر رکھ کر اس کا خون بہاؤ، وہ ظلم ہے۔ اور چاہے اپنے رخسار کے اُوپر ریزر چلا کر اپنی ڈاڑھی کا خون بہاؤ، وہ بھی ظلم ہے۔ یہ ظلم ہو یا وہ ظلم ہو جہاں سے ظلم کا آغاز ہوا تو قرآن کہہ رہا ہے:

''عنقریب وہ لوگ جان لیں گے جنھوں نے ظلم کیا ہے، اپنے آپ پر یا کسی پر کہ کتنی جلدی ان سے انتقام لینے والا ہے''۔

تو ایک اصول ہے قدرت کا، یہ بڑا اہم موضوع ہے خاندان کے بارے میں، جس کی وضاحت ان شاء اللہ ہو گی آیندہ تقاریر میں۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ قدرت کا ذات کے بارے میں بھی ہے۔ خاندان کے بارے میں بھی ہے۔ معاشرے کے بارے میں بھی ہے۔ اور تاریخ نے ہمیں بتایا

کہ یہ اصول کس طرح سے ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ تاریخ نے ہمیں بتایا کہ کائنات کا سب سے بڑا ظالم کائنات کے سب سے بڑے مظلوم پر ظلم کرتا ہے۔ کائنات کا بڑا ظالم تخت کے اُوپر بیٹھا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے سوال کر سکتا ہے۔ میں جو دل چاہے کروں، اُمت اطاعت کرے گی۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ آج وہی حاکمِ شام ہے، آج وہی یزید ہے کہ تخت پہ بیٹھ رہا ہے اور بیٹھنے کے بعد سید سجادؑ کو بلا کر کہہ رہا ہے:

"خدا کی لعنت ہے ابن زیاد کے اُوپر کہ جس نے بغیر میری مرضی اور اجازت کے اس کام کو انجام دیا ہے"۔

آج کل کے اکثر مورخین یزید کے ان فقروں کو پیش کر کے ایک عجیب نتیجہ نکالتے ہیں۔

کہتے ہیں: دیکھئے! یزید بری الذمہ تھا، قتلِ حسینؑ میں یزید کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ تبھی تو یزید نے افسوس کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ خدا کی لعنت ہو ابن زیاد پر کہ اس نے بغیر میری اجازت کے یہ کام کیا ہے۔

بس ــــــ!

میں اس مقام پر فقط ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ یزید کا یہ فقرہ یزید کو بے گناہ ثابت کرے یا نہ کرے، لیکن اسلام کا ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا جس پر اکثر لوگ اعتراض کر رہے تھے۔ یزید کا جملہ بتا رہا ہے:

"خدا لعنت کرے پسرِ مرجانہ پر کہ جس نے بغیر میری اجازت لیے یہ قدم اٹھایا تھا"۔

تو یہ تو ہم بعد میں طے کریں گے، یہ فیصلہ تو ہم بعد میں کریں گے کہ اصل ذمہ دار کون تھا، لیکن ایک فیصلہ یزید نے کر دیا کہ بہر حال! جو بھی قاتلِ حسینؑ ہو، اس کے اُوپر لعنت کرنا چاہیے۔

تو پتا چلا کہ یہ فیصلہ خود یزید کا بھی فیصلہ ہے کہ جو بھی تاریخ سے قاتلِ حسینؑ ثابت ہو جائے اس کے اُوپر لعنت کی جا سکتی ہے۔ (صلواۃ)

دیکھیے ـــــ!

اتنا جلد وعدۂ خدا پورا ہوا کہ

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُونَ ۝ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

جس حکومت کو بچانے کے لیے یزید نے نواسۂ رسولؐ کا خون بہایا تھا۔ وہ حکومت اس کے پاس ساڑھے تین سال کے عرصہ سے زیادہ نہ رہی، نہ صرف یہ کہ اس کے ہاتھ سے نکلی بلکہ اس کے خاندان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

میں نے آج سے دو سال قبل اسی عزاخانے میں ماہِ صفر کی ابتدائی پانچ مجالس میں حضرت امیر مختارؒ کے حالات بیان کیے تھے۔ لیکن اُس وقت، وقت کی کمی کی وجہ سے، یہ موضوع نامکمل رہا تھا اور ابتدائی دو تقاریر کے بعد تیسری تقریر میں بہت جلدی جلدی موضوع کو نامکمل رکھتے ہوئے ایک منزل تک اس وعدے کے ساتھ کہ ان شاء اللہ کچھ عرصے کے بعد یہ پورا موضوع تفصیل سے آپ کے سامنے آئے گا۔

تو اب میرا ارادہ یہی ہے کہ آج کی شب سے لے کر اس سلسلے کی آخری شب تک اپنے اصل موضوع کے ساتھ ساتھ آپ کے سامنے یہ واقعات بھی پیش کروں تا کہ آپ کو اندازہ ہو کہ قاتلانِ امام مظلومؑ کرتے وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ہمیں کوئی پکڑنے والا نہیں۔ ہمارے حاکم کا سایہ ہمارے سر پر ہے۔

کتنی جلدی ان کا حاکم بھی جہنم واصل ہوا اور کتنی جلدی انھیں بھی اپنے کیے ہوئے کرتوتوں کا انجام بھگتنا پڑا۔

مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں نے ان مجالس میں یہ وعدہ کیا تھا کہ خود یزید کا انجام بھی تاریخ میں بہت عجیب و غریب بتایا گیا ہے۔ وہ کس طرح مارا گیا، یہ ساری تفصیلات آئیں گی، لیکن فقط اس لیے کہ میرا موضوع ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے اور چونکہ مجھے معلوم ہے کہ جتنے لوگ جو اس موضوع کو پہلے سن چکے ہیں اُن سے زیادہ وہ ہیں جو پہلی مرتبہ اس موضوع کو سماعت فرما رہے ہیں۔ اس لیے کچھ پرانی باتوں کا تکرار کرنا پڑے گا تاکہ سلسلہ مل جائے۔

ایک بات جس کا تذکرہ کر دینا انتہائی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر مختارؓ کی شخصیت کو تاریخ میں بہت ہی متنازع شخصیت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اور ایک ایسا گروہ بھی مسلمانوں میں ہے جو حضرت امیر مختارؓ سے بے انتہا نفرت اور دشمنی کرتا ہے۔ اور حضرت امیر مختارؓ کو نہ صرف یہ کہ فاسق اور ظالم سمجھتا ہے بلکہ کافر بھی قرار دیتا ہے اور نہ صرف حضرت امیر مختارؓ کو بلکہ اُن کے ماننے والوں کو بھی۔

اور خود ہمارے ذخیرۂ احادیث میں بھی کچھ روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاید امیر مختارؓ کا مسلک قاتلانِ امامؑ سے انتقام لے کر اپنی حکومت کا قیام تھا، آلِ محمدؐ کی مدد نہ تھا۔

تو یہ مسئلہ تو جب بھی امیر مختارؓ کا موضوع آئے گا تو پہلے اسی مسئلے کو حل کرنا پڑے گا، اس لیے میں تھوڑا سا تاریخی پس منظر آپ کے سامنے بیان کر دوں تاکہ میری بات سمجھنے میں آسانی رہے۔

حضرت امیر مختارؓ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ معاذ اللہ انھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اپنے آپ کو مُخْتَارٌ رَسُولُ اللّٰہِ کہہ کر خط و کتاب کیا کرتے تھے۔ اور اسی نام سے مہر بنوائی تھی۔

حضرت امیر مختارؓ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے بعد ایک پورا فرقہ،

فرقۂ کیسانیہ کے نام سے وجود میں آیا۔ جو حضرت امیر مختارؓ کو آخری رسولؐ مانتا ہے۔ بلکہ دعوئی کرنے والوں نے تو آگے بڑھ کر یہاں تک دعوئی کیا ہے کہ حضرت امیر مختارؓ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ مجھ میں خدا حلول کر گیا ہے، مجھ پر خدا اُتر آیا ہے۔

حضرت امیر مختارؓ کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے لوگوں کو دھوکہ دینے اور بے وقوف بنانے کے لیے، اپنی نبوت کے جھوٹے معجزے بنائے۔ مثلاً ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کوفے میں۔ اور کہنے لگے کہ کل اسماء کا گھر جل جائے گا، یہ کوفہ کا رہنے والا ایک آدمی ہے۔

جب یہ اطلاع اسماء کو ملی کہ امیر مختارؓ نے یہ پیشین گوئی کی ہے، تو وہ جلدی سے گئے اور گھر کا سارا ساز وسامان نکال کر لائے، اور نیا گھر لے کر اس میں منتقل ہو گئے۔ لوگوں نے سوال کیا: ایسا کیوں کر رہے ہو؟

کہا: بس! اب مجھے یقین ہے کہ جب مختارؓ نے یہ جملہ کہا ہے تو یقیناً وہ آج رات کو میرے گھر میں آگ لگوائے گا اور اگر میں نے یہاں سے سامان منتقل نہ کیا تو میرا سارا ساز وسامان جل جائے گا۔ اور یہی تاریخ جس میں سے میں پڑھ رہا ہوں یہ بتاتی ہے کہ رات کے وقت اس مکان میں آدمی بھیج کر آگ لگوائی گئی اور دوسرے دن یہ ثابت کیا گیا کہ میری پیشین گوئی صحیح ہے۔

کبھی یہ لکھا گیا کہ حضرت امیر مختارؓ نے جب اپنے لشکر کو بھیجا، مؤرخ پریشان ہے کہ اتنا چھوٹا سا لشکر امیر مختارؓ کا اور اتنی مستحکم حکومت شام میں۔ ایک شہر کا حاکم کوفے کا، اور شام کی اتنی بڑی طاقت سے کیسے ٹکرایا؟ تو تاریخ بتاتی ہے کہ ان کا لشکر بڑے جوش سے لڑا کرتا تھا۔

تو اب مؤرخین بڑے دور کی کوڑی لے کر آئے ہیں اور کہا ہے کہ دراصل امیر مختارؓ نے اپنی فوج کو اس طرح دھوکہ دے کر بے وقوف بنایا تھا کہ وہ اس یقین پہ

لڑتے تھے کہ ہمیں کچھ بھی کرلیں، ہمیں موت تو آنی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ جان کی پرواہ کیے بغیر لڑتے تھے اور نتیجے میں ان کو فتح ہوتی تھی۔

میں یہ عرض کروں کہ یہ میں صرف مؤرخین کے فقرے نقل کررہا ہوں، نتیجہ اس کے بعد آپ کے سامنے آئے گا۔

مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ قاتلانِ امام حسینؑ سے جنگ کرتے ہوئے ایک مرتبہ جنگ ختم ہوئی امیر مختارؓ کی فتح پر، اس کے بعد جب لوگ گرفتار کر کے لائے گئے اور انھیں بھرے دربار میں قتل کیا جانے لگا تو جب آخر میں ایک آدمی تک جلاد پہنچا تو وہ اپنے مقام سے یہ کہتا ہوا کھڑا ہوگیا: میں تو گواہی دیتا ہوں کہ ہم لوگ ہار ہی نہیں سکتے تھے۔ لیکن کیا کریں جب ہمارا لشکر جیت رہا تھا اس وقت ہم نے دیکھا کہ آسمان سے کچھ سوار گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے چلے آرہے ہیں اور وہ آکر امیر مختارؓ کے لشکر کی مدد کررہے ہیں۔ بس! ان سواروں کا آنا تھا کہ ہمارے پاؤں اُکھڑ گئے۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ خارجی، ایک دشمنِ اہلِ بیتؑ کا ایک فریب تھا، جس سے وہ اپنی جان بچانا چاہتا تھا۔

اب انھی کا فقرہ ہے۔ میں ابھی روایات کا تجزیہ، نتیجہ آپ کے سامنے پیش نہیں کررہا ہوں۔

ان کا کہنا ہے کہ امیر مختارؓ نے سنا، اسے اپنی نبوت کا ایک معجزہ مل گیا۔

کہا: اے شخص! کیا تو مسجد کے منبر پر یہ بات کہے گا؟

اس نے کہا: ہاں! کہوں گا۔

امیر مختارؓ نے کہا: چونکہ تو میری نبوت کا زندہ معجزہ ہے اور اپنی آنکھوں سے تو نے فرشتوں کو آتے دیکھا ہے اس لیے میں تیری جان بخش کر تجھے اپنا ساتھی بناتا ہوں۔

تو کہا جاتا ہے کہ اس حد تک امیر مختارؒ نے یہ بات عام کر دی تھی کہ اب لوگوں کو اپنی جان بچانے کا بہانہ یہ مل جایا کرتا تھا۔

امیر مختارؒ کا کام یہ ہوتا تھا کہ ان کی جھوٹی بات، مؤرخ کا جملہ ہے: ان کا جھوٹ سچ ثابت ہو رہا ہے اور اس آدمی کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ جاتی ہوئی جان بچی جا رہی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے، اور ایک عجیب و غریب واقعہ منسوب کر دیا گیا ہے امیر مختارؒ کے بارے میں، فقط اس لیے کہ اگر کبھی بھی آپ سے سوال کرے تو آپ کے پاس کوئی جواب تو ہو۔ میں یہ چیز آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں ورنہ بظاہر اس کے پیش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں محسوس ہو رہا ہے۔

یہ کہا گیا کہ حضرت امیر مختارؒ نے اپنی رسالت کو ثابت کرنے کے لیے تبرک کے طور پر ایک کرسی پیش کی تھی عوام کے سامنے اور اسے تابوتِ سکینہ کہا کرتا تھا۔

تابوتِ سکینہ بنی اسرائیل کی قوم کے پاس ایک صندوق تھا جس میں انبیاؑ کے تبرکات محفوظ رہا کرتے تھے اور جب بھی وہ کسی جنگ میں حصہ لینے جاتے تھے تو یہ صندوق آگے آگے رکھا جاتا تھا۔ اور خیال کیا جاتا تھا اس چیز کی برکت سے ہمیں فتح ہوئی ہے، اس کا تذکرہ خود قرآن کریم کے اندر ہے۔

تو بڑی اہمیت تھی بنی اسرائیل میں اس تابوتِ سکینہ کی۔

اب یہ مؤرخین یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مختارؒ نے اپنے ساتھیوں کو اپنے پاس جمع رکھنے کے لیے، ایسا ہی ایک فریب کھڑا کیا تا کہ اس کے ساتھی اس کے صحیح ہونے پر جمع رہیں۔

یہ میں صرف مؤرخین کی ہفوات اس لیے آپ کے سامنے نقل کر رہا ہوں تا کہ آپ کو اندازہ ہو کہ امیر مختارؒ کی شخصیت بھی کتنی مظلوم ہے۔

اور فقط اس لیے، حکومتوں سے ٹکرانے والے، خلافتوں کا مقابلہ کرنے والے تو بہت پیدا ہوئے، لیکن فقط اس لیے کہ ان کا مقصد اہلِ بیتؑ کا ساتھ دینا تھا۔ اسی وجہ سے یہ روایات انھی کے بارے میں گڑھی گئیں۔ اور کتنے ہی لوگوں نے بغاوتیں کیں حکومت کے خلاف کسی کے بارے میں آپ کو اس قسم کی باتیں نظر نہیں آئیں گی۔ لیکن چونکہ، محبتِ اہلِ بیتؑ میں یہ نکلے تھے اس لیے ساری چیزیں ان کے بارے میں موجود ہیں۔

اور ان روایات کے بارے میں کچھ کہنا ہی لاحاصل ہے جن کو پتہ ہے کہ اگر ایک عام مومنِ اہلِ بیتؑ کا کردار حکومت کو پتہ چل جاتا تھا تو اتنی جھوٹی روایات بنائی گئیں، اس کے کردار کو مسخ کرنے کے لیے کہ کوئی شخص کبھی اس کے پاس نہ جانے پائے۔

جنابِ مختارؓ سے تو سب سے پہلے جلتی تھی حکومت، کیونکہ یہی وہ شخصیت تھی کہ جنھوں نے امام حسینؑ کی مظلومیت کو آشکار کیا۔ جنھوں نے امام حسینؑ کے قاتلوں سے انتقام لیا۔ جنھوں نے اس حکومت کا خاتمہ کیا جو قتلِ حسینؑ کا سبب بنی تھی۔ اور جنھوں نے عوام کے دلوں میں صحیح معنوں میں محبت اہلِ بیتؑ پیدا کردی۔

جنابِ مختارؓ کا ایک بہت بڑا حصّہ ہے اِن معنوں میں کہ جناب مختارؓ کی عادت یہ تھی کہ جب کبھی قاتلانِ امامؑ میں کسی کو گرفتار کرکے لایا جاتا تھا تو جنابِ مختارؓ اس کو سزا نہیں دیتے تھے، بلکہ پہلے اس سے پورا واقعہ سنتے تھے کہ تو نے کربلا میں کیا کیا، اور کیا دیکھا؟

اور وہ ساری باتیں جنابِ مختارؓ مسلمانوں کے مجمع میں سنایا کرتے تھے اور اپنے قاصد سے لکھوایا کرتے تھے۔ تو کربلا کے واقعات کی اکثر روایات وہ ہیں جو اس انداز سے ہم تک پہنچی۔ اور اسی وجہ سے وہ مسلمان بھی جن کو فقط اتنا معلوم تھا کہ

کربلا میں امام حسینؑ کا گھرانہ مارا گیا ہے۔ لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ کتنے ظلم کیے گئے ہیں، کس کس انداز سے ظلم کیے گئے ہیں۔ ان کے دلوں میں امام حسینؑ کی مظلومیت اور بڑھنے لگی جس کی وجہ سے آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

تو وہ ظالم حکومتیں جو آلِ محمدؐ کے ایک ماننے والے کو اگر وہ گھر میں خاموش بھی بیٹھا ہوا سے زندہ نہیں دیکھ سکتی تھیں تو بھلا! وہ جناب مختارؒ کے بارے کیسے حسد کا شکار نہ ہوتی تھیں، جنھوں نے ظالموں کی ساری سازشوں کو طشت از بام کیا، سارے منصوبوں کو ناکام بنایا۔

اور جن کی وجہ سے آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنی جانیں تک قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

تاریخ کے واقعات آپ کے سامنے ہیں۔ آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کا قتلِ عام ہو رہا ہے۔ تو جناب مختارؒ کے بارے میں اگر کوئی جھوٹی روایات بنائی جائیں تو کوئی تعجب نہیں۔

البتہ، بعض اوقات ایسا ہے کہ ہمارے ذخیرۂ احادیث میں بھی، کچھ ایسی روایات مل جاتی ہیں جن میں بظاہر تو جناب مختارؒ کی مذمت منقول ہے۔ یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے، کہ معصومؑ نے کیوں جناب مختارؒ کی مذمت کی؟

لیکن بعض روایات ایسی ہیں جنھیں درحقیقت غلط طریقے سے نقل کیا گیا ہے جس کی بنا پر لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔

پس ــــــ!

ایک روایت سنا کر میں آج کی گفتگو اختتام کو پہنچاؤں۔ مثلاً ایک روایت، جسے کتاب روضۃ الصفاء میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

جناب امیر مختارؒ کے بارے میں ایک الزام بھی عام مؤرخین نے لگایا ہے کہ

انھوں نے امام حسنؑ کے دور میں ان کے ساتھ غداری کی تھی اور امامؑ کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

روایت بتاتی ہے کہ خلافتِ ثانیہ کے دور میں جب ایران فتح ہوا تو جناب مختارؓ کے والد ابوعبیدہ ثقفی کو مدائن کا گورنر بنایا گیا۔ اس کے بعد وہ ایک حادثے کا شکار ہوئے۔ ایک ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچل کر شہید ہوئے، تو جناب مختارؓ کے چچا کو یہ عہدہ دیا گیا۔ جنابِ مختارؓ کے چچا نے ایک طویل عرصے تک مدائن کی گورنری کے عہدے کو سنبھالا۔

تیسری خلافت کے دور میں بھی حضرت امیرالمومنینؑ کے زمانے میں بھی، یہاں تک کہ امام حسنؑ کے زمانے میں بھی۔

اور جب وہ حالات ہوئے تو صلح امام حسنؑ کی وجہ سے امامؑ کے لشکریوں کا ایک حصہ امامؑ کے لشکر سے کٹ کر چلا گیا۔ لوگوں نے امامؑ کے اُوپر اعتراضات کیے، حالتِ نماز میں امامؑ کے نیچے سے مصلیٰ کھینچ لیا گیا۔ اور امامؑ کے بارے میں یہی باتیں کہنا شروع کر دیں کہ انھوں نے اسلام اور صاحبانِ ایمان کو ذلیل کر دیا ہے۔

تو اس وقت، روضۃ الصفاء میں اور دیگر کتابوں میں روایت ہے کہ جنابِ مختارؓ اپنے چچا کے پاس گئے اور کہا: موقع اچھا ہے کیوں نہ ہم حسن ابن علیؑ کو گرفتار کریں اور حاکمِ شام کے ہاتھ ان کو بیچ دیں اور ان کے بدلے میں رقم حاصل کریں؟

جب یہ سنتا تھا تو ان کے چچا ایک دفعہ غیض وغضب میں آگئے۔ کہا: اے دشمنِ خدا اور اے دشمنِ اہلِ بیتؑ! تو مجھے ایک ایسے کام کی نصیحت کرتا ہے، ایسے کام کا مشورہ دیتا ہے، خدا کی قسم! اگر میری گردن بھی کٹ جائے اور جان بھی چلی جائے تو میں ایسے کام کا ارادہ بھی نہیں کر سکتا۔

اور پھر یہ کہا جاتا ہے کہ پھر مختارؓ کے اس ارادے کی خبر لوگوں کو ملی تو وہ مختارؓ

سے بدظن ہو گئے اور اس وقت تک مختارؓ سے بدظن رہے جب تک کہ کوفے میں جناب مسلم ابن عقیلؑ نہ آئے، اور جناب مختارؓ کے گھر مہمان نہ ٹھہرے۔

اب قاضی نوراللہ شوشتری شہید ثالث اپنی کتاب میں کہتے ہیں کہ یہ کتنی بڑی خیانت اور دھوکہ ہے۔ دراصل روایت کچھ اور تھی۔ اس کے بیچ کا ایک پورا حصہ غائب کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ روایت جو جناب مختارؓ کی مدح وتعریف میں تھی وہ جناب مختارؓ کی مذمت میں تبدیل ہو گئی۔

قاضی نوراللہ شوشتری شہید ثالث کہتے ہیں کہ ابتدائی واقعات تو ایسے ہی ہیں لیکن جب وہ دور آیا کہ امام حسنؑ نے صلح کر لی اور لوگوں کی اکثریت امامؑ کو چھوڑ کر چلی گئی تو مختارؓ اپنے محبت اہلِ بیتؑ کے جذبے کی وجہ سے ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ میرا چچا بھی عین وقت پر امامؑ کو چھوڑ کر چلا جائے یا امامؑ کو گرفتار کروا دے۔ لیکن کرے کیا، کیسے دل کا حال پتہ کرے۔

اس زمانے کے انتہائی دانش مند شخص کے پاس جو محبِّ اہلِ بیتؑ تھا، اس کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ میں کس انداز سے اپنے چچا کے دل کا حال معلوم کروں؟

کہا: ایسا کرو کہ کبھی کسی تنہائی کے مقام پر اپنے چچا سے ملاقات کرو اور ان کے سامنے امام حسنؑ کے گرفتار کرنے کی تجویز پیش کرو۔ اگر تمہارے چچا کے دل میں ذرہ برابر بھی یہ خیال ہوگا تو وہ راضی ہو جائیں گے۔ یا کم از کم گفتگو سے پتہ چلے گا کہ وہ راضی ہیں اور اگر وہ دل سے محبِّ اہلِ بیتؑ ہیں تو فوراً منع کر دیں گے اور تمہیں ڈانٹ کر خاموش کر دیں گے۔

چنانچہ جناب مختارؓ نے یہ دیکھنے کے لیے کہ ایسا تو نہیں کہ میرے چچا عین وقت پر امامؑ کو دھوکہ دے دیں۔ چچا سے یہ سوال کیا، اور جب چچا نے اس کا وہ جواب دیا، تو پھر جناب مختارؓ بالکل مطمئن ہو گئے کہ ہاں! میرا چچا ایسا کام نہیں کر سکتا۔

تو دیکھا آپ نے کہ ایک ہی روایت ہے شروع سے لے کر آخر تک لیکن بیچ کے دو جملے نکال دیئے اور وہ روایت جو مختارؒ کی تعریف میں تھی، وہ مختارؒ کی مذمت میں چلی گئی۔

تو ایسا بھی کہا گیا ہے اور ایک دو روایتیں تو ایسی ہیں کہ جن میں واقعاً معصومؑ نے جناب مختارؒ کی مذمت کی لیکن اس کا بھی ایک بہت بڑا فائدہ اور مصلحت ہے، وہ ان شاء اللہ کل میں آپ کو بتاؤں گا۔ اتنا ہی کہہ دینا ہمارے لیے، اور اتنا ہی عقیدہ رکھ لینا، ہمارے لیے کافی ہے کہ آلِ محمدؐ کی عورتیں اور اہلِ بیتؑ کے خاندان کی سیدانیاں اور کربلا سے آنے والی بیبیاں بال کھول کھول کر جناب مختارؒ کو دعا دیا کرتی تھیں، اور بار بار کہتی تھیں کہ کوئی مختارؒ کو بُرا نہ کہے، ہمارے دل کو تکلیف ہوتی ہے اس لیے کہ مختارؒ نے ہمارے شہیدوں کے خون کا انتقام لیا ہے، اور مختارؒ کی وجہ سے اتنے عرصہ کے بعد پہلی مرتبہ ہمارے گھر میں چولہا جلا ہے۔

یہ مسلسل فقرہ چوتھے امامؑ کا جملہ ہے:

"میں اپنی پھوپھی کے پاس گیا تھا تو انھوں نے یہی کہا کہ کوئی مختارؒ کو بُرا نہ کہے۔ مختارؒ تو وہ ہیں کہ جنھوں نے ہمارے شہیدوں کے خون کا انتقام لیا ہے۔ اور جن کی وجہ سے ہمارے گھر کے بجھے ہوئے چولہے روشن ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے سیدانیوں نے اپنے سروں میں تیل ڈالا ہے۔ جن کی وجہ سے چاہے ایک دن کے لیے صحیح زینت کی ہے، کوئی مختارؒ کو بُرا نہ کہے، اس سے زینبؑ کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے"۔

روایت میں یہ بھی ہے کہ جب کربلا میں عصرِ عاشور آئی ہے اور وہ وقت آگیا کہ میرے ساتویں امامؑ کے الفاظ ہیں:

''عصر کے بعد ہمارے گھرانے پر وہ قیامت گزر گئی کہ نہ کوئی
سوچ سکتا ہے، نہ کوئی تصور کرسکتا ہے۔ یہ تو ہم ہی جانتے ہیں
کہ جو کچھ ہم پہ گزرا ہے''۔

ذکرِ مصائب!

دنیا کا سب سے شریف اور معزز گھرانہ کربلا کی جلتی ہوئی ریت پر قیدی بنا کر بٹھا دیا گیا تھا۔ جو اہلِ بیتِ رسولؐ تھے، وہ کربلا میں بے بیت ہو گئے تھے۔
جب کربلا میں عاشور کی سہ پہر آئی، امام حسینؑ کا سر نوکِ نیزہ پر بلند ہو گیا۔ حسینؑ کے لاشے پر گھوڑے دوڑے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ عمر ابن سعد کا حکم ہوا کہ جاؤ خیموں کی جانب اور جو چیز تمہیں نظر آئے اسے لوٹ لو۔
ایک مرتبہ فوج یزید گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے بڑھی اور کیسی لوٹ مار کی ہوگی۔ اسی سے اندازہ کریں جب سکینہؑ کے کانوں سے گوشوارے چھینے گئے اور سید سجادؑ کے نیچے سے بستر کو کھینچ کر نکالا گیا تو کس چیز کو باقی چھوڑا ہوگا۔
روایت میں یہ ہے کہ جب بی بی زینبؑ نے لوٹنے والوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ تو روایت میں ہے کہ اس لوٹنے والے نے شہزادی کے چہرے پر ایک ایسا کوڑا مارا کہ زینبؑ کے چہرے پر اسی کوڑے کا نشان پیدا ہو گیا۔ اور زینبؑ نے اس وقت اپنے کھلے ہوئے بالوں کے ساتھ بددعا دی:

''خدا تجھ پر ایک ایسے ظالم کو مسلط کرے جو تیرے اسی ہاتھ کو
قطع کرے جس سے تو نے فاطمہؑ کی بیٹی اور رسولؐ کی نواسی کے
چہرے پر کوڑا مارا تھا''۔

تو زینبؑ کی دعا کا نتیجہ بھی ہے مختارؓ، اور جس وقت یہ ساری لوٹ مار ہو رہی

تھی، جس وقت اہلِ بیتؑ کے گھرانے پر یہ سارے مصائب آ رہے تھے تو روایت یہ بتاتی ہے۔

ذرا دیکھیں ـــــ!

اہلِ بیتؑ کے یہاں شریعت کی پابندی، کہ ننھے ننھے بچے اور بچیوں کو بھی یہ خیال نہیں تھا کہ ہم کو لوٹا جا رہا ہے۔ ہمیں مارا جا رہا ہے۔ ہمیں کوڑے لگائے جا رہے ہیں۔

ارے ـــــ!

وہاں بھی اگر خیال تھا تو فقط یہ کہ شریعت کی مخالفت نہ ہونے پائے، اور کوئی ایسا کام نہ ہونے پائے کہ جس سے خدا راضی نہیں۔

حمید ابن مسلم کا فقرہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ جب آخری خیمہ جلا اور ساری سیدانیاں روتی ہوئی باہر نکلیں۔ اس وقت میری نگاہ ایک ننھی سی بچی پر پڑی تھی جس کے کُرتے کا دامن جل رہا تھا۔ آگ بڑھتی جا رہی تھی مگر عجیب بچی تھی نہ اس کو کُرتے کی فکر تھی نہ آگ کا خیال تھا۔

بس ـــــ!

بار بار ہاتھ سینے پر مار رہی تھی، کبھی کہتی تھی: ہائے میرے بابا! کہاں ہو؟
کبھی کہتی تھی: ہائے میرے چچا عباسؑ! کہاں ہو؟

میں نے دیکھا کہ بچی کے گال پر طمانچوں کے نشان نظر آ رہے ہیں۔ بچی کے کانوں سے بہتے ہوا خون نظر آ رہا ہے۔ میں آگے بڑھا تا کہ آگ کو بجھاؤں۔ اِدھر قریب آیا اُدھر وہ بچی دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور پورے جلال کے ساتھ کہا: اے آنے والے! میرے جسم کو ہاتھ نہ لگانا، میں فاطمہ زہراؑ کی پوتی سکینہؑ ہوں، نامحرم میرا جسم نہیں چھو سکتا۔

شہزادی سکینہؑ کو آگ کا خیال نہیں، جلتے ہوئے کرتے کا خیال نہیں پردے کا خیال ہے۔

راوی کہتا ہے: میں نے ہاتھ جوڑے، بی بی! میں تو فقط آگ بجھاؤں گا۔

میں نے آگ بجھائی اُدھر شہزادی کہتی ہے: اے شخص! تو بڑا مہربان نظر آتا ہے، ایک مہربانی اور کردے اور مجھے نجف کا پتا بتادے۔

میں نے گھبرا کر پوچھا: شہزادی! آپ نجف کا پتہ معلوم کر کے کیا کریں گی؟

کہا: تجھے نہیں معلوم، ارے نجف میں میرا دادا، کائنات کا مشکل کشاء دفن ہے، میں دادا کی قبر پر جا کر گروں گی اور کہوں گی:

دادا! آپؑ سب کے مشکل کشاء ہیں مگر دادا آپؑ کے حسینؑ کی سکینہؑ کے طمانچے لگتے رہے، کوڑے پڑتے رہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ

مجلسِ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

سورۂ مبارکہ شعراء کی یہ آخری آیت ہے۔ جس میں ہر ظالم کو اس کے ظلم کے نتائج سے ڈرایا گیا ہے اور خلاقِ دو عالم نے یہ بتایا ہے:

"ظلم کرنے والے خواہ کتنا ہی ظلم کیوں نہ کریں، یہ ظالم و جابر حکمران خواہ کتنا ہی تشدد کیوں نہ کریں عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کتنی جلدی نقشہ پلٹتا ہے، کتنی جلد بازی اُلٹتی ہے، کتنی جلد وہ انقلاب آتا ہے کہ جس کے بعد ان کے پاس کہیں سر چھپانے کی جگہ بھی نہ رہے گی"۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

اور وہ ظالم جو کربلا کے میدان میں پورے غرور اور تکبر کے ساتھ اپنے مظالم میں یہ سوچ کر مصروف تھے کہ حاکم ہم سے راضی ہے، حاکم ہم سے خوش ہے، انعام و اکرام ہمارا انتظار کر رہا ہے، جتنی جلد ہم اپنے اس کام کو مکمل کر لیں گے اتنا ہی جلد ہم اپنے انعام کو حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ پورے تکبر کے ساتھ حکومت اور دولت کے نشہ میں چُور ہو کر وہ اپنے مظالم کے سلسلے کو بڑھا رہے تھے، مگر کتنی جلد بازی پلٹی۔

۶۲ ہجری میں اہلِ بیتِ رسالتؐ قید سے رہا ہوئے اور ۶۳ ہجری کے آخر یا ۶۴ ہجری کے شروع میں یزید جہنم واصل ہوا، اور فقط دو سال اور گزرتے ہیں ۶۶ ہجری میں امیر مختارؓ کی حکومت قائم ہونے جارہی ہے۔ جس کے نتیجے اور انجام میں ان تمام ظالموں کو اپنے ظلم کا نتیجہ ملنے والا ہے، انجام ملنے والا ہے۔

کل میں نے عرض کیا تھا، اب اس وقت وہ حکومت جسے خاندانِ یزید نے، جسے یزید نے بچانے کے لیے اپنے خاندان میں بچانے کے لیے، کربلا کے میدان میں فاطمہؑ کے بھرے گھر کو شہید کروا ڈالا تھا۔ فقط دو سال یزید کے خاندان میں رہی اور اس کے بعد یزید کے خاندان سے منتقل ہوکر مروان کے خاندان میں گئی۔ مروان جہنم واصل ہوتا ہے ۶۵ ہجری میں۔ اس کی بیوی اسے قتل کردیتی ہے جو حقیقت میں بیوہ تھی۔ ۶۵ ہجری میں اس کا بیٹا ولید ابن عبدالملک خلافت پر بیٹھتا ہے۔ لیکن مروان ہی کے زمانے میں اسلامی حکومت کے دو حصے ہوگئے تھے۔

مکہ، مدینہ، کربلا، کوفہ، بصرہ یہ سارا علاقہ عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ میں تھا اور کوفے اور بصرے کا حاکم انھوں نے اپنے سگے بھائی مصعب ابن زبیر کو مقرر کیا تھا۔ اور بصرہ کے پاس کا وہ علاقہ ہے شام، اسرائیل، اُردن اور لبنان۔ اس میں خاندانِ بنواُمیہ کی حکومت تھی۔ جس کا حاکم ولید ابن عبدالملک تھا۔

تو اب امیر مختارؓ کوفہ میں رہتے ہیں۔ اس لیے ان کا مقابلہ خاندانِ بنواُمیہ سے ختم ہوگیا۔ اس وقت ان کا ٹکراؤ اس علاقے کے حاکم عبداللہ ابن زبیر سے ہو رہا ہے۔ عبداللہ ابن زبیر کے بھائی کو عراق کا علاقہ ملا ہوا ہے۔ عبداللہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں حجاز کے علاقے کی دیکھ بھال کر رہا ہوں۔ جس میں آج سعودی عرب ہے۔ تم عراق کے علاقے کی دیکھ بھال کرو جس میں کوفہ اور بصرہ ہے۔

کوفہ کا نیا گورنر بھیجا گیا ہے، جس کا نام عبداللہ ابن مطیع ہے۔ اس نئے گورنر

نے پہلی تقریر جو کی تو اس پر احتجاج ہوا اور لوگوں نے ہنگامہ کیا۔ یہاں تک کہ اسے معذرت کرنا پڑی۔ شہر میں آیا، بڑا پریشان کہ آج پہلے دن مجھے اتنی شدید توہین کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے ایاز کو بلایا اور کہا: یہ کیسا دن آپ کا گزرا اور یہ کیسا انتظام تھا؟

ایاز کہتا ہے: حاکم! کیا آپ نے پہچانا، وہ کون آدمی تھا، جس نے یہ ہنگامہ کیا اور آپ کی تقریر کے بعد کھڑے ہو کر تقریر کی؟

کہا: نہیں پہچانا۔

کہا: وہ مختارؓ کا دستِ راست ہے۔ یہ مختارؓ کے آدمی ہیں کہ جنھوں نے آپ کے خلاف یہ ہنگامہ کیا تھا۔ ایک مرتبہ عبداللہ ابن مطیع نے کہا: پھر کیا کیا جائے؟

کہا: آپ ابھی مختارؓ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیں ورنہ بعد میں مختارؓ کا مقابلہ مشکل ہو جائے گا۔

نیا حاکم آتا ہے، لوگوں کے دل پہ زیادہ خوف ہوتا ہے، زیادہ ڈر ہوتا ہے۔

کہا: کیا کیا جائے؟

کہا: دو ایسے آدمیوں کو بھیجئے کہ جو غیر جانب دار ہوں۔ حسین ابن عبداللہ، اور ابن قدامہ۔ ان دو آدمیوں کا انتخاب کیا گیا جو غیر جانب دار تھے۔ یعنی نہ مختارؓ کے ساتھیوں میں انھیں کوئی جانتا ہے، نہ ان کو حکومت کے ساتھ سمجھا جاتا ہے۔ مگر ان میں سے ابن قدامہ کا دل مختارؓ کے ساتھ ہے، ظاہری اعتبار سے خاموش ہیں۔ پہنچے مختارؓ کے پاس اور کہا: حاکم نے تم کو بلایا ہے، ایک مشورہ لینا ہے۔

اب چونکہ مختارؓ کی اور اس گورنر کی پرانی دوستی ہے۔ مختارؓ سمجھے کہ واقعا ایسی ہی بات ہوگی، آج وہ سن بھی چکے ہیں کہ مسجد میں ہنگامہ ہوا ہے، شاید اس سلسلے میں مشورہ لینے کے لیے بلایا ہوگا۔

کہا: میں تیار ہوتا ہوں، آپ انتظار کریں۔

دروازے کے باہر وہ دونوں کھڑے ہیں اور مختارؓ لباس بدل رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ابن قدامہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مختارؓ کو بتا دینا چاہیے کہ اس کا جانا صحیح نہیں ہے۔ اگر مختارؓ چلے گئے تو پھر یہ قید سے نکل نہیں سکیں گے۔

تو اب ابن قدامہ کیا کرے؟ اگر کھل کر کہتے ہیں تو ساتھ میں دوسرا آدمی ہے وہ جا کر حاکم کو بتا دے گا کہ اس نے مختارؓ کو روکا ہے۔ خاموش رہتے ہیں تو مختارؓ کی گرفتاری ہے۔

ایک مرتبہ عربوں کا دستور تھا جیسے ہمارے یہاں لوگ گنگنانے لگتے ہیں۔ کسی کی زبان پر گانے آجاتے ہیں، کوئی نوحے پڑھنے لگتا ہے، جیسی جس کو عادت ہو۔ عربوں کی عام عادت ہے قرآن پڑھنے کی، تو وہ ایک مرتبہ قرآن کی ایک آیت پڑھنے لگے:

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ (سورۂ انفال، آیہ ۳۰)

”کفر کرنے والے تم سے مکر، دھوکا اور فریب کر رہے ہیں۔ وہ تمھیں پکڑ کر یا تو شہر سے نکال دیں گے یا تمھیں قتل کر دیں گے“۔

یہ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہے، یہ آیت بار بار پڑھ رہے ہیں۔

اب یہ جو آیت قرآنی انھوں نے پڑھی بار بار، تو جب مختارؓ کے کان میں جب یہ آیت پہنچی تو مختارؓ بہرحال ہوشیار ہیں، صاحب ذہن ہیں۔ فوراً سمجھ گئے کہ یقیناً اس وقت میرے ساتھ کوئی دھوکا ہو رہا ہے۔ غلام سے کہا: جلدی سے کمبل میرے اُوپر لا کر ڈھانپ دو۔ خود بستر پر لیٹے، غلام نے کمبل ڈالا۔ مختارؓ نے کانپنا شروع کر دیا۔

کہا: ان دونوں کو بلا کر لاؤ۔

وہ دونوں بلائے گئے۔ مختارؓ نے ایک مرتبہ کہا: تم میری حالت دیکھ رہے ہو، مجھے شدید بخار ہے اور میں اس قابل نہیں کہ کھڑا ہو سکوں۔ اس وقت تو مجھے معاف کرو اور میرا عذر جا کر سنا دو۔

ابن قدامہ نے کہا: مختارؓ! میں تمہاری حالت دیکھ رہا ہوں، میں تو کہہ دوں گا مگر حسین ابن عبداللہ میرا ساتھی ہے، اسے بھی سمجھاؤ۔

مختارؓ نے ایک مرتبہ کہا: تو بھی میری حالت دیکھ رہا ہے، آج تو جا کر میرے حق میں گواہی دے، ان شاء اللہ ایک دن آئے گا کہ میری طرف سے تمہیں فائدہ ملے گا۔

حسین ابن عبداللہ بھی راضی ہو گئے۔ دونوں باہر نکلے، باہر آ کر حسین ابن عبداللہ کہنے لگے: شاید تجھے پتہ نہیں کہ مختارؓ کے اس اچانک یکایک بیمار پڑنے کا راز کیا ہے؟ لیکن میں جانتا ہوں کہ مختارؓ کس لیے بیمار پڑے ہیں اور میں اگر چاہوں تو ابھی حاکم سے شکایت لگا کر گرفتار کرا سکتا ہوں۔ لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ بہت جلد اس کوفہ کی حکومت مختارؓ کے ہاتھ میں ہوگی اور جس نے مختارؓ کے ساتھ دھوکہ کیا وہ اس وقت افسوس کر رہا ہوگا، اس لیے میں تو مختارؓ کا ساتھ دیتا ہوں۔

ابن قدامہ نے کہا: یہی خیال میرے دل میں ہے، دونوں نے جا کر ابن مطیع کو اس طرح سمجھایا کہ وہ اس وقت خاموش ہو گیا۔

اب ادھر اس پیغام کے ملنے سے مختارؓ گھبرا گئے کہ یہ ابن مطیع کے آثار خطرناک ہیں۔ ابھی خاموشی ہے، دو دن بعد بولے گا، چار دن بعد بولے، جو کام کرنا ہے فوراً کر لیا جائے۔

اپنے ساتھیوں کو جمع کیا، کہا: اب تک جو ہمارے کام کا طریقہ ہے اس میں

ہم کامیاب تو ہیں لیکن بہت آہستہ آہستہ کام ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا طریقہ بتاؤ کہ کام تیزی کے ساتھ ہو۔

انھوں نے کہا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی ایسے طاقتور ترین آدمی کو اپنے ساتھ ملا لیں جس کی وجہ سے ایک بڑا قبیلہ آپ کے ہاتھ میں آجائے۔ تو پھر آپ کا کام زیادہ آسانی سے ہوگا۔

کہا: ایسا کوئی آدمی تمھیں نظر آرہا ہے؟

کہا: ہاں مالک اشترؒ کا بیٹا ابراہیمؒ ہے۔ ابراہیمؒ کو آپ اپنے ساتھ ملا لیں، اس کے بعد آپ کا کام ہو جائے گا۔

تو اب تاریخوں میں لکھا ہے کہ مختارؒ نے جتنے آدمی اپنے ساتھ بلائے تھے کبھی کسی کے گھر نہیں گئے۔ اس کو بلا کر معاملہ سمجھاتے، سمجھ میں آجاتا تو ٹھیک ہے ورنہ رخصت دیتے تھے۔ لیکن ابراہیمؒ ابن مالک اشترؒ کا اتنا اثر تھا، اتنا بڑا مقام تھا، اتنا بڑا مرتبہ تھا کہ مختارؒ سمجھ گئے کہ میں اگر ان کو بلاؤں گا تو نہ یہ آئیں گے اور نہ ہی ان کی عزت باقی رہے گی، خود ہی چلنا چاہیے۔

یہ پہنچے ابراہیمؒ کے مقام پر اور کہا: ابراہیمؒ! تو پہلا شخص ہے جس کے مکان پر میں خود آیا ہوں۔

ادھر ابراہیمؒ کے دل میں پہلے ہی قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینے کا جذبہ تھا۔ شاید میں نے بیان کیا تھا کہ مالکِ اشترؒ کے خاندان نے قسم کھائی تھی کہ اس تذلیل اور توہین کا بدلہ لیں گے جو آلِ رسولؐ کو شام میں دیکھنا پڑی تھی۔

اس لیے کہ تاریخ یہ بتاتی ہے جب اہلِ بیت رسالت کا لٹا ہوا قافلہ شام داخل ہوا تو جہاں سب خوشی منا رہے تھے، عید منا رہے تھے، جشن منا رہے تھے، نئے کپڑے پہنے تھے، وہاں تھوڑے بہت آلِ محمدؐ کے ماننے والے بھی موجود تھے جن

کے دلوں پر قیامت گزر رہی تھی۔

ہر ایک کے گھر میں یہ کیفیت تھی کہ اس کے گھر سے کسی کا جنازہ نکل کر گیا ہو۔ شوہر ہے تو وہ چپکے چپکے آنسو بہا رہا ہے، بیوی ہے تو وہ دم بخود چپکے چپکے آنسو بہا رہی ہے۔ ننھے ننھے بچے حیران اور پریشان ہیں کہ آج پورے شہر میں عید منائی جارہی ہے، ہمارے ماں باپ کیوں رو رہے ہیں؟

ننھے ننھے بچے یہ منظر دیکھ کر آئے کہ محلے کے ہر گھر میں عید کی وجہ سے عمدہ عمدہ کھانے پکائے جارہے ہیں۔ لیکن ہمارے گھروں میں عمدہ کھانے تو دُور کی بات، عام کھانا بھی نہیں مل رہا۔ چولہا خاموش ہے اور ہماری ماں اور باپ بیٹھ کر رو رہے ہیں۔

کسی بچے نے اگر سوال بھی کرلیا کہ دوپہر کا وقت ہوگیا ہے، بھوک لگ رہی ہے۔ کھانا دے دیجیے۔ تو ماں نے کہا: بیٹا! کیسی بات کرتا ہے، فاطمہؑ اور حسینؑ کے بچے پتا نہیں کتنے دن سے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ پتا نہیں ان شہزادوں کو غذا ملی ہے، نہیں ملی ہے، میں تمہیں کیسے کھانا دوں؟

تو اس دن عجیب سی کیفیت تھی آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کے گھروں میں۔

اور خود ہی آپ بھی سمجھ لیں ـــــ!

اگر ہمارا گھر بھی اسی دن شام میں ہوتا تو ہمیں یہ اطلاعات ہوتیں تو ہماری کیا کیفیت ہوتی؟ تو اب انہی لوگوں میں ایک فرحہ بھی تھی۔ محلے کی عورتیں آئیں، حیران ہوکر کہا: فرحہ! آج تم رو رہی ہو؟ جبکہ ہم سب تو تیار ہوکے بیٹھے ہیں۔ ہم نے نیا لباس پہنا ہے۔ ہم نے بالوں میں تیل ڈالا ہے۔ ہم نے آج خوشی منائی ہے اور تم چپکے چپکے رو رہی ہو، نہ لباس بدلا، نہ بالوں میں تیل ڈالا؟

کہا: ہاں! آج مجھے میرے وارث کے مرنے کی اطلاع ملی ہے۔

ایک مرتبہ ساری عورتیں مذاق اڑاتی ہوئی گئیں۔ فقط آج کا ہی دن رہ گیا تھا، تیرے لیے رونے اور ماتم کے لیے جبکہ حاکم نے آج عید منانے کا اعلان کیا ہے۔ اور جب اہلِ بیتؑ کا لُٹا ہوا قافلہ داخل ہوا بازارِ شام میں جہاں فرحہ کا مکان تھا تو اب اسے مکان کی چھت پر آنا تو پڑا۔ چونکہ حاکم کا حکم تھا ورنہ ماری جاتی۔ ایک مرتبہ اس کی نگاہ جیسے ہی پہلے اُونٹ پر پڑی تو اس کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ جب یہ دیکھا کہ پہلے ہی اُونٹ پر سید سجادؑ قیدیوں والا نیلا کُرتہ پہنے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میرے مولاؑ کا سر جھکا ہوا ہے، نگاہیں زمین پر ہیں۔

سید سجادؑ سر اُٹھائیں بھی تو کیسے اُٹھائیں؟ پیچھے زینبؑ و اُم کلثومؑ جو بے پردہ چلی آرہی ہیں۔ نگاہیں زمین پر ہیں۔ رسیوں سے ہاتھوں کو باندھا گیا ہے۔ اپنے امامؑ کو قیدیوں والا کُرتہ دیکھ کر اور ان کے ہاتھوں میں رسّی دیکھ کر فرحہ کے دل پر قیامت گزر گئی، کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

پرانے زمانے کی تنگ گلیاں اور چھوٹے مکانات تھے۔ اُونٹ قریب سے گزرا۔

بس ــــــ!

ایک مرتبہ فرحہ نے چپکے سے کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ

ایک مرتبہ سید سجادؑ نے سر جھکاتے ہوئے سلام کا جواب دیا:

وَعَلَيْكِ السَّلَامُ يَا اُمَّةَ اللّٰهِ

''اے اللہ کی بندی! تجھ پر بھی میرا سلام ہو''۔

کہا: مولاؑ! شاید آپ نے نہیں پہچانا، میں مالکِ اشترؓ کی بیٹی فرحہ ہوں۔ اور مولاؑ! میں قسم کھاتی ہوں کہ اس توہین و تذلیل کا انتقام لوں گی۔

تو مالک اشترؒ کے گھرانے نے قسم کھائی تھی، شام کے بازار میں جس حالت میں سید سجادؑ اور بیبیوں کو دیکھا۔ اس کے بعد پہلے سے یہ لوگ بے چین تھے۔ ابراہیمؒ کو جناب مختارؒ کے آنے کی خبر ہوئی۔ استقبال کیا مگر صحیح گھرانہ تھا، عقیدہ صحیح تھا، آلِ محمدؐ کے پکے مومن تھے، جبکہ یہ یقین نہ ہو جاتا کہ امام معصومؑ کی تائید ان کو حاصل ہے، اس وقت تک یہ خاندان کوئی قدم اٹھانے والا بھی نہ تھا۔

تو جس وقت یہ کہا مختارؒ نے کہ ہم قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینا چاہتے ہیں ہمارا ساتھ دو۔ ابراہیمؒ نے کہا: پہلے میں اپنے امامؑ سے پوچھوں گا۔ اگر ان کی تائید تمہارے ساتھ ہے تو میں تمہارا ساتھ دوں گا۔

کہا: محمد ابن حنفیہؒ سے اجازت مل چکی ہے۔

ابراہیمؒ نے کہا: کون اجازت لے کر آیا؟

مختارؒ نے دس آدمیوں کو کھڑا کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد ابن حنفیہؒ نے واقعاً یہ تصدیق کی ہے اور کہا کہ اگر ایک حبشی غلام بھی ہمارے شہیدوں کے خون کا انتقام لینا چاہے تو تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی مدد کریں۔ یہ مختارؒ ہے، ہمارا شیعہ، ہمارا محب۔

ابراہیمؒ نے کہا: اچھا! مجھے چند دن سوچنے کی مہلت دو۔

یہ سوچنے کی مہلت نہ تھی بلکہ پچاس آدمی اپنے قبیلے کے مدینے بھیجے۔ محمد ابن حنفیہؒ سے ملاقات ہوئی ان لوگوں کی، محمد ابن حنفیہؒ نے تصدیق کی۔

کہا: مولا! کتنا ہی اچھا ہو کہ خود امامِ وقتؑ بھی ہم سے ملاقات کر کے ہم کو اطمینان دلائیں۔

محمد ابن حنفیہؒ ان سب کو امام سجادؑ کے پاس لے کر پہنچے اور کہا: اے میرے بھتیجے! یہ لوگ ہمارے گھر والوں کے خون کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ مگر پہلے آپؑ کی

تصدیق چاہتے ہیں۔

سید سجادؑ نے جب تصدیق کی تو ایک مرتبہ یہ لوگ واپس آئے۔ مختارؓ کو اطلاع ملی کہ پچاس آدمی گئے ہوئے ہیں اور انھی کے جواب پر ابراہیمؒ کی مدد کا دارومدار ہے۔

اب یہاں تاریخ میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ جب یہ لوگ واپس آرہے تھے تو مختارؓ نے اپنے غلام سے کہ جس کا نام خیر تھا، یہ کہا: اگر تم یہ خوش خبری لے کر میرے پاس آؤ کہ یہ لوگ مدینے سے اچھی خبر لے کر آئے ہیں تو میں تجھے فوراً آزاد کروں گا۔

غلام تیزی سے بھاگا، یہ لوگ کوفے سے بیس یا پچیس میل دُور قادسیہ کے مقام پر تھے، یہ دوڑتا ہوا وہاں تک پہنچا۔ ان سے پوچھا: بتاؤ تو سہی کہ کیا بات ہے؟ کیا جواب ملا؟

انھوں نے کہا: سید سجادؑ نے امیر مختارؓ کی حمایت کی ہے۔

بس ___!

غلام اسی تیزی سے واپس آیا اور مختارؓ سے کہا: آقا! مبارک ہو، مولاؑ کی جانب سے آپ کی تائید کا فرمان آگیا۔

مختارؓ نے خوشی سے شکر کا سجدہ کیا اور کہا: جا تو آزاد ہے۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نہیں معاملہ ایسا نہ تھا۔ یہ پچاس آدمی گئے اور واپس آئے۔ ابراہیمؒ کو انھوں نے تصدیق کردی لیکن ابراہیمؒ ابھی خاموش ہیں اور اپنا منصوبہ بتا رہے ہیں۔

مختارؓ کو اطلاع ملی کہ یہ لوگ واپس بھی آگئے پھر بھی ابراہیمؒ نے مجھ سے ملاقات کی۔ یہ سمجھے کہ شاید ان کو نفی میں جواب ملا ہے، اس لیے بڑے مایوس ہوئے۔

ایک دن ان کے محلے سے گزر رہے تھے، سوال کیا: تم مدینے سے ہو کر آئے ہو، سید سجادؑ نے انکار تو کر دیا ہے مگر بتاؤ تو سہی کہ کیا کہہ کر انھوں نے تمھیں منع کیا؟

انھوں نے حیران ہو کر کہا: مختارؓ کیسی بات کرتے ہو، میرے مولاؑ اور ہمارے امامؑ نے تو تمھاری توثیق اور تائید کی ہے اور کہا ہے: تمھاری مدد کرنا واجب ہے۔

بے اختیار خوشی سے اُچھل پڑے مختارؓ۔ سجدۂ شکر ادا کر کے ابراہیمؒ کے پاس گئے۔ ابراہیمؒ کو بلایا اور اس کے بعد ایک تاریخ مقرر کی کہ جس سے کوفہ کے اندر حسینؑ کے انتقام کا پہلا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

اور اس کے سارے واقعات میں نے شب بیس محرم کی مجلس میں بیان کیے۔

اتفاق سے ایک دن واقعہ پیش آیا اور اس کے نتیجے میں عبداللہ ابن مطیع اپنے محل میں گھر گیا۔ مختارؓ کی حکومت قائم ہو گئی۔

وہ سارے واقعات، ابراہیمؒ اور مختارؓ مل گئے، روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔

کوتوال شہر نے ایک مرتبہ عبداللہ سے کہا: ان ملاقاتوں کو روکنا چاہیے۔

چودہ ربیع الاول کی تاریخ طے پائی جہاد کرنے کی۔ تیرہ تاریخ کو آخری مشورے کے لیے جا رہے تھے ابراہیم مختارؓ کے پاس کہ کوتوال نے روکا۔

انھوں نے جواب دیا۔ پھر جو جنگ شروع ہوئی تو کوفے کے تمام محلوں میں پھیل گئی۔ اور جب اگلی صبح آئی تو کوفے پر مختارؓ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اور مختارؓ نے حاکم بنتے ہی دارالامارہ کا گھیراؤ کر لیا جہاں عبداللہ ابن مطیع قید تھے۔

عبداللہ نے ایک خط مختارؓ کو بھیجا جس میں اپنے پرانے احسان کے بدلے کا ذکر کر کے رہائی کی درخواست کی۔

مختارؓ نے ایک مرتبہ کہا: میں تمھارا احسان مانتا تھا، مگر تم نے تذکرہ کر کے اپنا احسان ختم کر دیا۔ میں تمھیں رہا کر کے معاملہ برابر کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر چپکے سے پچھلے دروازے سے عبداللہ ابن مطیع کو نکالا، قاضی شریح نے اس کو پناہ دی اور وہاں سے وہ سیدھا بصرہ چلا گیا۔ اگلے دن ابراہیمؒ کو پتہ چلا، مختارؓ کے ساتھیوں کو پتہ چلا، ایک مرتبہ کہا: افسوس! آپ نے کیسی غلطی کی۔ یہ ایک بہت ہی ناشکرا اور احسان فراموش شخص ہے۔ یہ ہمارے لیے بڑی مصیبتیں پیدا کرے گا۔

مختارؓ نے کہا: کیا کرتا، اس کا مجھ پر احسان تھا اور اس نے مجھ سے ایک درخواست کی تھی۔ ایک خواہش کی تھی۔ اگر وہ قاتلانِ حسینؑ سے ہوتا تو خدا کی قسم! میں کبھی اسے نہ چھوڑتا۔ مگر اب اس نے نہ ہمارے کسی آدمی کو مارا ہے۔ نہ قتلِ حسینؑ میں اس کا کوئی حصّہ ہے اس لیے مَیں نے اسے چھوڑا۔

مختارؓ کی حکومت قائم ہوگئی اور اب مختارؓ کے جہاد کا آغاز ہونے والا ہے۔ لیکن روایت میں یہ ہے کہ مختارؓ نے پہلے جہاد کا آغاز نہیں کیا، پہلا کام مختارؓ نے یہ کیا کہ بنوہاشم کے سادات کے جو غریب لوگ تھے ان کی طرف توجہ دی اور اتنی کثرت کے ساتھ سادات کا حق کوفہ کے خزانے سے ان کی خدمت میں بھجوایا۔

ہمارا پانچواں امامؑ کہتا ہے:

> "مختارؓ کو بُرا نہ کہو، اس نے ہمارے ٹوٹے ہوئے مکانات بنوائے، اس نے ہماری بیٹیوں کی شادی کروائی۔ خدا کی قسم! میری ماں کا مہر اسی پیسے میں سے دیا گیا جو مختارؓ نے میرے بابا کو بھجوایا تھا"۔

اور یہ وہ مختارؓ تھے کہ جب کبھی کہیں سے ان کے پاس کوئی پیسہ آتا، کوئی خزانہ جمع ہوتا تو سب سے پہلے سید سجادؑ کا حصّہ نکال کر امامؑ کی خدمت میں بھجواتے، جسے ہم فقہ میں خمس کہتے ہیں۔

یہ بھی تاریخوں میں درج ہے بلکہ خود میرے چوتھے امامؑ کی روایت ہے کہ

ایک رات کو میں سویا، تو میں نے خواب میں دیکھا، جیسے میں جنت میں ہوں۔

اب امامؑ کا خواب ہے، خود امامؑ خواب دیکھ رہے ہیں: میں جنت میں ہوں اور جہاں رسولؐ خدا بھی ہیں، جہاں میرے دادا علی مرتضیٰ بھی ہیں، جہاں دادی فاطمہ زہراؑ بھی ہیں، جہاں میرے چچا حسن مجتبیٰؑ بھی ہیں، جہاں میرے بابا حسینؑ شہید کربلا بھی ہیں۔

یہ پنجتن جنت میں جمع ہیں اور جنت کی حوروں میں سے ایک حور جس کا نام حورہ تھا، اس کو بلا کر میرے جد پیغمبرؐ اسلام نے میرا نکاح جنت میں اسی حور سے کیا اور اسی رات کو رخصتی ہو گئی اور جب صبح کا وقت ہوا تو سدرۃ المنتہیٰ کے قریب، یہ معراج کی وہ جگہ ہے جہاں جبرائیلؑ یہاں رُک گئے تھے۔

"اے اللہ کے رسولؐ! ایک قدم بھی اگر یہاں سے آگے بڑھوں
اور تو میرے پَر جل جائیں گے"۔

اسی سدرۃ المنتہیٰ پر مَیں نے غسل کیا اور غسل کرنے کے بعد ابھی میں واپس آیا ہی تھا کہ ایک مرتبہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ دروازے پر کوئی دستک دے رہا ہے۔ اس شور سے میری آنکھ کھلی ہے، ایک مرتبہ میں چلا، دروازہ کھولا، میں نے دیکھا کہ تاریک اور اندھیری رات ہے، اس میں ایک آدمی کھڑا ہے، اور اس آدمی کے ساتھ ایک برقعہ پوش عورت ہے جس نے اس کی آستین کو پکڑ رکھا ہے۔ اس آدمی کو میں نے دیکھا، ایک مرتبہ سوال کیا، تو کون ہے جو آدھی رات کو یہاں پر آیا ہے؟

کہا: مجھے چوتھے امامؑ سے ملنا ہے۔

میں نے کہا: میرا ہی نام زین العابدینؑ ہے۔

کہا: مجھے مختارؓ نے بھیجا ہے اور میرے ساتھ اس عورت کو بھیجا ہے اور یہ خط بھیجا ہے۔

خط کھولا، اس خط میں مختارؓ نے لکھا تھا:

''مولا! یہ ایک ایسی مخدرہ ہے، یہ ایک قابلِ احترام خاتون ایک جنگ کے نتیجے میں آئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ فقط آپ ہی کا حق ہے۔ میں چھ سو دینار ان کو دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اور میرا غلام چھ سو دینار آپ کے لیے لے کر آرہا ہے۔ یہ آپ کا حق ہے جو میں بھجوا رہا ہوں۔

میرا چوتھا امامؑ کہتا ہے: میں نے اس آدمی کو رخصت کیا اور اس خاتون کو لے کر گھر کے اندر آیا۔ جب گھر کے اندر ان کو لے کر آیا تو میں نے ان سے سوال کیا: تمھارا نام کیا ہے؟

اس نے کہا: میرا نام حورہ ہے۔ وہ رات کا خواب جو میں نے دیکھا تھا اور اس وقت مختارؓ کی بھیجی ہوئی یہ خاتون، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کنیز تھیں، یہ جو آئیں تو ایک مرتبہ روایت بھی ہے۔

اب روایت کا ایک فقرہ اور ہے جو رہ گیا ہے، امامؑ کہتے ہیں کہ جس وقت میرا نکاح ہوا تھا، اس وقت میرے جد پیغمبرؐ اسلام نے کہا تھا: تمھیں مبارک ہو، اس عورت سے خدا تمھیں ایک ایسا بیٹا عطا کرے گا جس کا نام زید ہوگا۔ جو شجاعت اور بہادری میں بے مثل اور لاجواب ہوگا۔

تو اب جس وقت میں نے سنا کہ ان کا نام حورہ ہے، میں سمجھ گیا کہ میرے جد پیغمبرؐ اسلام کا ہدیہ ہے اور پھر حقیقت میں یہ وہی خاتون تھیں جن کے یہاں جناب زیدؓ کی ولادت ہوئی تھی۔

ابو حمزہ ثمالیؒ نقل کرتے ہیں: ایک دن میں جناب سید سجادؑ کے پاس پہنچا وہاں پہ میں نے دیکھا، ایک دس سال کا بچہ امامؑ کی گود میں بیٹھا ہے۔ ایک مرتبہ کسی کام سے وہ بچہ اُٹھ کر جانے لگا، تو دروازے کے قریب ایک چوکھٹ تھی اس کے ساتھ اس کا

پیر ٹکرایا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کی پیشانی پھٹ گئی اور خون نکل آیا۔

میرا امامؑ آگے بڑھا، بے اختیار اس کو اُٹھا کر گود میں بٹھایا۔ اس کی پیشانی سے خون صاف کرتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں: بیٹا! جب تجھے لوگ سولی پر لٹکائیں گے۔

میں نے پوچھا: مولا! یہ آپ کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟

کہا: ابوحمزہؓ! تم اس دن زندہ ہو گے جب تم دیکھو گے کہ میرے بیٹے کو فقط اس لیے کہ یہ میرے بابا کے قاتلوں سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ اس جرم میں لوگ اسے گرفتار کریں گے، پھر اس کی گردن اڑائی جائے گی۔ اسے دفن کیا جائے گا۔ دفن کرنے کے بعد اس کی قبر کو کھودا جائے گا۔ قبر کھود کر اس کو نکالا جائے گا۔ نکالنے کے بعد اسے سولی پر لٹکایا جائے گا۔

ابوحمزہؓ کہتے ہیں: اتنے عرصہ تک ان کو سولی پر لٹکائے رکھا کہ ان کے سر پر چڑیوں نے گھونسلا بنا لیا۔ اور اس کے بعد تم دیکھو گے کہ اس کے لاشے کو اُتار کر آگ میں جلایا جائے گا اور اس کے بعد اس کی راکھ کو اُڑایا جائے گا اور اس کی ہڈیوں کو پانی میں ڈالا جائے گا۔

ابوحمزہ کہتے ہیں: یہ سارے کے سارے مشاہدات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

تو یہ زید شہید، ان کا بڑا بلند مقام ہے۔

تو غرض یہ ــــــ!

مختارؒ نے یہ دستور بنا لیا تھا کہ جو قیمتی چیز آتی ہے۔ جو اچھی چیز آتی ہے۔ سید سجادؑ کا حصّہ پہلے بھیجا جاتا ہے۔ تو اب مختارؒ کی حکومت قائم ہو گئی۔ اتنے میں مختارؒ کو اطلاع ملی کہ کوفے کے ایک شخص کے پاس ایک کرسی ہے۔ یہ وہ کرسی ہے جو مسجد کوفہ

میں رکھ کر میرا مولاؑ اس پر بیٹھتا تھا اور مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ اب اس کرسی کو دشمنانِ اہلِ بیتؑ نے عجیب وغریب روایات بیان کر کے بدنام کیا ہے۔

اطلاع ملی کہ امیرالمومنینؑ کے بھانجے جو ہیں جناب اُم ہانیؑ کے بیٹے۔ ان کے پاس ایک کرسی ہے امیرالمومنینؑ کی، مختارؓ کو اطلاع ملی۔ ایک مرتبہ بڑے عزت اور احترام کے ساتھ اس کرسی کو منگوایا۔ منہ مانگی قیمت دے کر اس کو خریدا اور دربار میں ایک بلند مقام پر اس کو رکھ دیا۔ وہ لوگ کہ جنھیں قبرِ رسولؐ بھی ناپسند ہے۔ وہ کرسی کی عزت کو برداشت نہ کر سکے اور جھوٹی روایات بنائی گئیں۔

فقط یہ بات تھی کہ کرسی لی مختارؓ نے برکت کے لیے۔ اور ہر جنگ میں اس کو ساتھ لے کر جاتے تھے۔ جب جنگوں کی کثرت ہوئی تو مختارؓ نے ایک صندوق بنوایا۔ صندوق میں اس کرسی کو بند کر کے، اب ہر جنگ میں اس صندوق کو بھیجا جاتا ہے۔

تو خیر ــــــ!

اب مختارؓ کی حکومت قائم ہو گئی۔ مختارؓ نے چوتھے امامؑ کا حق دیا۔ اس کے بعد مختارؓ قاتلانِ امامؑ سے انتقام لینے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اتنے میں اطلاع ملی کہ عبداللہ ابن مطیع جو کوفے کا پرانا گورنر ہے وہ بصرہ گیا، وہاں عبداللہ ابن زبیر کا بھائی مصعب ابن زبیر تھا اس سے جا کر کہا: مختارؓ تو بڑا خطرہ بن گیا ہے۔ اس کو کسی طرح ختم کرنا چاہیے۔

مصعب نے پندرہ ہزار کی فوج دی۔ عبداللہ ابن مطیع کو اور کہا: تم جا کر مختارؓ کا مقابلہ کرو اور پیچھے میں آ رہا ہوں۔

مختارؓ کو اطلاع ملی تو ابراہیمؒ ابن مالکِ اشتر کو چھوٹی سی فوج دے کر بھیجا کہ تم جا کر اس کو روکو اور اگر حالات بگڑ جائیں تو مجھے بتانا۔ میں تمھارے پیچھے آ رہا ہوں۔

تو اب روایت میں یہ ہے کہ نہروان کے مقام پر بھی جہاں میرے مولاؑ نے

تیسری جنگ لڑی تھی وہاں پر دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ ابراہیم ابن مالک اشترؓ نے تن تنہا ایسی تلوار چلائی کہ آٹھ ہزار آدمی عبداللہ ابن مطیع کے مارے گئے اور دیکھا ابراہیمؓ نے کہ یہ جنگ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ علمدار کو نہ گرایا جائے۔

ایک دفعہ فوجوں کو کاٹتے ہوئے لشکر کے علمدار تک پہنچے۔ لشکر کے علمدار کو قتل کر کے جھنڈے کو توڑ کر پھینکا، یہ دیکھ کر ابن مطیع کا لشکر بھاگا، راستے میں دریا تھا۔ دریا پار کر کے دوسری طرف گئے اور دریا کا پل توڑ دیا۔

اب روایت یہ ہے کہ جب لشکر دوسری طرف پہنچا تو ایک مرتبہ ابن مطیع نے کہا: گنو تو سہی کتنے آدمی بچے ہیں؟ دیکھا کہ چھے ہزار آدمی۔ حیران ہو گیا کہ نو ہزار آدمی مارے گئے؟ ایک مرتبہ حیران ہو کر کہا: علی ابن ابی طالبؑ تو موجود نہیں تھے پھر اتنے سارے آدمی کیسے مارے گئے؟

کہا: علیؑ تو نہیں تو کیا ہوا، علیؑ کے شاگرد مالک اشترؓ کے بیٹے ابراہیمؓ تو ہیں، اور یہ انھی کی تلوار کا کمال ہے، جب شاگرد ایسے ہوں تو آقا کیسے ہوا کریں گے۔

اب ابراہیمؓ نے عبداللہ ابن مطیع کو یہاں سے فرار اختیار کروایا اور اس کے بعد ابراہیمؓ اسی مقام پر ٹھہر گئے۔ کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ مصعب ابن زبیر کہہ چکا ہے کہ تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔

اب یہ کوفہ کی مین لائن ہے، یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں ابراہیمؓ تاکہ آگے نہ بڑھنے دیں۔ ایک رات کو اپنے لشکر کا جائزہ لے رہے تھے تو دیکھا کہ رات کی تاریکی میں ایک آدمی کھڑا ہے، ایک عجیب و غریب ٹوپی پہنے ہوئے ہے۔ ہاتھ میں لکڑی کا عصا ہے، گلے کے اندر صلیب لٹک رہی ہے۔

ابراہیمؓ نے ساتھیوں سے کہا: یہ کوئی مشکوک آدمی نظر آتا ہے، اس کو گھیر لو اور

بھاگنے نہ دو۔ ایک مرتبہ یہ لوگ دوڑ کر آگے بڑھے، چاروں طرف سے اسے گھیر لیا۔ ابراہیمؓ اس کے پاس پہنچے، اس سے سوال شروع کیے، وہ بالکل خاموش، کسی سوال کا جواب نہیں دیتا۔

ابراہیمؓ نے کہا: کیا گونگا ہو گیا ہے؟

جب یہ ابراہیمؓ نے کہا تو اب اس نے بولنا شروع کیا۔ مگر رومی زبان بول رہا تھا۔ ابراہیمؓ نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا، کہا: تم میں سے کوئی رومی زبان جانتا ہے؟

ایک صحابی نے کہا: میں جانتا ہوں۔

ابراہیمؓ نے کہا: اس سے بات کرو کہ یہ ہے کون؟

اس نے کہا: میں ایک عیسائی ہوں، اس علاقے میں بصرہ میں آیا ہوا تھا۔ وہاں مصعب ابن زبیر نے اعلان کرا دیا کہ اب کوئی بصرہ والا شہر سے باہر نہیں جا سکتا۔ میں ایک اجنبی آدمی ہوں، روم سے بصرہ آیا تھا سیر کے لیے۔ اس نے اعلان کرا دیا، ساری کشتیاں توڑ دیں، اس نے بندرگاہ پہ پہرا لگا دیا اور لوگوں کو زبردستی فوج کے ساتھ بھیجنے لگا۔ مجھے بھی ابن مطیع کی فوج کے ساتھ بھیجا، جبکہ میں بالکل اجنبی ہوں۔

ایک مرتبہ ابراہیمؓ یہ بات سنتے ہیں اور اپنے صحابی سے کہتے ہیں کہ اس سے کہہ دے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ سچ سچ بتائے ورنہ میری تلوار اس کی گردن اُڑا دے گی۔

اب وہ رومی آدمی کہتا ہے: پہلے اتنا بتا کہ مختارؓ کون ہے، پھر میں تجھے تیرے سوال کا جواب دوں گا۔

کہا: مختارؓ ہمارا حاکم ہے۔

پوچھا: یہ کون ہے؟

کہا: یہ ایک بہت نیک آدمی ہے اور یہ حق کا پیغام عام کرتا ہے، لوگوں کو برائیوں سے روکتا ہے۔

پوچھا: مختارؓ کا امام کون ہے؟

کہا: جو ہمارا امامؑ ہے۔

پوچھا: تمہارا امام کون ہے؟

کہا: ہمارے امام کا نام علی زین العابدینؑ ہے۔

پھر پوچھا: ایک بات اور بتا: تمہارا اور مختارؓ اور مصعب کا جھگڑا کیا ہے؟

کہا: ہمارے امامؑ کے جو بابا تھے ان کو کربلا میں بے گناہ ان لوگوں نے شہید کیا، ان کے گھر کی عورتوں کو اسیر کر کے بازاروں اور درباروں میں گھمایا۔ مختارؓ وہ انتقام لینا چاہتے ہیں۔

بس ـــــ!

ایک مرتبہ وہ رومی شخص کہتا ہے: بالکل ٹھیک کہا تم نے، سنو! میں ایک عیسائی عالم ہوں۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ آخری زمانے میں ایک نبیؐ پیدا ہوگا جو اپنی اُمت کو یہ یہ احکام بتائے گا اور اس کے بعد اس کی اُمت اس کی زندگی میں تو اس کی بات مانے گی۔ اس کا اہم ترین حکم یہ ہوگا کہ میرے اہلِ بیتؑ کا حق ادا کرتے رہنا، مگر اس کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کی اُمت اس کی اہلِ بیتؑ پر مظالم ڈھائے گی۔ یہاں تک کہ اس کا ایک نواسہ کربلا کے میدان میں بھوکا اور پیاسا شہید کیا جائے گا اور اس کی نواسیاں دربدر درباروں اور بازاروں میں پھرائی جائیں گی۔ اس کے بعد مختارؓ نام کا ایک آدمی آئے گا جو اس کے نواسے کے قاتلوں کو اپنے ہاتھ سے جہنم واصل کرے گا۔ تم نے جو کچھ بتایا یہ صحیح ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه

وَعَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰه وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ اَبْنَاءَ رَسُوْلِ اللّٰه

اور دیکھو___!

حقیقت میں میں ایک جاسوس تھا۔ مجھے عبداللہ ابن مطیع نے تمہارے لشکر کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا تھا۔ اب مجھے حقیقت معلوم ہوئی۔

اب ابراہیمؓ نے کہا: اب اس سے کہو کہ اب یہ آزاد ہے۔

●......●......●

مجلسِ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

قرآن کریم کی اس آیۂ مبارکہ کی روشنی میں، جس میں ظلم کرنے والے ظالموں کو ظلم کے انجام سے خبردار کیا ہے۔ کل ہماری گفتگو اس موضوع پر ہوئی تھی کہ ظالم خواہ کسی بھی قسم کا ظالم ہو، اپنی ذات میں ظلم کرنے والا اپنے خاندان اور معاشرے پر ظلم کرنے والا۔

ایک ایسا دن آئے گا، ایک ایسا زمانہ آئے گا جب دافع ظلم ظاہر ہوگا اور دنیا سے ظلم وجور کا خاتمہ کر کے اسے عدل وانصاف سے بھردے گا۔

میں نے عرض کیا تھا: ہر مومن کو اپنے دن رات اس تمنا اور آرزو میں گزارنے چاہئیں کہ جب بھی وہ ظلم کا خاتمہ کرنے والا آئے، تو میں اس کے لشکر میں شامل ہوں گا۔ میں اس قابل ہوں کہ اس کی نصرت کرسکوں، اس کی مدد کرسکوں۔

تو اسی انتظار میں دن اور رات گزارنا چاہئیں۔ لیکن ساتھ ساتھ اس بات کی جانب میں آپ کی توجہ مبذول کراؤں کہ اس انتظار کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم اور آپ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں، یہ سوچ کر کہ ہمیں تو آنے والے کا انتظار کرنا ہے۔ ظلم وہی ختم کرسکتا ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کو پہلے اپنے مقام پر بیٹھ کر کوشش کرنا ہے کہ جتنا ظلم ہم اپنی ذاتی حیثیت میں ختم کر سکیں، ختم کریں۔ اپنی ذات پہ جو ظلم کیے جاتے ہیں، ان کا خاتمہ کریں۔ اور ہمارے سامنے جو ظالم ہو اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو روکیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انتظار کریں، کیونکہ روایات میں یہ ثابت ہے۔ وہ بات جو بعض اوقات بطور مزاح کہی جاتی ہے لیکن بہت سے لوگوں کے نزدیک عقیدہ بن جاتی ہے۔

کہ جی ___ !

یہ نماز، روزہ، داڑھی، پردے کی، یہ ساری باتیں کرنے سے فائدہ کیا؟ یہ سارے حرام کام بند کروا کے اور شریعت کی پابندی کرا کے تو ہم ظہور امامؑ میں تاخیر کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک کے ذہن میں تصور یہی ہے کہ امامؑ آئیں گے۔ اس وقت جب ہر طرف گناہ ہی گناہ ہوں گے۔

تو اب گناہ کا بڑھانا یہ سمجھا جاتا ہے کہ امامؑ کو جلدی آنے کی دعوت دینا ہے اور گناہ کے راستے میں رکاوٹ بننا یہ خیال کیا جاتا ہے اس سے تو امامؑ کو آنے میں دیر لگے گی۔ امامؑ تاخیر سے آئیں گے تو بہتر یہ ہے جتنے گناہ بڑھتے ہیں بڑھنے دو۔ تاکہ جلدی دنیا میں گناہ پھیلیں اور امامؑ کے آنے کا وقت فوراً آ جائے۔ لیکن جیسا کہ ہر صاحب عقل جانتا ہے۔ یہ اتنی مہمل اور لغو بات ہے اور کہنے والا بھی اسے بطور مزاح کہتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں کے دل میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

تو میں اسی لیے بتا دوں کہ انتظار کا مقصد یہ نہیں ہے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ کر انتظار کر رہے ہیں۔ انتظار کا مطلب ہی یہ ہے کہ امامؑ کے آنے کا انتظار اس طرح کریں، جس طرح آپ اپنے قریبی رشتہ دار کے آنے کا انتظار کرتے ہیں۔

اسی منبر سے میں نے بتایا تھا جب کوئی آنے والا ہوتا ہے، اور آپ کو یہ امید ہے کہ وہ آ سکتا ہے۔ اس نے خط لکھ دیا کہ بس! میں پہنچنے والا ہوں، میرا انتظار کرو۔

تو میں نے اسی منبر سے بتایا تھا کہ انتظار کا کیا مقصد ہے؟

اب آپ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے تو نہیں بیٹھ جائیں گے اس کا انتظار کر رہا ہوں، بلکہ آپ تیاری کریں گے اس کے آنے کی۔ اور ساتھ ساتھ جب پتہ ہے کہ کسی وقت بھی آسکتے ہیں۔ دنیا کا سارا کام چھوڑ کر گھر میں بیٹھے رہیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کسی رشتہ دار سے ملنے جائیں، تو اس وقت آجائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم بازار کی سیر کے لیے جائیں تو وہ اس وقت آجائیں۔

بڑی تفصیل سے میں نے بتایا ایک، اس وقت تو اشارہ کر رہا ہوں۔ تو انتظار کا مقصد یہی ہوتا ہے آنے والے کے لیے بیٹھنا۔ اور ہر وہ کام کرنا جو آنے والے کو پسند ہے۔ بلکہ جو جو ذہن میں آئے اس کی ضرورت پڑسکتی ہے آنے والے کو اس کو پہلے سے تیار کر کے گھر میں رکھ دینا، یہ ہے انتظار اور بس!

یہی انتظار ہمیں اپنے زمانے کے امامؑ کا کرنا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ امامؑ کو ظلم سے نفرت ہے۔ امامؑ کو گناہوں سے نفرت ہے۔ امامؑ کو حرام کام انجام دینے سے نفرت ہے۔ امامؑ کو واجبات کے چھوڑنے سے نفرت ہے۔

تو اب انتظارِ امامؑ کا کیا مطلب ہوا؟ کہ جہاں تک ہم سے ہو سکے اس طرح تیار ہو کے بیٹھیں۔ ہمارے اختیار میں جتنا ہے، وہاں تک کوئی ایسی چیز رہنے نہ پائے۔ جس کی امامؑ کو ضرورت ہو یا حاجت ہو۔ کوئی ایسا کام ہونے نہ پائے جو امامؑ کو ناپسند ہو۔

کل میں بیان کر رہا تھا، مثلاً لشکرِ امامؑ میں شامل ہونے کی تمنا ہے تو ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر تو نہیں بیٹھنا ہے۔

ایک بچہ ہے اس کو فوج میں شامل ہونے کی تمنا ہوتی ہے، اب وہ کیا کرتا ہے؟ میں پائلٹ بنوں گا، مثلاً اس کی تمنا ہے۔ اب وہ کیا کرتا ہے؟ اس کے لیے تیاری کرتا

ہے۔ اتنی تعلیم حاصل کرتا ہے جو فوج میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اپنی صحت کا خیال رکھتا ہے اور جب فوج میں داخلہ ملتا ہے تو آسانی سے نہیں ملتا ہے۔ سر سے پیر تک آدمی کو دیکھا جاتا ہے۔ پہلے تو اس کا دماغ ٹٹولا جاتا ہے، امتحان لیا جاتا ہے۔ اہم اہم مضامین کا کہ کتنی معلومات ہیں۔ امتحان لیا جاتا ہے کہ یہ کتنا دنیا سے واقف ہے۔ آنکھوں کی بینائی تو کم نہیں، قد تو چھوٹا نہیں ہے۔ کوئی متعدی مرض تو نہیں ہے، کوئی اور اس کے اندر ایسی خرابی تو نہیں ہے کہ یہ میڈیکلی unfit قرار پائے۔

اس کے بعد پھر اس کا انٹرویو بھی ہوتا ہے۔ جس کے لیے تیار ہو کے جانا پڑتا ہے۔ یہ تو دنیاوی فوج کی بات ہے، جس کے بارے میں کم از کم یہ تو ثابت ہے کچھ بنیادی شرائط دیکھی جاتی ہیں۔

اب امامؑ جب آئیں گے تو امامؑ کی فوج میں کون شامل ہوگا؟ امامؑ کی فوج میں شامل ہونے کی شرائط بھی ہمیں بتا دی گئی ہیں۔ وہاں سینہ نہیں ناپا جائے گا، وہاں آنکھوں کی روشنی نہیں ناپی جائے گی۔ وہاں پہ قد نہیں ناپا جائے گا، وہاں صحت اور بیماری کو نہیں دیکھا جائے گا۔ وہاں پہ وہ تحریری امتحان بھی نہیں ہوگا جس میں دیکھا جائے کہ انگلش کیسی ہے، اُردو کیسی ہے۔

ہاں ــــــ!

وہاں پر بھی معلومات کا ایک امتحان ہوگا مگر اس میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ فلاں ملک کا رقبہ کتنا ہے۔ فلاں ملک کی آبادی کتنی ہے۔ وہاں بھی ایک امتحان ہوگا لیکن امتحان ہوگا معلومات کا۔ مگر کون سا امتحان؟ جس میں نہ زمین کی بات پوچھی جائے گی نہ آسمان کی بات۔ نہ شرق کی بات پوچھی جائے گی نہ غرب کی بات اور وہاں صرف یہی امتحان ہوگا جو ہمارے آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام نے بیان کیا۔ (صلوٰۃ)

اب یہ بھی آپ کے ذہن میں رہے کہ امامؑ کے آنے کے بعد دو ہی گروہ ہوں گے۔ یا امامؑ والے ہوں گے یا امامؑ کی تلوار سے مارے جانے والے ہوں گے، کوئی تیسرا گروہ اس وقت نہیں ہوگا۔

تو آٹھویں امامؑ کی یہی تو حدیث ہے:

"جو نوجوان بیس سال کا ہوگا، اور اسے حرام وحلال کا علم حاصل نہ ہوا، امامؑ اسے اپنی تلوار سے قتل کریں گے"۔

اور میرے چھٹے امامؑ کا یہی تو فرمان ہے۔ جب پوچھا گیا: مولاؑ! سب سے بڑا جھوٹا کون ہے؟

تو کہا: جو تمھیں زمین کے بارے میں بتا دے۔ آسمان کے بارے میں بتا دے۔ دنیا جہاں کی خبر لا کر دے دے تم کو، دنیا بھر کا علم اس کے پاس ہو لیکن جب پوچھو کہ حلالِ خدا کیا ہے؟ اور حرامِ خدا کیا ہے؟ تو کہے کہ یہ تو مجھے نہیں پتا۔

امامؑ کہہ رہے ہیں یہ سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ اور آٹھویں امامؑ کہہ رہے ہیں یہ قتل ہوگا امامؑ کی تلوار سے۔

تو اب____!

جیسا کہ میں نے کہا۔ امامؑ کے زمانے میں صرف دو گروہ ہوں گے۔ یا تو امامؑ کی تلوار سے مارے جاؤ گے یا امامؑ کے ساتھیوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

تو حلال وحرام کا علم حاصل کرنا، وگرنہ امامؑ کی تلوار سے مارا جائے گا۔

تو پتہ چلا____!

امامؑ کے ساتھیوں میں شامل ہونے والا فقط وہ ہوگا جو حلال وحرام کا علم رکھتا ہوگا۔

تو پہلی شرط کیا ہوئی لشکرِ امامؑ میں شامل ہونے کی؟

پتا ہو کہ حرام کیا ہے اور حلال کیا ہے؟ یہ پہلی شرط ہے۔ اب انتظار کا مطلب کیا ہے؟ کہ آپ اپنے آپ کو امامؑ کی فوج میں شامل ہونے کے قابل بنائیں۔

اب ایک بچے کو پتا ہے فلاں تاریخ کو میرا امتحان ہونے والا ہے۔ یہ فوج میں شامل ہونے کا پہلا امتحان ہے۔ تو چھ مہینے پہلے دنیا کی ساری تفریحات ختم کر دیتا ہے۔ ساری توجہ پڑھائی پر ہوتی ہے۔

تو بس ___!

اب انتظار یہی ہے امامؑ کا کہ جس طرح یہ بچہ چند مہینوں میں تیاری کرتا ہے، ایک چھوٹا فائدہ حاصل کرنے کے لیے۔ اب انتظار امامؑ کا کیا مطلب ہے؟ کہ امام کی آمد پر مصروف ہو جائے کہ ہمیں حلال و حرام کا علم حاصل کر کے رہنا ہے۔

تو اب اگر کسی شخص کے دل میں واقعاً تمنا ہے لشکرِ امامؑ میں شامل ہونے کی، اور اس نے اس بنیادی صفت کو پورا نہیں کیا۔ تو دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں: یا تو وہ لشکرِ امامؑ میں شامل نہیں ہونا چاہتا ہے۔ یا یہ کہ وہ امید کر رہا ہے ابھی کہاں آتے ہیں امامؑ۔ بہت عرصہ لگے گا امامؑ کو آتے آتے۔

یہی دو وجوہات ہو سکتی ہیں یا امامؑ کے پاس جانا ہی نہیں ہے۔ امامؑ کے لشکر میں شامل ہونا ہی نہیں ہے تبھی تیاری نہیں ہو رہی ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہے کہ امامؑ کی تلوار سے مارا جانا، اور یا یہ کہ نہیں، یہ اطمینان ہے۔ یقین ہے کہ امامؑ ابھی نہیں آئیں گے، بہت عرصہ لگے گا امامؑ کو آنے میں۔ تو اگر یہ عقیدہ رکھا کہ امامؑ ابھی نہیں آئے۔ تو پتہ چلا کہ نہ انتظار ہے، اور نہ ظہورِ امامؑ کی دعا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ جب آپ نے نماز کے بعد زیارت پڑھی:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ الْعَصْرِ وَالزَّمَانِ

اور آخری فقرہ کہا:

عَجَّلَ اللّٰہُ تَعَالٰی ظُهُوْرَہٗ

یا آپ نے مجلس کے بعد زیارت پڑھی تو پتا کیا چلا کہ دل کو تو ابھی یہ اطمینان ہے کہ امامؑ ابھی نہیں آئے۔ ابھی بہت وقت باقی ہے اور زبان سے کہہ رہے ہیں: مولاؑ! ابھی آجائیے۔

تو دل اور زبان ہو گئے الگ، اور جس کے دل اور زبان میں اختلاف ہو تو اسے منافق کہا جاتا ہے یا تو لشکرِ امامؑ میں شامل ہی نہیں ہوتا، اس لیے تیاری نہیں، یا شامل تو ہوتا ہے لیکن دل کو یہ اطمینان ہے کہ بہت وقت ہے امامؑ کو آنے میں۔

تو پھر زبان پر یہ جو آرزو ہے، یہ جو دعا ہے، یہ جو تمنا ہے، تو مقصد یہ کہ زبان کہہ رہی ہے فوراً آئیے۔ دل کہہ رہا ہے پچاس سال لگیں، ابھی کون آتا ہے، سالوں سے ہمارے آباء و اجداد دعا مانگتے مانگتے مر گئے، امامؑ نہیں آئے۔ تو ہمارے سامنے بھی نہیں آئیں گے۔

تو دونوں میں جو نتیجہ بھی ہو، ایمانِ حقیقی تو رخصت ہوا لیکن ایمانِ ظاہری موجود رہا۔ تو پہلی شرط لشکرِ امامؑ میں شامل ہونا کیا ہے؟ آپ وہ تحریری امتحان پاس کریں یعنی حلال و حرام کا علم حاصل کریں۔

تو یہ پہلی شرط ہے لشکرِ امامؑ میں شامل ہونے کی۔ اور دنیا کا اصول بھی کہ جب بھی لشکر تیار کیا جاتا ہے تو کچھ بنیادی شرائط کا خیال رکھا جاتا ہے اور پھر یہ تو لشکرِ امامؑ ہے جس میں صرف صحیح العقیدہ لوگوں کو ہونا ہے، کوئی کمزور ایمان کا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ لشکر ہے جسے آخری فتح تک لڑنا ہے، شیطان کے مارے جانے تک لڑنا ہے۔ جب تک کہ پیغمبرِ اسلامؐ کے ہاتھ سے شیطان فرات کے کنارے نہ مارا جائے، اس وقت تک امامؑ کا لشکر جنگ کرتا رہے گا۔

تو اس کے اندر ضروری ہے کہ وہی شامل ہوں جو شرائط پوری کریں اور وہ

شامل ہو کہ جو ظلم سے نفرت کرتا ہو اور ظلم کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہو۔ تو یہ پہلی بات آپ کے سامنے آئی۔

اور یہی اصول ہے جو ہر لشکر میں دیکھا گیا کہ جن آدمیوں کو ہم شامل کر رہے ہیں ان کا عقیدہ کیسا ہے؟ اور یہی وہ طریقہ تھا جسے اپنے دور میں مختارؓ نے اختیار کیا تھا۔

لشکر تیار کیا تھا مگر انھی افراد پر مشتمل کہ جن افراد کے بارے میں پتا ہے۔ تو ظلم کا خاتمہ اس وقت ہوگا جب زمانے کا امامؑ آئے گا اور اس سے پہلے وہ چھوٹی چھوٹی تحریکیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے انقلاب جو آتے رہے، اور ان میں سے ہر تحریک اور ہر انقلاب ظلم کے خاتمے کے لیے تھے لیکن مختارؓ کی تحریک کو ایک نمایاں مقام اس لیے حاصل ہے۔ یہ خونِ اہلِ بیتؑ کے انتقام کے لیے تھی۔

اور مختارؓ کی تحریک کی وجہ سے سیدانیوں کے گھروں میں چولہا جلا تھا اور بیبیوں نے نیا لباس پہن کر پہلے دن بالوں میں تیل ڈال کر کنگھی کی تھی۔

وہ مختارؓ جن کے بارے میں کل میں عرض کر رہا تھا، مختارؓ کے بارے میں رسولؐ اللہ نے پیش گوئی کی تھی، اور امیرالمومنینؑ نے بھی بار بار یہ بتایا تھا کہ مختارؓ کس طرح سے ہمارے خاندان کے شہیدوں کے خون کا انتقام لیں گے۔

پہلی ہجری میں مختارؓ کی ولادت ہوتی ہے۔ مختارؓ نام ہے، ابواسحاق کنیت ہے۔

اور روایت یہ ہے اصبغ ابن نباتہ کی زبان میں کہ میں نے دیکھا کہ مختارؓ کو میرا مولاؑ اپنے زانو پہ بٹھائے ہوئے ہے اور سر پہ ہاتھ پھیرتا جاتا ہے، کہتا جاتا ہے: اے عقل والے، اے دانش والے۔

علامہ نے یہ بھی لکھا ہے: ایک دن میرا مولاؑ بازار سے گزر رہا تھا۔ گلیوں میں کچھ بچے کھیلتے ہوئے دکھائی دیے۔ ان میں مختارؓ بھی نظر آئے۔

پس ___ !

میرے مولاؑ نے آگے بڑھ کر مختارؓ کو گود میں اُٹھایا، میرا مولاؑ زمین پر بیٹھا اور مختارؓ کو زانو پر بٹھایا، بار بار مختارؓ کا بوسہ لیتے جاتے اور کہتے جاتے ہیں:

"یہ ہے ہماری اولاد کے قاتلوں سے انتقام لینے والا"۔

تو پیغمبرؐ اسلام نے بھی مختارؓ کے بارے میں پیشن گوئی کی تھی اور امیرالمومنینؑ نے بھی مختارؓ کا تعارف کرایا تھا۔ مختارؓ کے والد ابو عبیدہ ثقفی تھے۔

روایت میں یہ ہے: ابو عبیدہ کی تمنا یہ تھی کہ ایسا بیٹا پیدا ہو جو دنیا میں ایک بڑا کارنامہ کرے، خود بخود دل میں یہ خیال آیا، اس لیے کہ شادی کی عمر تک پہنچ گئے تھے لیکن شادی کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے کہ میں فقط اسی عورت سے شادی کروں گا جس کے بارے میں مجھے یقین ہو جائے گا۔ اس کے شکم سے پیدا ہونے والا میرا بچہ دنیا میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دے گا۔

رات کو سوئے تو رات کو خواب میں بشارت ہوئی۔ اسی مختارؓ کے قبیلے سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون تھیں، جن سے مختارؓ کے والد ابو عبیدہ ثقفی نے نکاح کیا۔ خود وہ نقل کرتی ہیں:

"جب مختارؓ میرے شکم میں تھے، ایک رات میں سوئی تو میں نے دیکھا آسمان سے ایک گھڑسوار اُتر کر آیا ہے جس کے ہاتھ میں نیزہ ہے، اور مجھ سے کہہ رہا ہے: تمہیں مبارک ہو، تمہیں خدا ایک ایسا بیٹا عطا کرنے والا ہے، جو اپنی شجاعت میں شیر اور اسد سے زیادہ بہادر ہوگا"۔

اور یہ کہتی ہیں:

"جب میرے ہاں مختارؓ کی ولادت ہوئی تو اسی رات کو میں نے خواب میں دیکھا دوبارہ وہی گھڑسوار آسمان سے اُتر کر آ رہا ہے

ہاتھ میں نیزہ لے کر، آسمان سے اترا۔ اور کہا کہ مبارک ہو،
یہی تمہارا وہ فرزند ہے۔ جو محبِ اہلِ بیتؑ اور محبِ پیغمبرؐ ہوگا اور
آلِ رسولؐ کے خون کا انتقام لے گا"۔

تو مختارؒ کی شخصیت، جیسا کہ میں نے عرض کیا: کچھ جھوٹی روایات یا جھوٹے الزامات اپنے مقام پر۔ لیکن مختارؒ کی شخصیت وہ ہے جس پر نہ تو پردہ ڈالا جا سکتا ہے اور نہ اس کو چھپایا جا سکتا ہے۔

مختارؒ کے بارے میں مشہور و معروف ہے۔ ابتدائے عمر ہی سے انتہائی عقل مند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب میرا مولاؑ عقل مند کا خطاب دے رہا ہے تو کچھ دیکھ کر میرے مولاؑ نے کہا ہوگا۔ تو مختارؒ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے: اتنے دانش مند تھے کہ بہت بعد کے ہونے والے واقعات کا بہت پہلے سے اندازہ لگا لیتے تھے کہ یہ ہونے والا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مختارؒ نے چھ مہینے، سال پہلے بتا دیتے تھے کہ فلاں واقعہ ہونے والا ہے، اور وہ واقعہ ہوتا تو لوگوں کا تعجب بڑھ جاتا تھا۔ یہ مختارؒ کی فراست اور عقل مندی ہے، پیغمبرؐ کی حدیث ہے:

"مومن کی فراست اور مومن کی عقل مندی کبھی خطا اور غلطی نہیں
کرتی"۔

یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ مختارؒ نے مختارؒ پر الزام لگایا کہ وہ وحی اور الہام کا دعویٰ کرتے تھے کہ مستقبل کے حالات بتاتا ہوں۔

یہ وحی اور الہام نہ تھے بلکہ مختارؒ کی دانائی، دانش مندی، عقل مندی اور حالات کو سمجھنے کی صلاحیت تھی۔ مختارؒ کے والد ابوعبیدہ ثقفی تھے۔ بھیجا گیا خلافتِ ثانیہ میں ایران کی جانب۔ ایران کی مملکت کو فتح کرنے کے لیے۔ ایران کے سپہ سالار رستم کی فوجوں سے مقابلہ ہوا اور مختارؒ کے والد مسلسل فتوحات حاصل کرتے چلے گئے۔

اب مختارؓ کے والد کا کردار بھی دیکھ لیجیے۔ جب ایران کا ایک صوبہ فتح کیا تو وہاں کے جو حاکم تھے، انھوں نے کلمۂ اسلام پڑھا اور مختارؓ کے والد ابو عبیدہ ثقفی کی دعوت کی۔ ابو عبیدہ دعوت پر پہنچے، دیکھا کہ دسترخوان پر عالیشان کھانے رکھے ہیں۔

کہا: یہ دعوت صرف میری لیے کی گئی ہے۔ یا میرے پورے لشکر کی؟

جواب دیا: وقت بہت کم تھا ہم جنگ میں تھے، ابھی جنگ ختم ہوتی ہے، ہمیں اتنی مہلت اور فرصت نہ تھی۔ یہ آپ اور آپ کے جتنے عہدے دار ہیں ان کی دعوت ہے۔

مختارؓ کے والد دسترخوان سے کھڑے ہو گئے۔ کہا: اسلام میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہے۔ میں وہی کھاؤں گا جو میرے پورے لشکر کو کھلایا جائے گا۔ تو یہ مختارؓ کے والد تھے۔

روایت یہ ہے: فتوحات حاصل کرتے جا رہے تھے اور اسی دوران ایران کی فوجوں نے عربوں کو روکنے کے لیے پہلی مرتبہ ہاتھیوں کو میدانِ جنگ میں استعمال کیا۔ ہاتھی ایک جانور تھا جو نہ عرب میں پایا جاتا ہے اور نہ عربوں نے اسے کبھی دیکھا ہے۔

مختارؓ کے والد کی فوج کے سامنے ہاتھیوں کی دیوار آ گئی اور مختارؓ کے والد نے ان پر حملہ کیا۔ پوری فوج خوفزدہ ہو کر اپنے مقام پر رُک گئی تھی کہ یہ کون سا عجیب و غریب جانور آ گیا ہے۔

مختارؓ کے والد تلوار لے کر میدان میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ پہلا جو سب سے آگے ہاتھیوں کا سردار تھا اس کی سونڈھ کو کاٹا لیکن چونکہ پہلی مرتبہ مقابلہ تھا، اس لیے دوسرے ہاتھی نے اپنی سونڈھ میں لپیٹا اور اپنے پاؤں تلے کچل کر شہید کر دیا۔ مختارؓ کے قبیلے کے سات آدمی یکے بعد دیگرے گئے اور ہر ایک اسی طرح سے ہاتھیوں

کے پاؤں تلے کچل کر شہید ہوا۔ پھر مختارؓ کے چچا نے مسلمانوں کو سنبھالا اور پھر فتح ملی۔

اس کے بعد مسئلہ یہ پیش آیا، ۱۶ ہجری کا واقعہ ہے خلافتِ ثانیہ کے دربار میں یہ مسئلہ درپیش آیا کہ مختارؓ کے والد، جو گورنر بنائے گئے تھے اپنے فتح کردہ علاقے کے، ان کی جگہ کس کو گورنر بنایا جائے؟ یہ عہدہ مختارؓ کو پیش کیا گیا، مختارؓ نے انکار کر دیا۔

کہا: میرے چچا موجود ہیں، جو میرے بزرگ ہیں۔ ان کی موجودگی میں، میں یہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا۔ اور مدائن کی گورنری کا عہدہ مختارؓ کے چچا کو مل گیا۔ اور بڑے طویل عرصہ تک، معاویہ کے دور تک یہ اس عہدے پر رہے۔ بعد میں حاکمِ شام نے ان کو موصل کا گورنر بنایا۔ اس کے علاوہ بہت سے واقعات مختارؓ کے تاریخ میں ملتے ہیں۔ لیکن بات بہت لمبی ہو جائے گی۔

پھر مختارؓ پہلی مرتبہ اُبھر کر آتے ہیں امام حسنؑ کے دور میں کہ جب امامؑ کے ساتھی امامؑ کو چھوڑ چھوڑ کر جا رہے ہیں اور بک رہے ہیں۔ اور مختارؓ اس وقت اپنے چچا کو ایک عجیب مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن اس کی مصلحت مَیں پرسوں کی مجلس میں بیان کر چکا ہوں۔

اس کے بعد جب امام حسنؑ صلح کر لیتے ہیں۔ تو یہ امامؑ کی اتنی بڑی فتح ہے کہ اس کو فتح مبین کہا گیا ہے۔ تو مختارؓ بھی دیگر مومنین کی طرح خاموشی کی زندگی گزار کر مقصدِ امامؑ میں مدد کرتے ہیں یہاں تک کہ ۶۱ ہجری کا وہ وقت آتا ہے کہ مسلم ابن عقیلؑ مدینے سے ہو کر کوفے پہنچتے ہیں، اور مختارؓ کے گھر میں قیام کرتے ہیں۔

کل مَیں نے عرض کیا تھا: مختارؓ کے گھر میں مسلمؑ نے قیام کیا اور جب مختا آس پاس کے علاقوں سے مدد لینے کے لیے گئے تو مسلم ابن عقیلؑ وہاں سے ہانی ابن عروہ کے گھر میں منتقل ہو گئے۔ مختارؓ مدد لے کر آ رہے تھے۔ لشکر تیار کر کے آ رہے تھے

کہ راستے میں ان کو یہ اطلاع ملی۔ جناب مسلمؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ مختارؓ بے چین ہوئے اور گھبرائے۔ اب لشکر لے کر کیا کروں گا، لشکر لے کر آگے بڑھے۔ اُدھر ابن زیاد کے علم میں چونکہ تھا کہ مختارؓ فوج جمع کرنے گئے ہیں اس لیے نوفل کی قیادت میں ایک بڑا لشکر بھیجا تھا مختارؓ کو روکنے کے لیے۔

مختارؓ اِدھر سے آگے بڑھ رہے ہیں اور نوفل کوفہ سے آ رہے ہیں۔ ایک مقام پر دونوں کا ٹکراؤ ہوا۔ ایک مرتبہ آنے والے لشکر نے دریافت کیا: تم کون ہو؟

کہا: میں مختارؓ ہوں، مسلم ابن عقیلؑ کی حمایت میں ہوں۔

تو بہرحال___!

اب مختارؓ نے یہ دیکھا کہ حالات بدل چکے ہیں۔ کوفے جا کر معلوم کرنا چاہیے کہ اس وقت کیا مصلحت ہے۔ اس کے بعد فوج جمع کی جائے، اِدھر کوفے میں داخل ہوئے۔ اُدھر ابن زیاد نے ابن الحارث کو ایک کالا علم دے کر بھیجا تھا اور کہا: جاؤ اسے کوفے کے دروازے پر لگا دو۔ اور اس کے نیچے ایک خیمہ لگاؤ۔ اور اعلان کرو کہ جو جو اس خیمے کے اندر آ جائے اسے امان ہے ورنہ ہر آدمی کو مجرم سمجھا جائے گا اور سزا دی جائے گی۔

اتفاق سے جس وقت علم لگایا گیا اور خیمہ نصب کیا گیا تو کوفے میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آدمی مختارؓ تھے۔ مختارؓ نے یہ منظر دیکھا، یہ اعلان سنا، سمجھ گئے کہ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ اس خیمے میں داخل ہو جایا جائے۔

ابن الحارث کے قریب پہنچے، کہا: اگر میں خیمے میں آ جاؤں تو کیا مجھے امان ہے؟

اس نے کہا: میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی کچھ نہ کہے گا۔

مختارؓ خیمے میں چلے گئے۔ شام کے وقت جتنے لوگ جمع ہوئے تھے سب کو لے کر ابن الحارث ابن زیاد کے دربار میں پہنچا اور کہا: یہ وہ لوگ ہیں، جو آپ کے اعلان

کے مطابق اس جھنڈے کے نیچے اس خیمہ میں داخل ہوئے۔

ابن زیاد نے ایک مرتبہ کہا: سب کو امان ہے لیکن اتنے میں کچھ عورتوں اور بچوں کے رونے کی آواز آئی۔

ابن زیاد نے پوچھا: یہ کون ہیں؟

پتہ چلا کہ آپ نے جس لشکر کو نوفل کی قیادت میں بھیجا تھا، نوفل کی بیوہ اور یتیم بچے روتے ہوئے آرہے ہیں اور آکر شکوہ کرتے ہیں کہ مختارؓ نے میرے شوہر کو قتل کر دیا۔

اب جو ابن زیاد نے سنا، ایک مرتبہ اس نے مختارؓ کو بڑے غضب کی حالت میں دیکھا اور کہا: مختارؓ! تو میری امان میں آنے کی بات کر رہا ہے۔ تم نے میرے لشکر پہ کیوں حملہ کیا تھا؟

کہا: اے ابن زیاد! میرا ارادہ نہیں تھا۔ بلکہ نوفل نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ وہ میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

کہا: باقی اگر قصور تھا تو ایک آدمی کا تھا۔ نے جو بیس آدمیوں کو قتل کیا ہے، تجھے امان نہیں ملے گی۔

مختارؓ ایک مرتبہ ابن الحارث کی جانب دیکھتے ہیں مگر حاکم کا حکم آچکا ہے۔ ابن الحارث خاموش ہے اور پھر ابن زیاد ایک مرتبہ کہتا ہے: ملعون! تو نے میرے سپاہ سالار کو قتل کیا اور میرے پاس پناہ لینے آیا ہے۔

بس___!

اتنا سننا تھا کہ پھر مختارؓ کا خون بھی جوش میں آیا۔

کہا: اے ملعون! تو مجھے ملعون کہتا ہے؟

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر کے قید خانے میں پہنچا دو۔

بس ___!

مختارؓ کو قید خانے میں بھیج دیا گیا، اور حکم دیا گیا۔ اس قید خانے کے سب سے پچھلے حصّہ میں مختارؓ کو پہنچادو۔

مختارؓ کو لے جا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اب مختارؓ اس قید خانے کے اندر ڈیڑھ سوفٹ کی گہرائی میں، اندھیرے اور تاریکی میں، اس حالت میں ہیں کہ دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے بندھے ہیں۔ اور پاؤں میں وہ بیڑیاں ہیں جسے بیس آدمی اُٹھا سکتے ہیں۔ اور زمین کے اُوپر پڑے ہیں۔

اسی دوران اسی قید میں قیدیوں کی ایک بڑی تعداد کو لایا گیا، کیونکہ اب وہ وقت آرہا تھا۔ لشکرِ حسینؑ کربلا کی جانب پہنچ رہا تھا۔ ابن زیاد کو خطرہ ہوا کہ کوفہ میں جو محبانِ حسینؑ ہیں وہ یقیناً مدد کے لیے جائیں گے۔ چنانچہ سب کو گرفتار کر کے اس قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ فقط حبیبؓ ابن مظاہر تھے، جو کسی طرح سے کوفے سے کربلا کی طرف نکلنے پر قادر ہوئے۔

مختارؓ اس قید خانے میں تھے کہ مختارؓ کی ملاقات میثم تمارؓ سے ہوئی۔ ایک مرتبہ میثمؓ کہتے ہیں: مختارؓ! گھبراؤ نہیں تو عنقریب آزاد ہوگا اور تجھے اہلِ بیتؑ کے دشمنوں سے انتقام لینے کا موقع ملے گا۔

مختارؓ اسی قید خانے میں تھے کہ وہاں کربلا کا واقعہ شروع ہو کر ختم ہوا۔ آلِ محمدؐ ابن زیاد کے دربار میں لائے گئے۔ وہاں مختارؓ کو بھی لایا گیا تھا اور دوبارہ قید خانے میں لوٹا دیا گیا۔ ایک عرصہ گزر گیا، بظاہر امام حسینؑ کی شہادت کے بعد واقعات ختم ہوگئے۔ اہلِ بیتؑ زندانِ شام میں دن رات گزار رہے ہیں۔ مختارؓ زندانِ کوفہ میں قید ہیں۔ اور قاتلانِ امامؑ کو بڑی بھاری جاگیریں اور انعامات مل چکے ہیں۔ بڑے اعلیٰ عہدے دیئے گئے ہیں۔ بظاہر حالات پُرسکون تھے۔ کہ ایک خاص واقعہ پیش

آیا، جہاں سے مختارؓ کی تحریک کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ایک محبِ اہل بیتؑ کو قید خانے میں داخل کیا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کچھ دن تو میں وہاں رہا۔ اس نے کہا کہ کچھ لوگوں نے مجھے اطلاع دی کہ مختارؓ بھی اسی قید خانے میں ہیں۔ چنانچہ میں مختارؓ کی تلاش میں چلا۔

آخر پورا قید خانہ مَیں نے چھان مارا۔ بالکل کونے میں جا کر میری ملاقات مختارؓ سے ہوئی۔ مختارؓ کو میں نے سلام کیا۔ مختارؓ نے مجھے پہچانا اور کہا: تم یہاں کیسے؟

میں نے پورا واقعہ سنایا۔ مختارؓ نے کہا: گھبراؤ نہیں، میرے پاس اطلاع یہی ہے کہ تم اس قید سے صحیح وسالم رہا ہو گے اور عنقریب تم آزاد ہونے والے ہو۔

وہ آدمی کہتا ہے: میں نے سر جھکا کر مختارؓ کی بات سن لی۔ اِدھر یہ محبِ اہل بیتؑ پریشان ہے اور اُدھر اس کی رہائی کا انتظام ہو رہا ہے۔ اس کی بھتیجی ابن زیاد کے نواسے کی دائیہ تھی۔ اس کی نگہداشت اور نگرانی پر مامور تھی۔ اسے اطلاع ملی کہ میرے چچا کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ وہ روتی ہوئی اور فریاد کرتی ہوئی ابن زیاد کی بیٹی کے گھر میں پہنچی اور کہا: غضب ہو گیا ہے، میرے چچا پر دشمنوں نے جھوٹے الزام لگا کر گرفتار کرا دیا ہے۔ میں نے آپ کے گھر کی اتنی خدمت کی۔ میں نے آپ کے گھر کا اتنا خیال رکھا۔ اب ایک احسان کر دیجیے، میرے چچا کو آزاد کرا دیجیے۔

ابن زیاد کی بیٹی نے سنا تو کہا: گھبرانے کی بات نہیں، میں اپنے باپ سے بات کروں گی۔ تیرا چچا آزاد ہو جائے گا۔

ابن زیاد کی بیٹی فوراً ابن زیاد کے پاس گئی۔ اپنے بیٹے کو لے کر کہا: بابا! آپ نے اس دائیہ کے چچا کو گرفتار کر لیا ہے۔ یہ آپ کو پتا نہیں کہ اس کا کوفہ والوں پر کتنا بڑا احسان ہے۔ آدھا کوفہ اس کا شاگرد ہے۔ اتنے ضعیف آدمی کو آپ نے دشمنوں

کے کہنے پر بغیر ثبوت کے گرفتار کرلیا۔ آپ ابھی حکم جاری کریں کہ انھیں اسی وقت آزاد کیا جائے۔

ابن زیاد نے کہا: اچھا بیٹی! تو سفارش لے کر آئی ہے تو مان لیتا ہوں۔ کل صبح اس کی آزادی کا حکم جاری کروں گا۔

کہا: نہیں، اسی وقت اس کی رہائی کا حکم جاری کریں۔ میں خود اس کو اپنی آنکھوں سے زندان سے نکلتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔

خیر ـــــ!

ابن زیاد بات کو مان گیا اور ابن زیاد کی بیٹی خود چلی اور اس کو آزاد کرایا۔

بس ـــــ!

میں فقط ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ ابن زیاد اتنا ظالم اور سنگدل کہ جو اس کے قید خانے میں گیا، کبھی آزاد نہیں ہوا۔ بیٹی نے کہا تو فوراً آزاد کر دیا۔ دشمنانِ اہلِ بیتؑ کی روایت ہمیں معلوم ہوئی کہ بظاہر بڑے سنگدل ہوتے ہیں، مگر ہمیشہ عورتوں کے کہنے میں آ کر عمل کیا کرتے ہیں، یعنی اپنی عورتوں کے غلام ہیں۔ اور رسولؐ کی بھی حدیث ہے:

"خدا اس شوہر پر لعنت کرے جو اپنی بیوی کا غلام ہے"۔

ذکرِ مصائب!

اب دشمنانِ اہلِ بیتؑ کی سیرت بھی معلوم ہوگئی۔ گھر کی عورتوں نے کہا تو فوراً مان لیا۔

تو خیر ـــــ!

بیٹی کے کہنے سے ابن زیاد نے حکم نامہ جاری کر دیا۔ اب شام کا وقت ہے

اور وہ محبِ اہلِ بیتؑ مختارؓ سے باتیں کر رہا ہے۔ اتنے میں قفل میں چابی گھومنے کی آواز آئی۔

مختارؓ نے کہا: اے بندۂ خدا! تمہاری رہائی کا پروانہ آ پہنچا۔

بس ___!

وہ آدمی رہائی کا سن کر مختارؓ سے کہتا ہے: اے مختارؓ میں تیری کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟

کہا: بس! ایک کام کرنا، کسی طرح کاغذ، دوات اور قلم میرے پاس بھجوا دینا۔

بس ___!

اگر میں رہا ہوا تو تجھے اجر دوں گا۔ اور اگر میں شہید ہوا تو رسولؐ اور آلِ رسولؐ اس کا اجر دیں گے۔ اس محبِ اہلِ بیتؑ نے وعدہ کیا۔ اور اپنے گھر واپس آ گیا۔

بس ___!

تو اس زندان میں اس آدمی نے کچھ زندگی گزاری۔ اور آزاد ہو گیا۔ مختارؓ نے ایک مدت گزاری اور آزاد ہو گئے۔ لیکن یہ زندان اس زندان کی طرح نہیں ہو سکتا۔ جس میں آلِ رسولؐ نے ایک سال گزارا تھا۔ جہاں پہ نہ سایہ تھا، نہ چھت تھی۔ اور غذا اتنی قلیل کہ سید سجادؑ کہتے ہیں:

ایک دن میں نے دیکھا میری پھوپھی زینبؑ بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہیں۔

کہا: پھوپھی اماں! آج تک میں نے آپ کو کبھی بیٹھ کر نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ اس دن بھی نہیں جس دن کربلا میں اٹھارہ لاشیں گر گئی تھیں۔ پھوپھی اماں! آج آپ بیٹھ کر نماز کیوں پڑھ رہی ہیں؟

کہا: اے بیٹا! جو غذا آتی ہے وہ اتنی کم آتی ہے کہ اگر سب کھائیں تو سب بھوکے رہ جائیں۔ میں اپنا حصہ بچوں کو دے دیتی ہوں تاکہ بچوں کا پیٹ تو بھر جائے

اور اسی کمزوری کی وجہ سے آج علیؑ کی بیٹی کو بیٹھ کر نماز ادا کرنا پڑ رہی ہے۔

یہ وہ زندان تھا کہ جہاں کے یہ مصائب تھے۔ جس میں زینبؑ و سید سجادؑ ایک شریک نہ تھے۔ کوئی اور بی بی تھی جو آتی تھی اور قیدیوں کی حالت کو دیکھا کرتی تھی۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ایک دن پہریدار نے جناب سجادؑ کے پاس آ کر کہا: اے فرزندِ رسولؐ! میں روزانہ رات کو دیکھتا ہوں آدھی رات کو کوئی نقاب پوش بی بی آتی ہے۔ اور آ کر دروازے کے قریب بیٹھتی ہے۔ اور ہائے میرا حسینؑ! اور ہائے میری بیٹی زینبؑ! کہہ کر ماتم کرتی ہے۔

سید سجادؑ نے کہا: اگر آج رات وہ بی بی نظر آئے تو مجھے بتا دینا۔

آدھی رات کا وقت تھا۔ میرا مولاؑ نماز کی تیاری کر رہا ہے۔ اتنے میں وہ پہریدار آیا۔ کہا: فرزندِ رسولؐ! آج بھی وہ بی بی دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے۔

سید سجادؑ اپنے مقام سے کھڑے ہوئے، دروازہ کھولا گیا، ایک مرتبہ باہر آئے۔ دیکھا کہ ایک نقاب پوش بی بی بیٹھی ہے۔ اور بیٹھ کر میرے بابا حسینؑ کا ماتم کر رہی ہے۔

تڑپ کے کہا: بی بی! آپ کون ہیں؟

بس ــــ!

ایک نقاب سے آواز آئی: بیٹا! میں تیری دادی زہراؑ ہوں۔ جو تیرے ساتھ زندان کے مصائب میں شریک ہوں۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

سورۂ مبارکہ شعراء کی آیت کی روشنی میں ہماری گفتگو ظلم، ظلم کی اقسام اور ظلم کے ختم ہونے اور ختم کرنے والے سے، اور خاتمۂ ظلم کے بعد دنیا کی حالت سے متعلق مسلسل تین دن سے گفتگو ہو رہی تھی۔ اور کل کی گفتگو کے اختتام پر ایک ایسی روایت بہت جلد بیان کر دی گئی جو اپنے موضوع کے اعتبار سے زیادہ تفصیل کی محتاج تھی۔

ظلم کسی حالت میں کیا جائے اور کسی پر کیا جائے، بدترین گناہ شریعت کی نظر میں ہے۔ اور آنے والے امام معصومؑ اور آخری حجت خدا کی جو صفت بتائی گئی ہے وہ یہی ہے، وہ اس دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا اور ظلم و ستم کا خاتمہ کرے گا۔

وہ تمام روایات جو مسلمانوں کے تمام فرقوں کے نزدیک مسلّم ہیں، ان سب میں آنے والے امامؑ کی ایک ہی صفت کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ وہ ظلم و جور کا خاتمہ کرنے والا ہے۔

تو نگاہِ قدرت میں بھی، اور نگاہِ عصمت میں بھی ظلم سے زیادہ بدتر کوئی اور گناہ نہیں ہے۔

اور ظلم کے سلسلے میں بھی بڑی سختی کے ساتھ، ایک ظلم وہ ہے کہ جسے یاد بھی دلایا گیا ہے، اور اس سے روکا بھی گیا ہے۔ اگرچہ ہر ظلم بُرا ہے، اور ہر ظلم سے روکا گیا ہے۔ لیکن ایک ایسا مظلوم ہے اور ایک ایسا ظلم ہے جس کے بارے میں بار بار معصومؑ نے اپنے ماننے والوں کو یاد دلایا اور یہ کہا:

"وہ مظلوم ایسا ہے کہ جس کا مقدمہ لے کر سب سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں مَیں جاؤں گا"۔

اور ایک ایسا مظلوم کہ جس پر ظلم کرنے والے پر زبانِ رسولؐ سے تین مرتبہ لعنت ہوئی ہے۔

مَلْعُوْن ، مَلْعُوْن ، مَلْعُوْن

"لعنت ہے، لعنت ہے، لعنت ہے"۔

یہ کون سا ظلم ہے اور یہ کون مظلوم ہے؟ یہ ظلم ہے بیوی کا حق ادا نہ کرنا، اور یہ مظلوم ہے وہ مومنہ، جو کسی ایسے آدمی سے شادی کرنے کی غلطی کر بیٹھی جس کے دل میں نہ خدا کا خوف ہے، اور نہ رسولؐ کی شریعت کا احترام ہے۔

یہی تو مظلومہ ہے کہ جس کے بارے میں ذاتِ رسالتؐ نے ارشاد فرمایا:

"میں روزِ قیامت، اس کی طرف سے وکیل بن کر اس کا مقدمہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کروں گا"۔

مَلْعُوْن ، مَلْعُوْن ، مَلْعُوْن

"تین مرتبہ لعنت ہو اس پر اللہ کی ، جو اپنے اہل وعیال کے حقوق کو ضائع کرتا ہو اور ان کے ساتھ بہتر سلوک نہ کرتا ہو"۔

پیغمبرِ اسلامؐ کا فرمان ہے:

"تم میں سے ایمان کے اعتبار سے سب سے بہتر وہ ہے جو

اپنے گھر والوں کے حق میں سب سے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں سے سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں"۔

پیغمبرؐ اسلام کا فرمان ہے:

"جب تم کسی عورت کو منتخب کرو، اس سے عقد کے لیے تو تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اس کی عزت بھی کرو اور اس کا احترام بھی کرو"۔

حکم دیا جا رہا ہے: مومن کو ایک ایسا کہ شاید وہ اس کو اپنی مردانگی کے خلاف سمجھے۔ میں اور بیوی کی عزت کروں؟

مگر رسولؐ کہہ رہے ہیں کہ ہاں! جب تم نے ایک عورت کا انتخاب کیا ہے اور اس سے تزویج کی ہے، تو اب تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اس کی عزت کرو، اس کا احترام کرو۔

اور یہ تو آپ نے سنا، ایمان اس وقت کامل ہوگا کہ جب تم اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ جتنا بہتر سلوک کرتے جاؤ گے، اتنا ایمان بڑھتا چلا جائے گا۔

ایک بہت ہی مشہور واقعہ جو میں کئی مرتبہ سنا چکا ہوں، اس لیے اس کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ پیغمبرؐ کے اس جلیل القدر صحابی کا جس کا نام سعد ابن معاذ تھا۔ اور جو جنگِ خندق میں ایک زخم کے نتیجے میں زخمی ہو کر چند مہینے بعد شہید ہوئے تھے۔ جن کے بارے میں روایت ہے کہ ان کا انتقال ہوا تھا۔ اللہ کے رسولؐ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اس حالت میں کہ پیغمبرؐ کے پاؤں کا اگلا حصّہ زمین پر تھا۔ اور پچھلا حصّہ اُٹھا ہوا تھا۔

لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ اس طرح کیوں کھڑے ہیں؟

کہا: خدا کے حکم سے، ستر ہزار ملائکہ اس نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے اتنی جگہ نہ رہی کہ میں اطمینان کے ساتھ کھڑا ہو سکوں۔

یہ وہی سعد ابن معاذ ہیں جن کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے پہلے اللہ کے رسولؐ نے ستر مرتبہ تکبیر کی آواز بلند کی تھی۔

اور جب لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے نماز سے پہلے ستر مرتبہ تکبیر کیوں کہی؟

کہا: ہر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک ایک ہزار فرشتوں کی جماعت آسمان سے اُتر رہی تھی اور ہر ہزار فرشتوں کے اُترنے پر میں تکبیر کہہ رہا تھا۔

یہ پیغمبرِ اسلام کے وہی صحابی ہیں کہ پہلی مرتبہ ان کے جنازے میں اسلام کی سنت قرار پائی۔ اور وہ یہ کہ اللہ کے رسولؐ نے ان کے جنازے کو، ایک طرف سے کاندھا نہ دیا بلکہ کبھی آگے گئے، کبھی پیچھے گئے، کبھی دائیں آئے، کبھی بائیں آئے۔

پوچھا گیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ اس طرح سے جنازے کے گرد گھوم کر کندھا کیوں دے رہے ہیں؟

کہا: جبرئیلؑ اور میکائیلؑ بھی اس کو کاندھا دینے والوں میں شامل ہیں جب وہ آگے آتے ہیں۔ تو میں پیچھے آتا ہوں، جب وہ پیچھے آتے ہیں تو میں آگے آتا ہوں۔ وہ دائیں طرف ہوتے ہیں تو میں بائیں طرف آتا ہوں، وہ بائیں طرف ہوتے ہیں تو میں دائیں طرف آتا ہوں۔

یہ وہی صحابی رسولؐ ہیں کہ جن کے بارے میں پیغمبرؐ کا فرمان ہے:

"تمہاری شفاعت سے اللہ اتنے لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ جتنا اس پورے قبیلے کے جانوروں کے جسم پر موجود

بالوں کی تعداد ہے"۔

سعد ابن معاذ کو جنت البقیع کے قبرستان میں قبر میں اُتارا جا رہا تھا، تو پیغمبرِ اسلام خود قبر میں اُترے تھے۔ سعد کی لحد کو صحیح کیا تھا۔ اینٹوں میں کچھ شگاف تھے جن کو پیغمبرؐ نے اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈال کر بند کیا تھا اور کہا تھا:

"اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ قبر خراب ہونے والی ہے۔ لیکن خدا ہر بندۂ مومن سے یہ تقاضا کرتا ہے، کہ وہ ہر کام بہتر اور مضبوط سے مضبوط اور اچھے سے اچھا کرے"۔

جب سعد کی قبر بند ہوگئی تو ماں نے، جو وہی کھڑی تھی ایک مرتبہ کہا: اے سعد! تمھیں جنت مبارک ہو۔

ماں کو یقین تھا کہ جس کے اتنے فضائل ہیں، جس کے بیٹے کو رسولؐ نے کاندھا دیا اور نماز پڑھائی یقینی طور پر وہ جنتی ہوگا۔

پیغمبرؐ نے ایک مرتبہ فقط اتنا کہا:

"اے سعد کی ماں! تو نے کیسے اپنے بیٹے کو جنت کی خوشخبری سنائی، جبکہ ابھی وہ فشارِ قبر کی سختی میں گرفتار ہوا"۔

گھبرا کے لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! ایسے صاحبِ فضیلت شخص پر بھی فشارِ قبر کا عذاب آیا؟

کہا: ہاں! آیا۔

پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! کیوں آیا؟

جواب دیا: اس لیے کہ یہ اپنی بیوی کے حقوق کو صحیح طور پر ادا نہ کرتا تھا، اور اس سے بداخلاقی سے پیش آتا تھا۔

اپنی بیوی سے بداخلاقی سے پیش آتا تھا، تو پیغمبرِ اسلام کہہ رہے ہیں کہ وہ

صحابی جس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شرکت کریں۔ چونکہ بیوی کے ساتھ بداخلاق تھے اس لیے اس عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔

اس لیے پیغمبرؐ اسلام نے کہہ دیا:

"میرے ماننے والوں میں سب سے بہتر وہی ہے، اور میرے ماننے والوں میں سب سے زیادہ کامل الایمان وہی ہے جو اپنی بیوی اور گھر کے حقوق کو پورا کرتا ہے، ان پر ظلم نہیں کرتا ہے"۔

اس کے بعد نہ صرف یہ کہا، بلکہ یہ بھی بتایا کہ کس انداز سے گھر والوں کا حق ادا کیا جائے گا، کس انداز سے بیوی کے حق کو پورا کیا جائے۔

راوی کہتا ہے: میں اپنے ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے دیکھا امامؑ نے چہرے پہ خضاب لگا رکھا ہے۔ میں نے حیران ہوکر پوچھا: اے فرزندِ رسولؐ! آپ نے چہرے پہ خضاب لگایا ہے؟

کہا: ہاں! کیا تمھیں نہیں پتا کہ سر کے بال، چہرے اور لباس کی زینت تمہاری بیویوں کو پاک دامنی کی طرف راغب کرتی ہے؟ کیا تمھیں پتا نہیں کہ تمہاری زینت تمہاری بیویوں کو پاک دامن رہنے کی تلقین دلاتی ہیں۔

بس ___!

اتنا عرض کرتا ہے کہ جب راوی نے اس بات کو پوری طرح نہ سمجھا، تو پیغمبرؐ اسلام کے اس جانشین نے کہا:

اتنا بتاؤ کہ اگر تمہاری بیوی مَیلی، کثیف بالوں کے ساتھ ہو تو کیا تم پسند کرو گے؟

کہا: نہیں، اے فرزندِ رسولؐ!

بس ___!

معصوم امامؑ نے فرمایا: یہی تمہاری بیویوں کی بھی خواہش ہوتی ہے۔ تمہارا فریضہ ہے کہ اپنے آپ کو اس انداز سے رکھو کہ دیکھ کر تنفر نہ ہو، نفرت نہ ہو۔

یہ گھر والوں کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو بہتر بناؤ گے تو تمہاری بیوی پاک دامن رہے گی۔

تو فرزندِ رسولؐ نے یہ بتایا کہ کس انداز سے حق ادا کرنا ہے۔ اور اس کے بعد ایک طویل روایت میں امامؑ نے عورتوں سے خطاب کر کے انھیں بتایا: کس انداز سے انھیں اپنے شوہروں کی خدمت کرنا ہے۔

اب اتنا حق ہے کہ حق ادا نہ کرنے والے سے پیغمبرؐ نے کہا: ''لعنت ہو، لعنت ہو، لعنت ہو''۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ پیغمبرِ اسلام کی وہ وصیت بھی ہمارے سامنے آتی ہے جس میں اللہ کے رسولؐ نے امیر المومنینؑ کو ڈیڑھ سو نصیحتیں کی ہیں، لیکن ان میں سے ایک نصیحت جو بالکل ابتدا میں ہے:

> ''اے علیؑ! خدا اس بندۂ مومن کو منہ کے بل جہنم میں ڈالے گا جو اپنی بیوی کی اطاعت کرتا ہے''۔

مولا علیؑ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! وہ اطاعت کیا ہے؟

پیغمبرِ اسلام نے ارشاد فرمایا: اے علیؑ! شوہر کا اپنی بیوی کی اطاعت کرنے کا مطلب یہ ہے اس کی بیوی ایسا لباس پہن کر جس سے اس کا جسم ظاہر ہو رہا ہو، اس لباس کا تقاضا کرے اور شوہر اس کو اجازت دے دے باہر جانے کی۔ تو ایسے شخص کو خدا منہ کے بل جہنم میں ڈالے گا۔

یہ اللہ کا رسولؐ امیر المومنینؑ سے کہہ رہا ہے: اس کے بعد میرے مولاؑ کا ایک فقرہ سنیں:

ایک مرتبہ کوئی سوال کرتا ہے امیرالمومنینؑ سے: یا علیؑ! آپ یہ بتایئے کہ آپ نے بی بی فاطمہؑ کو کیسا پایا؟

اب فاطمہؑ، علیؑ کے لیے کیسی تھی، اس کے لیے ایک ہی فقرہ کافی ہے: جب شہزادی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی اطلاع میرے مولا کو ملی، تو بس! یہ کہہ کر کمر کو پکڑ لیا تھا اور کہا: اَلْآنَ اِنْکَسَرَ ظَهْرِی۔

یا یہ جملہ کربلا کے میدان میں عباسؑ کی شہادت پر امام حسینؑ نے کہا تھا۔ یا یہ جملہ آج مدینے کے اندر جناب فاطمہؑ کے دنیا سے رخصت ہو جانے پر میرے مولاؑ کی زبان سے نکلا تھا: ''آج فاطمہؑ کے جانے سے میری کمر ٹوٹ گئی ہے''۔

تو کتنا سہارا دیا ہے فاطمہؑ نے، کتنا آرام دیا ہے فاطمہؑ نے، کتنا سکون پہنچایا ہے فاطمہؑ نے کہ کائنات کا مشکل کشا کہتا ہے: میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔

پھر سوال کرنے والا پوچھتا ہے: یا علیؑ! آپ نے فاطمہؑ کو کیسا پایا؟

فرمایا: نِعْمَ العَوْنِ فِی العِبَادَةِ۔

''وہ عبادت میں میری بہترین مددگار تھیں''۔

عبادت کا مطلب سجدہ نہیں، عبادت کا مطلب نماز نہیں، عبادت کا مطلب روزہ نہیں، عبادت کا مطلب ہے:

اَلعِبَادَةُ هُوَ الْاِطَاعَةُ

''خدا کی اطاعت کرنا عبادت ہے''۔

تو جناب فاطمہؑ کی بہترین فضیلت جو میرے مولاؑ نے بیان فرمائی کہ ''فاطمہؑ میرے لیے عبادت میں بہترین مددگار تھیں''۔

یعنی اطاعتِ خدا میں فاطمہؑ میری بہترین مددگار تھیں۔ اور مددگار کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے، کہ اگر وہ آدمی جس کی مدد کی جارہی ہے، وہ کہیں کمزور

پڑ جائے، اس کے قدم اُکھڑ جائیں، کہیں اس کا حوصلہ جواب دے دے، تو مددگار وہی تو ہے جو آگے بڑھ کر اسے سہارا دے، آگے بڑھ کر اسے ہمت دلائے۔

تو کل میں نے عرض کیا تھا: دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے خاندانوں کا منظر یہ نظر آتا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے کہنے میں ہوتے ہیں۔ اور اب اگر محبانِ اہلِ بیتؑ کے یہاں بھی منظر نظر آئے تو خاندان کی عورتوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی، اپنے مردوں کی اور خصوصیت سے بیویاں اپنے شوہر کی مددگار بنیں۔

مددگار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ راہِ خدا پر چل رہے ہیں تو ان کا ساتھ دیں۔ اور اگر راہِ خدا پر نہیں چل رہے، یعنی ان کے قدم اُکھڑ گئے ہیں تو مددگار کا مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ بھاگ رہا ہے تو یہ بھی بھاگ کر چلا آئے۔ مددگار کا مطلب یہ ہے کہ اسے روکے، اسے حوصلہ دلائے، اسے قوت دے اور اسے مزید آگے بڑھنے کا جذبہ عطا کرے۔

تو اب اگر شوہر واقعاً مطیع ہے۔ احکاماتِ خدا کا، تو بیوی کی بہترین صفت کیا ہوئی۔ وہ اپنے شوہر کا ساتھ دیتی رہے اور اگر شوہر کہیں خدا کی نافرمانی پر تُلا بیٹھا ہے، احکاماتِ خدا کو اپنے پاؤں تلے روندرہا ہے، شریعت کو اُٹھا کر پیٹھ کے پیچھے ڈال رہا ہے، تو بہترین مددگار بیوی کس طرح سے ہو کہ مسلسل وہ اپنے شوہر کو شریعت کے راستے پر چلنے کی تاکید کرتی رہے۔

تو بہر حال____!

بات ہو رہی تھی، تاریخ لکھتی ہے کہ مختارؓ نے پیشن گوئی کی اس محبِ اہلِ بیتؑ کی رہائی کی جو کوفہ میں معلم تھا، اور اس کو بھی قید میں ڈالا گیا۔ اس کو مختارؓ نے کہا تھا کہ تیری رہائی کا پروانہ آ گیا ہے، تجھے آزاد کرانے والا پہنچ گیا ہے۔

دروازہ کھلا، ایک مرتبہ داروغہ زندان داخل ہوا۔ کہا: حاکم کا حکم آ گیا ہے،

اب آپ آزاد اور رہا ہیں۔

وہ آدمی اتنی مہلت مانگتا ہے کہ آخری مرتبہ اپنے ساتھیوں سے الوداع کرے۔ امیر مختارؓ کی فقط اتنی فرمائش ہے کہ ہو سکے تو کاغذ، قلم اور دوات کا انتظام کر دینا۔ اگر میں آزاد ہو کر اس قابل ہوا کہ تجھے اجر دوں ورنہ خدا اور اس کا رسولؐ تجھے اجر دیں گے۔

معلمِ کوفہ نے ایک مرتبہ وعدہ کیا کہ میں یہ کام ضرور کراؤں گا۔

یہاں سے نکال کر سیدھا ابن زیاد کے دربار میں لے جایا گیا۔

ابن زیاد نے کہا: اے معلمِ کوفہ! اس وقت تو میں تمہیں اپنی بیٹی کی سفارش پر رہا کر رہا ہوں، لیکن یاد رکھ! آئندہ اگر تو نے یہ گناہ کیا یعنی قاتلانِ امامؑ پر لعنت کی آئندہ اگر تو نے یہ گناہ کیا تو اس کے بعد پھر میں کسی کی سفارش تیرے حق میں نہ سنوں گا۔

وہ محبِ اہلِ بیتؑ ایک مرتبہ کہتے ہیں: اے حاکم! میں نے تو اب طے کیا ہے کہ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جاؤں گا، تاکہ نہ لوگوں کے سامنے آؤں اور نہ اس قسم کی بات ہو۔

ابن زیاد سے رخصت ہو کر گھر آئے اور فکر و پریشانی یہ ہے کہ کس طرح اپنے وعدے کو پورا کریں۔

معلوم ہے کہ مختارؓ کو سات سال کی سزا سنائی گئی ہے، اور سات سال سے پہلے وہ اس قید خانے سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں، لیکن وعدہ کر کے آیا ہوں اب کس طرح سے اس وعدے کو پورا کیا جائے۔ ذہن میں ایک خیال آیا لیکن ان کو یہ معلوم تھا کہ اس وقت تک میں یہ کام نہیں کر سکتا جب تک کہ میرے گھر کا راز میرے گھر سے باہر نہ نکلے۔ چنانچہ سب سے پہلا ارادہ یہ کیا کہ بیوی کو طلاق دے دی جائے تاکہ اس

کے بعد گھر میں کوئی ایسا آدمی نہ رہے، جس کے بارے میں احتمال ہو کہ وہ اندر کی بات پہنچائے گا۔

اب یہاں پر تاریخ میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ بیوی کا مہر ادا کر کے بیوی کو طلاق دے دی، اور بیوی نے طلاق لے لی اور بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ بیوی نے طلاق لینے سے انکار کیا، اور کہا: آخر تم مجھے طلاق کیوں دے رہے ہو؟

اس نے کہا: اہلِ بیت رسالت کا ایک کام مجھے انجام دینا ہے اور مجھے خوف ہے کہ اگر میرے گھر کی یہ بات باہر نکل گئی، تو اس کے بعد جان کا خوف نہیں ہے، یہ کام نامکمل رہ جائے گا۔

بیوی نے کہا: میں بھی آلِ محمدؐ کی ماننے والی ہوں اور ہر طرح سے تمہارا ساتھ دوں گی۔

جب بیوی پر پورا یقین ہوگیا تو بیوی کو گھر میں رکھا، بلکہ اس کے مشورے سے پہلا قدم یہ اُٹھایا، یہ سوچا کہ یہ کام اس وقت تک ہوسکتا ہے کہ جب تک قیدخانے کا داروغہ میرا ساتھ نہ دے۔ چنانچہ اب اس داروغہ سے تعلقات بڑھاتا تھے۔

تو بہرحال ــــــ!

چاہے پہلے والی روایت ٹھیک ہو، یا بعد والی روایت صحیح ہو۔ روایت یہ بتاتی ہے کہ ایک رات کو ایک رومال لیا۔ اس کے ایک کونے میں پانچ سو اشرفیاں دوسرے کونے میں ایک ہزار درہم باندھے۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا گوسفند ذبح کر کے اس کے گوشت کو بھنوایا اور بہت ساری روٹیاں اور پھل لے کر چلے۔ داروغۂ زندان کے دروازے پر پہنچے، دستک دی۔ وہ خود موجود نہ تھا۔ بیوی نے سوال کیا: کون؟ کہا: میں کوفے کا معلّم ہوں اور میں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر میں رہا

ہو گیا تو کھانا کھلاؤں گا تیرے شوہر کو۔ یہ منت پوری کرنے کے لیے میں آیا ہوں۔
یہ کہہ کر سارا سامان گھر کے اندر بھجوایا اور واپس آ گئے۔ جب اس کا شوہر پلٹ کر آیا تو بیوی نے پورا واقعہ سنایا۔ وہ سمجھ گیا اور کہا: مجھے لگ رہا ہے کہ یہ شخص مجھ سے کوئی کام لینا چاہتا ہے، جس کی وجہ سے اس نے اس طرح سے مجھ پر احسان کیا ہے۔

اگلا دن آیا، دوبارہ یہ سارا سامان لے کر پہنچے۔ دروازے پر دستک دے کر فقط اس کی بیوی سے اتنا کہا کہ منت پوری کر رہا ہوں۔

بیوی نے لے کر رکھ لیا۔ جب صبح کو شوہر آیا تو پھر اسے پتہ چلا۔ اس نے کہا کہ یہ شخص مجھے بہت شریف اور نیک لگ رہا ہے۔ اب تو یہ مجھ سے جس کام کے لیے کہے، یہاں تک کہ اگر سب سے خطرناک مجرم مختارؓ کی رہائی کے لیے بھی کہے، تو بھی میرا فرض ہے کہ میں اس کی بات کو مانوں۔

تیسرے دن اب یہ آدمی چھٹی کرتا ہے۔ داروغہ دن چھٹی کرتا ہے، تیسرا دن آتا ہے، تیسرے دن پھر وہ محبِ اہلِ بیتؑ ، وہ ساز و سامان لے کر پہنچا، آج جو دروازے پر دستک دی تو وہ خود نکل کر آیا۔

کہا: اے شخص! تو ہے کون؟ تیرا مقصد کیا ہے؟

کہا: میں نے منت مانی تھی اس کو پورا کر رہا ہوں۔

داروغہ کہتا ہے: اے شخص! جو کچھ تیرا کام ہے تو مجھے بتا دے، میرا وعدہ ہے کہ میں پورا کروں گا۔ چنانچہ اس محبِ اہلِ بیتؑ نے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا: اس طرح میں مختار سے ایک وعدہ کر کے آیا ہوں۔ میں مختارؓ کی آزادی میں تیری مدد نہیں چاہتا۔ فقط یہ کاغذ اور قلم پہنچوانا ہے۔ قید خانے کے داروغہ نے سر جھکا لیا۔

کہا: ابن زیاد نے چالیس افراد کو مقرر کیا۔ مختارؓ کی نگرانی پر جن میں ایک میں بھی ہوں، وہاں جانا تو بڑا مشکل کام ہے لیکن خیر! یہ کام تو کرنا پڑے گا۔

اچھا! ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ تو کھانا پکوا اور یہ ایسا کھانا تھا، جو عرب میں پسندیدہ سمجھا جاتا تھا، اور ساتھ ساتھ پھل بھی لے اور ایک پھل کے اندر ہلکا سا شگاف دے کر چھوٹا سا قلم ڈال دے۔ دوسرا پھل لے کر اس میں کاغذ ڈال دے اور بادام لے کر ان میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کر کے روشنائی بھر دے۔ یہ سارا سامان لے کر کل میرے پاس آ، اور جب کل تم میرے پاس آنا تو کہنا کہ میں نے منت مانی تھی کہ جب رہا ہوں گا، تو اس قید خانہ کے قیدیوں کو کھانا کھلاؤں گا۔

بس ___ !

یہ سن کر میں تجھے ماروں گا، اور اس کے بعد میں تجھ پر حملہ کروں گا اور ساتھ ساتھ چیختا جاؤں گا کہ تو کیوں ہماری ہلاکت چاہتا ہے۔ میں تجھے اتنا ماروں گا کہ دیکھنے والوں کے دل میں خود بخود رحم آ جائے گا۔ چونکہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں جو ایک کرے گا تو دوسرا اسی کے اُلٹ کرے گا۔

جب وہ کہیں گے کہ کیوں اس کو مارتا ہے؟ تو میں کہوں گا: دیکھتے نہیں؟ اس نے کتنا بڑا غضب کیا ہے۔ یہ کھانا لے کر آیا ہے۔ اگر حاکم کو اطلاع مل گئی تو ہم سب مار دیئے جائیں گے۔ جب میں کھانا بھجوانے کی مخالفت کروں گا تو چونکہ وہ سب میرے مخالف ہیں، وہ کہیں گے تجھے کیا ہو گیا ہے اس بوڑھے آدمی کی اتنی سی بات بھی نہیں مان سکتے۔

اس کے بعد میں تیرا کام کر دوں گا۔

اب اگلا دن آیا اور یہ محبِ اہلِ بیتؑ کھانا تیار کراتا ہے۔ اور اس کے بعد لے کر چلا قید خانے کی جانب۔ جیسے ہی قید خانے کے دروازے پہ کھانا رکھا۔ ایک مرتبہ چالیس آدمیوں کی جماعت نے دیکھا۔

داروغہ آگے بڑھا اور کہا: اے شخص! یہ کیا چیز لایا ہے؟

اس نے کہا: میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میں قید سے رہائی پا گیا تو سب قیدیوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اس لیے میں لے کر آیا ہوں کہ آپ سارے قیدیوں کو کھانا کھلادیں۔

بس ___!

اتنا سننا تھا کہ وہ داروغہ دوڑتا ہوا آیا اور اس کو مارنا شروع کر دیا۔ اتنا مارا کہ اس کے جسم سے خون نکل آیا۔

اب ان چالیس آدمیوں نے یہ منظر دیکھا اور کہا: یہ تو کیا کر رہا ہے؟

داروغہ نے کہا: دیکھتے نہیں؟ اس نے ہماری موت کا انتظام کیا ہے۔ اگر حاکم کو اطلاع مل گئی تو وہ ہم سب کو مار دے گا۔

سارے آدمی کہنے لگے: اتنا بوڑھا آدمی، سارے کوفے پر اس کا احسان ہے۔ کوفہ کے آدھے بچے اس نے پڑھائے ہیں۔ یہ بے چارہ اگر کھانا لے کر آ بھی گیا ہے تو اس میں اتنا غصہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے نذر مانی ہے، پوری کرنے کے لیے۔

داروغہ نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے، حاکم کو اطلاع مل گئی تو ہم سب قتل کر دیے جائیں گے۔

ان آدمیوں نے کہا: بتائے گا کون؟ ہمارے سوا یہاں اور کون ہے؟ ہم سب کے سب راضی ہیں کہ یہ کھانا اندر چلا جائے۔

اب سب راضی ہو گئے، کھانا اندر لے جایا گیا۔ یہاں تاریخ کا پھر اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ دروازہ کھولا داروغہ نے، وہ کھانا لے کر اندر گیا۔ تقسیم کرتے کرتے وہ پھل جس کے اندر کاغذ اور قلم پوشیدہ تھے، اور وہ بادام جن کے اندر روشنائی بھری ہوئی تھی، وہ لے جا کر مختارؓ کے سامنے رکھے، اور جیسے ہی یہ کھانا رکھا

ویسے ہی ابن زیاد داخل ہو گیا۔

اور بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ جس وقت یہ بات طے پائی تھی اور سب راضی ہو گئے تھے تو قفل کھلنے سے پہلے ہی جیسے ہی یہ کھانا اُٹھایا گیا تھا، تا کہ قید خانے میں لے جایا جائے۔ فوراً ابن زیاد آیا اور آتے ہی اس نے داروغہ کو پکڑا، اور سپاہیوں کو کہا: اس کو مارو اور ساتھ ساتھ اس بوڑھے کو بھی مارو جس کو میں نے اپنی بیٹی کے کہنے پر رہائی دی تھی۔

بیس سپاہی ٹوٹ پڑے اور دونوں کو مارنا شروع کر دیا۔ اتنا مارا کہ موت قریب آ گئی۔ ایک مرتبہ داروغہ پکار کر کہتا ہے: اے حاکم وقت! تو ہمیں ہمارا قصور تو بتا۔

کہا: مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو، کیا مجھے پتہ نہیں کہ تمھاری سازش کیا ہے، اور تم کس طرح مختارؓ تک یہ چیزیں پہنچانا چاہتے تھے۔

کہا: اے ابن زیاد! خالی سُنی سنائی بات پر تجھے بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ ہماری تلاشی لے لے۔ اگر کوئی چیز نکل آئے تو ہماری گردن کو اُڑا دینا۔

پہلی روایت کے مطابق مؤرخین کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کہا: ہم بھی یہاں ہیں، کھانا بھی یہاں ہے اور مختارؓ بھی یہاں، ہم تینوں کی تلاشی لے لے۔ اگر کوئی چیز نکل آئے تو ہم جان دینے کو تیار ہیں۔

اب ابن زیاد نے تلاشی لینا شروع کی اور دل ہی دل میں یہ دعا مانگ رہے ہیں۔ اے خدا! تجھے آل محمدؐ کا واسطہ، ہم آل محمدؐ کے کام کر رہے ہیں، ہمیں کامیاب بنا۔ اُدھر ابن زیاد نے تلاش کیا، مایوس ہو گیا، کوئی چیز نہ ملی۔

اور بعض روایات میں یہ ہے کہ جیسے ہی یہ کھانا مختارؓ کے سامنے پہنچا تھا تو مختارؓ نے فوراً یہ تینوں چیزیں چھپا لیں۔

اب ابن زیاد بھی ایک مرتبہ حیران ہوا اور ان کی ہمت بڑھی۔ داروغہ نے کہا:

اے ابن زیاد! اتنا تو بتا دے کہ تمھیں کس نے ہمارے بارے میں گمراہ کیا ہے؟

ابن زیاد کہتا ہے: یہ جو تیرا بیٹا تھا اس نے آ کر مجھے یہ اطلاع دی ہے۔ اب تاریخ یہ بتاتی ہے، داروغہ کا ایک بیٹا جو اس کا اپنا بیٹا نہیں تھا۔ ایک مرتبہ یہ جا رہا تھا کہ سڑک پر ایک بچہ پڑا ہوا رو رہا تھا۔ چنانچہ، اس کو رحم آیا اس کو لے کر گھر آیا، اور اس کو پالنا شروع کیا۔ جب یہ جوان ہوا تو یہ رنگین مزاج بن گیا۔ اِدھر اُدھر اس کی نگاہیں پڑنے لگیں۔ چنانچہ، داروغہ نے اس کو ڈانٹ دیا اور کہا: آئندہ اگر تو نے یہ کام کیا تو سزا دوں گا۔

اب ابن زیاد نے کہا: اے داروغہ! تم تو واقعاً بے گناہ لگتے ہو، اور ابن زیاد نے اس لڑکے کو قتل کر دیا اور واپس چلا گیا۔

اب وہ محبِ اہلِ بیتؑ واپس چلا، اپنے گھر میں آیا اور داروغہ نے مختارؓ تک چیزیں پہنچائیں اور بتا دیا کہ کس چیز میں کیا چیز پوشیدہ ہے۔

مختارؓ نے کاغذ، قلم اور دوات نکال کر دو خط لکھے۔ روایت میں یہ ہے کہ مختارؓ کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔

ایک بہن عمر ابن سعد کے عقد میں تھی، اور ایک بہن عبداللہ ابن عمر کے عقد میں تھی۔ عبداللہ ابن عمر کی کافی عزت تھی، یزید کی نگاہوں میں۔

مختارؓ نے اپنے بہنوئی عبداللہ ابن عمر کے نام خط لکھا اور اپنی بہن کے نام بھی خط لکھا جس میں تفصیل بتائی کہ میں کس طرح سے قید ہوں، اور مجھ پر کیا کیا مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔

یہ خط اگلے روز داروغۂ زندان کو ملتے ہیں اور وہاں سے یہ خط اسی معلم کوفہ کو ملتے ہیں۔

اب معلم کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے، کہ کس طریقہ سے کوفہ چھوڑ کر مدینے تک جائیں اور مختارؓ کے بہنوئی کو بتائیں کہ کیا ہوا ہے۔

اب معلم کے ذہن میں ایک منصوبہ آیا اور وہ یہ کہ احرام کا لباس پہنا اور ابن زیاد کے محل کے قریب سے گزرے اور زور زور سے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کا جملہ کہتے ہوئے گزرے۔ یہاں تک کہ ابن زیاد کے کان میں آواز گئی۔

گھبرا کر کہا: ابھی تو حج میں کئی مہینے باقی ہیں، یہ کون ہے؟

سپاہی گئے اور آ کر کہا: کوفہ کا معلم ہے، اور وہ آپ سے ملنا بھی چاہتا ہے۔

ابن زیاد نے بلایا، کہا: خیریت تو ہے؟ کہاں جا رہے ہو؟

کہا: اے ابن زیاد! میں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر قید سے آزاد ہو گیا تو میں مکے جا کر حج کروں گا۔

ابن زیاد نے کہا: اے شخص! تو نے کتنی ساری منتیں مان رکھی تھیں؟

اس کے بعد ابن زیاد نے کہا: خالی مکے جاؤ گے، یا مدینے جانے کا پروگرام بھی ہے؟

کہا: اے ابن زیاد! میں مکمل حج کرنے کے لیے جانا چاہتا ہوں، کیونکہ حج مکمل ہو نہیں سکتا اس وقت تک جب تک کوئی روضۂ رسولؐ پر جا کر حاضری نہ دے لیکن ابن زیاد سے یہ نہیں بتایا کہ مدینے جانا چاہتا ہوں۔

ابن زیاد نے ایک ہزار درہم اُٹھا کر دیے، کہا: یہ تیرا سفر خرچ ہے اور اس کے بعد معلم رخصت ہو گئے۔

معلم مدینے میں پہنچے، مدینہ میں پہنچنے کے بعد پہلا کام یہ کیا، ایک مرتبہ عبداللہ ابن عمر کے دروازے پر دستک دی۔ دوپہر کا وقت تھا، دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ عبداللہ ابن عمر اپنی بیوی سے کہہ رہے تھے کہ آ جاؤ، کھانا آ چکا ہے۔

اور وہ کہہ رہی تھی: میں اس وقت تک لذیذ کھانے نہیں کھاؤں گی جب تک مجھے میرے بھائی مختارؓ کی اطلاع نہ ملے۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، کنیز جا کر آتی ہے اور کہتی ہے کہ کوئی شخص کوفے سے آیا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

کوفہ کا نام سنا، تو ایک مرتبہ مختارؓ کی بہن بے چینی سے کہتی ہے کہ جاؤ اور اس سے ملاقات کرو، شاید اس کے پاس میرے بھائی مختارؓ کی کوئی خبر ہو۔

عبداللہ ابن عمر دروازے پر آئے، دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی دروازے پر آیا ہے۔ پوچھا: آپ کس لیے آئے ہیں؟

کہا: میں آپ کے پاس مختارؓ کا خط لے کر آیا ہوں، جو کہ اس وقت کوفے کے قیدخانے میں قید ہیں۔ یہ کہہ کر دونوں خط عبداللہ ابن عمر کو دیئے۔ عبداللہ ابن عمر نے خط لیے۔ بیوی سے کہا: مختارؓ زندہ ہیں، لیکن قیدخانے میں ہیں۔ میرے پاس خط آیا ہے۔

بیوی نے کہا: میں خود جا کر اس آنے والے سے دریافت کرتی ہوں کہ میرا بھائی کس حال میں ہے۔

مختارؓ کی بہن ایک مرتبہ کمرے میں آئی اور کہا: اے کوفہ کے بزرگ! مجھے بتا کہ میرا بھائی کس حالت میں ہے؟

معلم نے سب کچھ بتا دیا۔

بس ــــــ!

اتنا سننا تھا کہ غم کے مارے بے چین ہوگئیں۔ روایت یہ ہے کہ دوڑتی ہوئی کمرے کے اندر گئی۔ چادر کو اُتار کر پھینکا اور اپنے بھائی پر اتنا روئی کہ روتے روتے بے ہوش ہوگئی۔ ایک مرتبہ بیٹیوں نے یہ منظر دیکھا۔ ماموں کی خبر پائی، بیٹیوں نے

بھی ماں کی طرح غم منایا۔

اب اس زوجہ نے کہا: آپ کو میرے بھائی کی آزادی کا انتظام کرنا پڑے گا۔ عبداللہ ابن عمر کو اتنا مجبور کیا کہ انھوں نے کہا: میں ابھی خط لکھنے کو تیار ہوں مگر کون اس وقت ملے گا، جو اس وقت مدینے سے شام جائے؟ معلم نے اس بات کو سنا اور بلند آواز سے کہا: میں اس خدمت کے لیے بھی تیار ہوں۔

اس مردِ مومن کی آواز کان میں پڑی۔ عبداللہ ابن عمر نے خط لکھا، یزید کے نام، اس خط میں لکھا:

"تجھ پر مخفی نہیں کہ میری بیوی کا بھائی تیرے کوفہ کے حاکم کے قید خانے میں ہے۔ میری بیوی اور بچوں کی حالت بہت خراب ہے، میرے جو احسانات ہیں تجھ پر، تجھے ان کا واسطہ کہ جلدی جلدی اس کی رہائی کا حکم دے"۔

اور آخر میں ایک دھمکی دی:

"اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کے بعد پھر میری تیری جنگ ہے"۔

یہ خط لکھا اور ایک تھیلی میں اپنی بیوی اور بیٹیوں کے کٹے ہوئے بال بند کیے۔ کہا: اے معلم! یہ خط بھی یزید کو دینا اور یہ بال بھی یزید کو دینا، اور کہنا کہ دیکھو! مختارؓ کے غم میں ہمارے گھر والوں کی یہ حالت ہوئی ہے۔

وہ مردِ مومن گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑتا ہوا چلا۔ یہاں تک کہ دمشق میں داخل ہو گیا۔ یہاں تک شام میں پہنچ گیا۔ جاتے ہی اس نے ایک مکان کرایہ پر لیا۔ اب روزانہ جاتا ہے یزید کے دربار میں، لیکن اسے کون داخل ہونے دے۔ اٹھارہ دن گزر گئے جاتا ہے، واپس آجاتا ہے، لیکن جب اٹھارہویں دن یہ واپس آیا اور مسجد

میں نماز پڑھ کر گھر گیا۔ تو ایک مرتبہ امام مسجد نے نمازیوں سے کہا: ہم تو آج تک یہ سمجھا کرتے تھے کہ کوفے والے بے وفا ہوا کرتے ہیں۔ لیکن آج تو ہماری وفا کا امتحان ہے۔ ایک مرد کوفی اٹھارہ دن سے مسجد میں آ رہا ہے۔

●......●......●

مجلسِ پنجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ۝ (سورہ شعراء، آیہ ۲۲۷)

سورہ مبارکہ شعراء کی اس آیت کی روشنی میں جس میں خالقِ کائنات نے ظلم کرنے والے کو اس آنے والے زمانے کی خبر دی جب اس کے ظلم کے باوجود زمانہ پلٹے گا اور وہ ندامت کا شکار ہوگا۔

اس آیہ مبارکہ کی روشنی میں کل میں نے آپ کی خدمت میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی تھی، کہ ظلم صرف اسی چیز کا نام نہیں ہے کہ تلوار لے کر کسی کی گردن اُڑا دی جائے۔ ظلم فقط اس چیز کا نام نہیں ہے کہ کسی کے گھر کو آگ لگا دی جائے۔ ظلم اس کو نہیں کہتے کہ کسی کا مال غصب کرلیا جائے، بلکہ ہر وہ گناہ کہ جس میں خدا کی نافرمانی پوشیدہ ہے، وہ ظلم ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ آدمی جو اپنے نفس، اپنی ذات اور اپنے آپ سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اپنی ذات کی خاطر، اپنے نفع کی خاطر وہ دنیا کے ہر انسان کو نقصان پہنچانے پر تیار اور آمادہ ہے۔

کبھی رُک کر اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہر وہ غلطی جو اس سے ہو رہی ہے، ہر وہ قدم جو شریعت کی مخالفت میں وہ اُٹھا رہا ہے، ہر وہ عمل جو حکمِ خدا کے برعکس وہ انجام دے رہا ہے، تو وہ اپنی ذات پر کتنا بڑا ظلم کر رہا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کتنا بڑا

نقصان پہنچا رہا ہے، تو ہر گناہ ظلم ہے، اور ہر گناہ کو انجام دینے والا اپنے آپ کے حق میں ظالم ہے۔

پیغمبرؐ اسلام کا مشہور و معروف فرمان ہے:

"ہر مسلمان پر واجب ہے کہ مظلوم کی مدد بھی کرے، اور ظالم کی مدد بھی کرے"۔

لوگوں نے حیران ہو کر سوال کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے مگر ظالم کی مدد سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

پیغمبرؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں:

"ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو اس کے ظلم سے روک دیا جائے"۔

اور کس انداز سے یہ فریضہ واجب قرار دیا گیا ہے۔ میں روایت کو بیان کرنے سے پہلے اپنے اس مجمع سے ایک بات کی معذرت ابھی سے کرلوں، کہ ہوسکتا ہے کہ بعض باتیں آپ ایسی سماعت فرمائیں جو اس سے پہلے آپ نے متعدد بار سنی ہوں گی، لیکن ان باتوں کا تکرار چند شرعی مصلحتوں کی بنا پر ہے۔

وہ مشہور و معروف روایت کو جب میرا چوتھا امام حضرت امام زین العابدینؑ پیغمبرؐ اسلام کی وہ روایت بیان فرما رہا ہے:

ایک دن میرے جدِ امجد مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ آنے والا آیا، اور سلام کرنے کے بعد اپنا ایک مسئلہ پیش کیا، کہ اے اللہ کے رسولؐ! میرے باپ کے بعد میری ماں نے گناہ کے راستے پر قدم رکھا ہے، اور کچھ مرد آتے جاتے ہیں میرے گھر میں جن کا ہم سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں ہے۔

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: جاؤ اور جا کر ان لوگوں کو منع کردو اور انھیں آگاہ کردو کہ ان کا اس حالت میں آنا اور جانا حرام اور گناہ ہے۔

یہ نوجوان جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد مایوس پلٹ کر آیا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ! ان پر تو کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ اُلٹا وہ میرا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے: تم کون ہو، ہمارے معاملے میں دخل دینے والے؟ تمہاری ماں راضی اور آمادہ ہے۔

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: اب جا اور اپنی ماں کو نصیحت کر اور اسے روک۔

جانے والا گیا اور کچھ عرصہ کے بعد پھر ناکامی کی خبر لے کر واپس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے ہر طرح سے سمجھانا چاہا مگر میری ماں پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

اب پیغمبرؐ اسلام کا یہ فقرہ جو کتاب وسائل الشیعہ میں درج ہے، پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: اب ایسے کر کہ ایک کمرے میں اپنی ماں کو قید کر دے، اور سوائے کھانے پینے اور ضروریات کے اپنی ماں کو آزاد نہ چھوڑ۔

گھبرا کر پوچھتا ہے: اے اللہ کے رسولؐ! میں اور ماں کو قید کروں؟

پیغمبرؐ اسلام نے کہا: ہاں بے شک تو اپنی ماں کی سب سے بڑی خدمت جو انجام دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ اسے قید کر بلکہ روایت میں تو یہ ہے کہ رسّی سے باندھ کر اسے قید کر۔

سننے والے نے پیغمبرؐ اسلام کی اسی زبان مبارک سے ماں کے حقوق کی اتنی تاکید سنی تھی کہ وہ اب حیران ہوتا ہے۔ اس کی سمجھ میں بات نہیں آتی ہے۔

پیغمبرؐ اسلام صرف اتنا ارشاد فرماتے ہیں: یاد رکھ! ابھی تو اپنی ماں کو قید کرے گا تو ماں تجھے بُرا بھلا بھی کہے گی، اور ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی زیادہ جذباتی ماں ہو تو بددعا دینا بھی شروع کر دے۔ لیکن جب تیری یہی ماں قبر میں جائے گی اور اسے پتا چلے گا کہ تو نے اسے جو قید کر کے جو بند کیا تھا، اسی وجہ سے وہ کتنے بڑے گناہ اور اس گناہ کے عذاب سے بچ گئی۔ تو یہی ماں قبر میں جا کر تجھے دعائیں دے گی۔

ماں جیسی عظیم ہستی کے بارے میں بھی پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ گناہ

کر رہی ہے تو اس کے حق کی ادائیگی یہ ہے، کہ اسے اس کے گناہ کرنے سے روکو۔

تو اب ظالم کی مدد بھی کرو۔ ظالم کی مدد کیا ہے؟ اسے اس کے گناہ سے روکا جائے۔ اس کے بعد دوسری منزل یہ آتی ہے کہ اگر آپ کے ماحول میں آپ کے چاروں طرف کہیں کوئی اپنے آپ پر ظلم کر رہا ہے تو آپ کا فریضہ ہے کہ اس کو آگے بڑھ کر روکیں۔

تو اب پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ اپنے آپ کی اصلاح کی جائے۔ اور دوسری ذمہ داری یہ ہے، کہ خاندان میں رشتہ داروں میں جہاں گناہ نظر آئے وہاں جائیں اور اسے روکیں۔ اور تیسری ذمہ داری پھر اس کے بعد ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہ بھی ذمہ داری آپ کی ہے، کہ ظلم اور ظالم کے خاتمے کے لیے آنے والے امامؑ کا انتظار کریں۔ اور اتنا اہم ہے یہ فریضہ کہ پیغمبرؐ کی حدیث ہے:

اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ

"عبادت میں افضل ترین عبادت یہ ہے کہ تم آنے والے امامؑ کا انتظار کرو"۔

نہ صرف یہ کہ سب سے افضل ترین عبادت ہے بلکہ جو انتظار میں دن اور رات گزارتا ہے اس کا اجر اور مقام یہ ہے۔ روایت میں درج ہے: ایک مرتبہ کوئی مومن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پہنچا اور پہنچنے کے بعد وہ اپنی تمنا پیش کرتا ہے۔ جو صاحبانِ ایمان میں سے ہر ایک کے دل میں ہوگی۔

وہ کہتا ہے: اے فرزندِ رسولؐ! مجھے بڑی آرزو اور تمنا ہے کہ کاش! میں عاشور کے دن کربلا میں ہوتا، اور لشکرِ امامؑ میں شامل ہو کر نصرت امامؑ کرتا ہوا مارا جاتا۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: کیا حقیقتاً تیرے دل میں خواہش ہے؟

کہا: ہاں مولاؑ! یہ میری دلی تمنا اور آرزو ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اگر حقیقتاً ایسا ہی ہے تو سمجھ لے کہ تو کربلا میں تھا، سمجھ لے کہ تو لشکرِ امامؑ میں تھا۔ اور سمجھ لے کہ تو امامؑ کی نصرت کرتا ہوا شہید ہوا۔ تجھے وہی اجر وثواب ملے گا، اور وہ فضیلت ملے گی جو کربلا والوں کے لیے ہے۔

اور نہ صرف اتنا بلکہ امامؑ نے ایک اور بات ارشاد فرمائی: اگر حقیقت میں تیرے دل میں یہ تمنا ہے تو جب وہ وقت آئے گا کہ جب کربلا والے دوبارہ دنیا میں آئیں گے، جب دوبارہ امام حسینؑ دنیا میں آئیں گے، جب دوبارہ یزید اور لشکرِ یزید کو پیدا کیا جائے گا، اور جب دوبارہ جہادِ کربلا کا شروع ہوگا۔

جس میں ایک طرف امام حسینؑ اپنے لشکر کے ساتھ ہیں، ایک طرف یزید اپنی فوج کے ساتھ ہے۔ تو وہ تمام مومنین جنھوں نے کربلا میں ہونے کی تمنا کی تھی، اور دن رات اس خواہش میں گزارے تھے، ان سب کو قبروں سے اُٹھا کر لشکرِ امام حسینؑ میں شامل کیا جائے گا۔

وہ ۶۱ ہجری کی کربلا میں نہ ہو سکے تھے، انھیں اس کا ثواب اور فضیلت تو ملی لیکن ساتھ ساتھ زمانہ رجعت میں جب امامِ حسینؑ دوبارہ آئیں گے، تو وہ لشکرِ امامؑ میں شامل کیے جائیں گے۔

میرے مولاؑ ارشاد فرماتے ہیں:

"دو تمنائیں ایسی ہیں جس کا کرنے والا جب یہ تمنا کرے گا تو خدا اس کو پورا کرے گا: پہلی تمنا یہی ہے کہ کاش میں کربلا والوں کے ساتھ ہوتا"۔

اور دوسری تمنا میرا چھٹا امامؑ اس روایت کے آخر میں بیان کر رہا ہے:

"اگر کسی کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کاش! جب امامؑ ظاہر ہوں

تو کاش میں اس وقت موجود ہوں، کاش! میں لشکرِ امامؑ میں شامل ہو جاؤں"۔

تو میرا چھٹا امامؑ کہہ رہا ہے:

"جس کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی تو وہ ثواب اور فضیلت کے اعتبار سے ایسا ہے کہ گویا وہ لشکرِ امامؑ میں شامل ہو گیا۔ اب اسے وہی ثواب ملے گا، اسے وہی فضیلت ملے گی جو ظہورِ امامؑ کے بعد امامؑ کے لشکر میں شامل ہونے والوں کو ملنے والی ہے"۔

اور نہ صرف یہ بلکہ اس سے بڑھ کر میرا چھٹا امامؑ کہہ رہا ہے:

"اگر اسی تمنا میں کسی کے دن اور رات گزریں تو جب بھی آنے والا امامؑ آئے گا اگر یہ زندہ ہے تو خدا اسے لشکرِ امامؑ میں پہنچائے گا۔ اگر یہ مر چکا ہے تو اس کی قبر پر دو فرشتے آئیں گے اور آ کر اسے اطلاع دیں گے کہ اے ظہورِ امامؑ میں انتظار کرنے والے! اور لشکرِ امامؑ کا انتظار کرنے والے! اور لشکرِ امامؑ میں شامل ہونے کی تمنا کرنے والے! تیرے زمانے کے امامؑ نے ظہور کیا ہے۔ اب تو چاہے تو یہی آرام کر اور چاہے تو لشکرِ امامؑ میں شامل ہو جا"۔

تو اب جس نے اس انتظار میں اپنے روز و شب گزارے، وہ کسی مقام پر بھی ہو، اسے لشکرِ امامؑ میں شامل کیا جائے گا۔ تو مومن وہی ہے جو ہر لمحے دن اور رات امامؑ کے انتظار میں گزارے۔ مگر اس مقام پر میں ایک بات اور بیان کروں، اور اسی چیز کی مزید تشریح میں کل کروں گا۔

ایک بات میں اور بیان کروں بلکہ دو مسئلے سامنے آتے ہیں، جن دو مسئلوں کا

جواب ایک ہی بات میں مضمر ہے:

پہلا سوال خواتین کی جانب سے ہوتا ہے، ہم نے مانا کہ زمانے کا امامؑ آیا، امامؑ نے پکارا، امامؑ نے آواز دی، سب لوگ پہنچ گئے۔ مگر یہ تو مرد ہیں جن پر جہاد واجب ہے۔ عورتوں پر تو جہاد ساقط ہے۔

جب کربلا کے میدان میں کہ جہاں ہر ایک کو جان قربان کرنا تھی، وہاں عورتوں کو جہاد کی اجازت نہیں دی گئی۔ ان معروف معنوں میں کہ جہاد تلوار چلانے کا نام ہے، بلکہ اگر کوئی بی بی نکلی بھی چوبِ خیمہ لے کر، تو میرا مولا حسینؑ خود واپس لایا کہ عورتوں پر جہاد ساقط ہے۔

اگر کربلا کے میدان میں جہاں چھ مہینے کے بچے کی قربانی بھی دی جارہی ہے وہاں عورتوں کو جہاد کی اجازت نہ ملی تو امامؑ کی ہم کیا مدد کریں گے؟ ہمارا جہاد کیا ہوگا امامؑ کے ساتھ؟

یہ خواتین کا سوال ہے اور بڑا اہم سوال ہے۔ اور دوسرا میرا سوال ہے ان دونوں کا جواب ایک ہے، جو میں کل آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ اصولِ عقلی ہے اور تمام دنیا اس پر عمل کرتی ہے کہ آنکھیں بند کر کے کسی کو فوج میں نہیں لیا جاتا ہے۔ تو جب امامؑ کی فوج تیار ہو رہی ہوگی اور آواز آئے گی: ''آؤ نصرتِ امامؑ کے لیے جہاد کرو''۔

تو امامؑ کی فوج میں شامل ہونے کی کیا شرائط ہیں؟ یہ ان شاء اللہ میں کل بیان کروں گا۔ اور اسی طرح سے خواتین کی طرف سے نصرتِ امامؑ کرنے کا سوال جو ہے، یہ بھی میری کل کی گفتگو کا موضوع رہے گا۔

تو فقط اتنا عرض کرنا ہے: جو شخص حکمِ خدا کی خاطر اپنے چند لمحے کی نیند قربان نہ کرے، وہ خود یہ سوچے کہ کیا وہ نصرتِ امامؑ کی آواز سن کر ہر چیز کو قربان کر دے گا؟

امامؑ کے پاس جانے کا مقصد تو ہے کہ ہر چیز کی قربانی دینا ہے۔ یہاں تک اپنی قربانی دینے کے لیے تیار ہو کر جاؤ، اور یہ ارادہ کر کے جاؤ کہ اگر امامؑ کا حکم آ گیا اور میری اولاد بھی میرے سامنے آ گئی تو میں اس کی گردن پر بھی تلوار چلا دوں گا، اس لیے کہ حکمِ امامؑ ہوگا۔ اتنی بڑی قربانی وہی دے سکتا ہے جو اس دنیا میں احکامِ شریعت کے لیے قربانی دیتا نظر آئے۔

اور آنے والے امامؑ کے بارے میں یہ ذہن میں رہے کہ وہ ظلم کا خاتمہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ کوئی ظالم ان کے لشکر میں شامل نہیں ہو سکتا ہے۔ تو اپنے اور اپنے خاندان سے ظلم ختم کریں، تاکہ لشکرِ امامؑ میں شامل ہونے کے اہل ہو جائیں۔ اور یہی ظلم کا خاتمہ، وہی جذبہ تھا جو میدانِ کربلا میں امام حسینؑ اپنے ماننے والوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہ رہے تھے۔

کربلا کے بارے میں میں ایک بات آپ کو بتاؤں، ہو سکتا ہے کہ کل کی پوری گفتگو اسی عنوان پر ہو جائے۔ کربلا کے بارے میں ایک بات آپ کے ذہن میں رہے، وہ یہ کہ امام حسینؑ مجبور ہو کر میدانِ کربلا میں نہیں پہنچے تھے۔ امام حسینؑ نے جان بوجھ کر میدانِ کربلا کا انتخاب کیا تھا۔ امام حسینؑ مکے میں بھی اپنی جنگ لڑ سکتے تھے۔ امام حسینؑ مدینے میں اپنا جہاد کر سکتے تھے۔ لیکن امام حسینؑ کی نظر میں اسلام کی بقا اور اسلام کا تحفظ تھا۔

امام حسینؑ جانتے تھے کہ مدینے کا جہاد اور مکے کا جہاد وہ اثر نہیں ڈالے گا جو کربلا کا جہاد ڈالے گا۔ یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے، بہت آسانی سے ہم اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ آخر کربلا ہی کو امام حسینؑ نے کیوں چنا؟

موقع ملا تو میں اس کی تشریح کروں گا، لیکن اتنا جان لیجیے کہ رسولؐ خدا غدیرِ خم والا اعلان مکے میں بھی کر سکتے تھے۔ میدانِ منیٰ میں بھی کر سکتے تھے، جہاں سارے

مسلمان جمع تھے۔ لیکن اس اعلان کے لیے نہ مکّے کا انتخاب کیا گیا اور نہ منیٰ کا انتخاب کیا گیا۔ بلکہ پیغمبرؐ نے غدیرخم کے میدان کا انتخاب کیا، ایک بڑی مصلحت کے لیے۔

امام حسینؑ مدینے میں اپنا جہاد کر سکتے تھے۔ مکّے میں کر سکتے تھے۔ مگر ایک اہم مصلحت تھی جس کی وجہ سے کربلا میں پہنچے، اور اسی کا ایک پہلو یہ تھا کہ ابھی امام حسینؑ کی شہادت کو ایک سال کا عرصہ نہیں گزرا ہے، اور مسلمانوں کے دل پلٹنے لگے ہیں۔ اب لوگ پچھتا رہے ہیں کہ ہم نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

اور وہ موقع ہو رہا ہے کہ جناب مختارؓ ابن ابوعبیدہ ثقفی کی قیادت میں ایک لشکر تیار ہو رہا ہے۔ جس کا نعرہ یہ ہے:

یَا لَثَارَاتِ الْحُسَيْنِ

''اے حسینؑ کے خون کا انتقام لینے والو!''

آؤ اور ان ظالموں سے خونِ حسینؑ کا انتقام لو، فقط ایک سال گزرتا ہے، یہ امام حسینؑ کی دانش مندی اور عقل مندی تھی کہ کربلا کے میدان کا انتخاب کر کے مسلمانوں کے ذہنوں کو بدل دیا۔

میں کل کچھ امیر مختارؓ کے بارے میں باتیں بیان کر رہا تھا۔ میرے بعض مخلص بزرگوں نے یہ کہا کہ یہ باتیں بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ جناب امیر مختارؓ کے سیدھے سادے واقعات بیان کرتے۔ بلکہ مجلس میں بعض کو ایسا لگا کہ جیسے امیر مختارؓ کی توہین کی جا رہی ہے۔

دراصل حالات اور ماحول کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ میں نے بار بار کہا کہ جب یہ دور آ گیا ہے کہ یزید کو خلیفۂ حق اور عادل ثابت کیا جا رہا ہے۔ تو امیر مختارؓ کی ذات بہت بڑی رکاوٹ بن رہی ہے اس راستے میں۔ اگر اتنا ہی بہتر تھا یزید، تو اُمت نے مختارؓ کا ساتھ کیوں دیا؟ چنانچہ، جناب مختارؓ کے کردار کو مسخ کرنے کی ایک

مہم شروع کی گئی ہے۔ اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ میں وہ باتیں بیان کرتا جو مختارؓ کے نام پر غیر بیان کرتے ہیں، اور پھر یہ بتاتا کہ یہ حقائق کتنے حد تک ہیں۔ ماحول کے بدلنے سے بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتیں لوگوں کو تکلیف دہ لگتی ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ آج سے دو سال قبل سیالکوٹ کے قریب ایک قصبے میں مجالس پڑھ رہا تھا۔ اور میں نے وہاں پر وہ مظالم بتائے جو آلِ محمدؐ پر ظالم حکومتوں نے روا رکھے، تو احتجاج کیا گیا وہاں کے صاحبانِ ایمان کی جانب سے، خصوصاً خواتین کی جانب سے کہ یہ تو توہینِ امامؑ کر دی گئی ہے۔

ہر چیز چھپانے سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ کچھ حقائق بچوں کو پتا چلنے چاہئیں۔

تو میں کل ہی عرض کر رہا تھا: اتنے بہتان اور اتنے الزامات جنابِ مختارؓ پر لگائے گئے کہ بعض اوقات پڑھنے والے کا دل کانپ اُٹھتا ہے۔ فقط اس جرم کے اندر کہ فقط وہ آلِ محمدؐ کے خون کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ لوگ اتنے اندھے ہوئے کہ اب کوئی الزام نہیں چھوڑا، لوگوں کو مختارؓ سے متنفر کرنے کے لیے۔

وہ ظالم حکومتیں جو آلِ محمدؐ کے کسی ماننے والے کو زندہ نہیں دیکھ سکتی ہیں، وہ مختارؓ کے کردار کو صحیح و سالم کیسے رکھتیں۔ البتہ بعض ایسی روایات ہمارے یہاں بھی ہیں جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ معصومینؑ نے کبھی کبھار مختارؓ کی مذمت کی ہے۔ مثلاً ہمارے چوتھے امامؑ کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے: ایک مرتبہ قاصد مختارؓ کی جانب سے چالیس ہزار درہم اور کچھ ہدیے لے کر امامؑ کی خدمت میں پہنچا اور خط لے کر آیا جس پر امامؑ کا نام تھا۔ امامؑ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں جھوٹوں کا ہدیہ اور تحفہ قبول نہیں کرتا ہوں۔

جب قاصد نے یہ دیکھا تو فوراً اُوپر سے امام سجادؑ کا نام مٹا کر جناب محمد ابن حنفیہ کا نام لکھ دیا اور اس کے بعد یہ سارے تحفے محمد ابن حنفیہ کی خدمت میں پیش

کر دیے۔

کبھی یہ کہا جاتا ہے: امامؑ کے پاس جب یہ مختارؓ کا قاصد پہلی دفعہ تحفہ لے کر آیا تو امامؑ نے قبول کر لیا۔ بعد میں جب مختارؓ کا عقیدہ بدل گیا تو امامؑ نے واپس کر دیا۔

اب یہ دو تین روایات ایسی ہیں کہ ہمارے یہاں بھی ایک ایسا گروہ ہے جو اس وقت شک وشبہ کا شکار ہے۔

میں فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس کے مقابلے میں اتنی صحیح روایات ہمارے پاس ہیں جہاں معصومینؑ نے بار بار جناب مختارؓ کی تعریف کی۔ یہ روایات اس کے لیے بالکل واضح ہیں کہ جناب امیر مختارؓ کی ہستی ہمارے لیے قابلِ احترام ہے۔

وہ تمام روایات جو ظالموں نے جناب مختارؓ کی مذمت میں گڑھی تھی ان کو چھوڑ یے، البتہ ہمارے یہاں جو ایک یا دو روایات ہیں۔ ان کے بارے میں معصومینؑ نے واضح کر دیا کہ یا تو وہ روایات غلط ہیں یا ان روایات میں بھی ایک مصلحت ہے۔

ایک چھوٹی سی بات ابھی سن لیجیے جس سے بہت سے آپ کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کے لیے وہ دور کتنا خطرناک تھا جب حکومت نے آلِ محمدؐ کے ماننے والوں پر ظلم وستم کا سلسلہ صرف اس لیے شروع کیا کہ کربلا کے واقعہ سے ظالم حکومت ایک نتیجہ پر پہنچی تھی۔ یہ مختارؓ کا کتنا بڑا حصّہ ہے۔

ظالم حکومت ایک نتیجہ پر پہنچی تھی کہ براہِ راست معصوم سے میدان میں مقابلہ کرنا، یہ اپنی موت کو خود دعوت دینے کے مترادف ہے۔

کربلا کے واقعہ نے ان کو بتا دیا تھا کہ معصوم امامؑ سے ٹکرانے والا خود نقصان اٹھاتا ہے۔ تو اب یہ سوچا کہ معصوم امامؑ پر براہِ راست حملہ نہ ہو بلکہ ایسا کیا جائے کہ جو امامؑ سے ملاقات کرنا چاہے۔ جو امامؑ کا ماننے والا ہو، جو امامؑ کے علوم لے کر اُمت

تک پہنچائے۔ اس پر اتنا ظلم کرو کہ اب کوئی امامؑ کے قریب ہی نہ آنے پائے۔

تو اب دوسری اسکیم سوچی گئی اور وہ یہ کہ امامؑ کو ظاہری اعتبار سے نہ چھیڑو، ان کو اپنی جگہ رہنے دو لیکن وہ جو امامؑ کے علوم، امامؑ کے فضائل، امامؑ کے کمالات اُمت پہنچاتے ہیں۔ اس گروہ کو ختم کر دو تاکہ نہ وہ رہیں اور اُمت اور امامؑ کا رشتہ برقرار رہنے نہ پائے۔ چنانچہ پہلے تو لالچ دی گئی، اس انداز سے کہ امامؑ کے مقابلے میں کچھ جھوٹے فقیہ کھڑے کیے گئے۔ انھیں بھی امام" کا لقب دیا گیا اور یہ اعلان کرایا گیا کہ اگر ہمارے عالم سے مسئلہ پوچھے گا تو اسے ایک اشرفی انعام میں دی جائے گی۔

اس کے بعد، لالچ کی دھمکی شامل ہوگئی کہ اگر کوئی ہمارے فقیہ کو چھوڑ کر اس فرزندِ رسولؐ سے مسئلہ پوچھے گا تو اسے ایک اشرفی جرمانے میں دینا پڑے گی۔

اب صاحبانِ ایمان کے لیے مشکل مسئلہ تھا مگر اس سے بھی کوئی اثر نہ ہوا۔

اس کے بعد تیسرا مرحلہ آیا تلوار کا کہ جس کے بارے میں اطلاع مل جائے کہ امامؑ کا ماننے والا ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

ذکرِ مصائب!

تو یہ مختارؒ تھے جو محبانِ اہلِ بیتؑ میں اس منزل پر تھے، جب امام حسینؑ کے پاس مکے میں کوفہ والوں کے خطوط آئے اور امام حسینؑ نے پہلے جناب مسلم ابن عقیلؑ کو بھیجا۔

امامؑ کو معلوم تھا کہ کوفہ میں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے، مگر جناب مسلمؑ بھیجنا، یہ بھی امامؑ کی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کا بہت نادر نمونہ ہے کہ کیوں بھیجا گیا؟

روایت یہ ہے کہ جب جناب مسلم ابن عقیلؑ کی روانگی کا وقت آیا تو امامؑ نے

مسلمؑ کو اپنا نائب بنا کر کوفہ کی جانب بھیجا۔

ہمارے مقاتل میں یہ لکھا ہے کہ مسلمؑ پہلے مکّہ سے مدینہ آئے۔ روضۂ رسولؐ پر الوداعی سلام کیے گئے۔ مسلمؑ کے دونوں بیٹے جناب محمدؑ اور جناب ابراہیمؑ جن میں سے ایک کی عمر سات سال تھی اور ایک کی عمر آٹھ سال کی تھی، یہ مکّہ میں نہیں گئے تھے بلکہ یہ مدینے میں ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب مسلم ابن عقیلؑ مکہ سے مدینے آئے اور روضۂ رسولؐ پر الوداعی سلام کیا تو اس کے بعد اپنے دونوں بیٹوں کو یہاں سے لیا اور پھر مدینے سے براہِ راست کوفہ کی جانب تشریف لے گئے۔

تو جناب مسلمؑ کوفہ میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جناب مختارؓ کے گھر میں مہمان بن کر اُترے تھے۔ اور روایات سے ثابت ہے کہ پہلا شخص جس نے جناب مسلمؑ کے ہاتھ پر بیعت کی وہ جناب مختارؓ تھے۔

اس کے بعد وہ منزل آئی کہ یہ اطلاع آنے لگی کہ یزید کوفہ کے حاکم کو بدلنے والا ہے۔ اس وقت جناب مختارؓ جناب مسلمؑ سے یہ اجازت لے کر گئے کہ میں آس پاس کے علاقوں میں جہاں میرا قبیلہ بھی ہے میں وہاں جا کر ایک لشکر جمع کر کے لاتا ہوں۔

اسی عرصہ میں یزید نے حاکمِ کوفہ کو بدل کر ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنا دیا۔ ابن زیاد کے حاکم بننے کی اطلاع ملتے ہی جناب مسلمؑ ہانیؓ ابن عروہ کے گھر میں منتقل ہوگئے۔ اور یہی وہ مقام تھا کہ جہاں جناب ہانیؓ ابن عروہ کو گرفتار کیا ابن زیاد نے نوے سال کا صحابیِ رسولؐ اور صحابیِ علیؑ فقط اس جرم میں کہ مسلمؑ کو کیوں اپنے گھر میں پناہ دی۔ پانچ سو کوڑے جناب ہانیؓ کے جسم پر لگائے گئے اور انہی کوڑوں سے جناب ہانیؓ کی شہادت ہوئی۔

اس کے بعد جناب مسلمؑ گرفتار کیے جاتے ہیں۔ ان کی شہادت کا واقعہ آپ

سکتے ہیں۔

جنابِ مختارؓ کو اس عرصہ میں کوئی اطلاع نہیں کہ کوفہ میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ کوفہ کے آس پاس لشکر جمع کر رہے ہیں۔ جب ایک بڑی جماعت ہوگئی تو یہ خیال کر کے کہ اب ہم یزید کی حکومت سے براہِ راست مقابلہ کر سکتے ہیں، مختارؓ اپنا لشکر لے کر آ رہے تھے کہ راستے میں مختارؓ نے دیکھا۔ ایک مقام پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔

گھبرا کے آگے بڑھے اور کہا: یہ تم کس کا تذکرہ کر رہے ہو؟

کہا: مسلم ابن عقیلؑ کا کہ جنھیں دھوکے سے گرفتار کر کے شہید کیا گیا ہے۔

بس ___!

جنابِ مختارؓ نے اتنا سنا، ایک مرتبہ چیخ نکل گئی۔ اب جنابِ مختارؓ نے مصلحت نہ سمجھی اپنے ساتھ لے جانے کی، مسلمؑ شہید ہو چکے ہیں۔ کوئی قائد موجود نہیں ہے۔ چنانچہ مختارؓ نے اپنے لشکر کو واپس کر دیا۔ تن تنہا داخل ہوئے کوفہ میں اور ابن زیاد کے ایک حاکم سے امان لے کر چلے لیکن جب دربار ابن زیاد میں پہنچے تو اس جرم میں کہ تم نے مسلمؑ کو پہلے دن اپنا مہمان کیوں بنایا تھا، مختارؓ کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

اب وہ تمام عرصہ کہ جس میں امام کربلا کے میدان میں آئے۔ دو محرم سے دس محرم کا دن آیا۔ یہ تمام عرصہ مختارؓ اسی قید خانے میں رہے، یعنی کربلا کا پورا واقعہ پیش آیا۔ مختارؓ اس دور میں قید خانے میں تھے۔ مختارؓ اسی قید خانے میں ایک سال تک رہے اور فقط ایک دن اس قید خانے سے نکالا گیا تھا۔

وہ کون سا دن تھا جب اہلِ بیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ دربار ابن زیاد میں پہنچا۔

آج محرم کی چودھویں شب آ چکی ہے، آپ آرام اور اطمینان سے عزاخانے

میں بیٹھے ہیں۔ آپ کے نیچے فرش بچھا ہوا ہے۔ آپ کے اُوپر سایہ دار چھت ہے مگر سوچیں اس وقت علیؑ اور فاطمہؑ کی اولاد کس حالت میں تھی۔

ارے___!

اتنا بڑا انقلاب آ گیا کہ زیاد کا بیٹا تخت پر بیٹھا ہے اور محمدؐ کی نواسیاں اس کے سامنے قیدی بن کر لائی گئی ہیں۔

بس___!

ایک مرتبہ ابن زیاد کو پتا نہیں کیا خیال آیا حکم دیا کہ جاؤ اور قید خانے سے مختارؓ کو نکال کر لاؤ۔ مختارؓ کو لایا گیا۔

ایک مرتبہ ابن زیاد کہتا ہے: مختارؓ! تم میرے سامنے آئے اور مجھے سلام بھی نہیں کیا میں تمہارا امیر ہوں۔

بس___!

ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں مگر سینہ تان کر پوری بے خوفی سے کہا: اے ابن زیاد! تو میرا حاکم اور امیر نہیں، میرا حاکم ہے مدینے والا حسینؑ! سلام کروں گا تو اسے کروں گا۔

ابن زیاد مسکرا کے کہتا ہے: مختارؓ! بڑی عقیدت ہے حسینؑ کے ساتھ۔ اچھا! یہ بتاؤ اگر حسینؑ کوفہ آ جائیں تو تم حسینؑ سے ملاقات کرو گے۔ اگر حسینؑ یہاں آ جائیں تو کیا حسینؑ سے ملاقات کی تمنا ہے؟

ایک مرتبہ تڑپ کے کہا: میرا مولاؑ کوفے کیسے آ سکتا ہے؟

کہا: مختارؓ! تمہارا مولاؑ کوفہ میں آ چکا ہے، ملاقات کرنا چاہتے ہو؟

مختارؓ تڑپ گئے، ہاتھوں کو جوڑا اور کہا: اے ابن زیاد! یہ ہاتھ آج تک کسی کے آگے نہیں جڑے ہیں لیکن اگر میرا مولاؑ تیرا مہمان بن کے آ گیا ہے تو میں تیرے

آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، ایک مرتبہ مجھے میرے آقا حسینؑ کی زیارت کا موقع دے دے۔

ابن زیاد نے تخت کے نیچے ہاتھ ڈالا اور ایک طشت باہر نکالا جس کے اُوپر کپڑا پڑا ہوا تھا۔ سپاہی یہ طشت لے کر مختارؓ کے قریب پہنچے، کپڑا اٹھایا گیا۔ بے اختیار مختارؓ کی نگاہ حسینؑ کے کٹے ہوئے سر پہ پڑی، ایک مرتبہ کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَابْنَ رَسُولِ اللّٰه

اور پھر جوش میں آکر ہاتھوں کو جھٹکا دیا، ہتھکڑی ٹوٹی، قریب کے سپاہی کی تلوار چھینی اور تلوار چلانا چاہتے ہیں کہ کان میں سید سجادؑ کی آواز آئی:

مختارؓ! یہ غضب کرتا ہے، نگاہیں نیچی کر لے۔ ارے! دربار میں رسولؐ کی نواسیاں، علیؑ اور فاطمہؑ کی بیٹیاں کھڑی ہیں۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَیَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ

مجلسِ ششم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

کل مَیں عرض کر رہا تھا سورۂ مبارکہ شعراء کی اس آخری آیت کی روشنی میں جو ہمارا سرنامۂ کلام ہے، کہ آنے والے امامؑ کی نصرت ہر ایک پر واجب ہے۔ ہر ایک پر فرض ہے۔ مرد کس طرح سے امامؑ کی نصرت کریں گے۔ یہ وہ موضوع ہے کہ جس پر کئی مرتبہ مختلف مقام پر گفتگو ہو چکی ہے، صرف یہ مسئلہ تھا کہ خواتین، آلِ محمدؐ کی ماننے والی مومنات آنے والے کی کس طرح مدد کر سکتی ہیں۔

تو اسی سلسلے میں کل کچھ گفتگو ہوئی تھی جس کا خلاصہ یہی تھا ایک ایسا جہاد ہے جو ہر دور کی عورتوں پر شریعت نے رکھا ہے۔ اور یہ وہ جہاد ہے کہ مردوں کا جہاد اقدامی غیبتِ امامؑ میں ساقط اور موقوف ہے، لیکن عورتوں کا جہاد کہ جس کا ثواب مردوں کے جہاد کے برابر ہے، اب تک جاری ہے اور ظہورِ امامؑ تک جاری رہے گا۔ اور یہ جو جہاد عورتوں کا ہے، یہ ان کی طرف سے امامِ زمانہؑ کی ایک مدد بھی ہے، تین طریقے سے مدد کرتا ہے۔

پہلا یہی کہ لشکرِ امامؑ کو تباہی سے بچایا جائے اور بے پردگی، اُمت، قوم، مذہب اور کسی جہاد میں تباہی کا سبب بنتی ہے۔ اُمت کی تباہی بھی اسی میں ہے۔ قوم

کی جاہی بھی اسی میں ہے، مذہب کی جاہی بھی اسی میں ہے، اور صحیح روایات کی بنیاد پر جہاد میں بھی اگر یہ بے پردہ عورتیں داخل ہو جائیں تو وہاں بھی جاہی ہے۔ لشکرِ امامؑ کو جاہی سے بچایا جائے اور اس سے ہٹ کر یہ تمام عرصہ جو غیبتِ امامؑ کا ہے اس میں یہی نصرتِ امامؑ ہے کہ پردے کو باقی رکھا جائے۔ پردے کے موضوع پر میں کافی تقاریر کر چکا ہوں، لیکن میں اس کا صرف ایک پہلو بیان کرنا چاہتا ہوں، جو کچھ فقہی مسائل پر مشتمل ہے۔ اگرچہ عام طریقہ مجالس کا جو مقرر کیا گیا ہے اس میں مسائل کا بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا لیکن میں اپنی ذمہ داری محسوس کر رہا ہوں کہ اس مسئلے کو واضح کر دوں۔

پردے کا وہ تصور بھی غلط ہے جس میں عورت کو قید کر دیا جاتا ہے اور وہ تصور بھی غلط، جس میں عورت کو ہر قسم کی آزادی عطا کر دی جاتی ہے۔ شریعت مرد کے لیے بھی نہ تو یہ پسند کرتی ہے کہ وہ مطلق آزاد ہو، اور نہ ہی اس کے اُوپر ایسی بے جا پابندیاں لگاتی ہے، جو اسے اس کے فرائض سے روک دیں۔ یہی مسئلہ عورت کا ہے۔

رہبرِ اسلامی انقلاب ایران حضرت آیت اللہ العظمیٰ السید روح اللہ الموسوی الخمینی رضوان اللہ علیہ متعدد اپنے خطبات میں مسلسل یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

"اسلامی نقطۂ نگاہ سے عورت میں اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے"۔

یہ تو بہت عام جملہ ہے، لیکن جس انداز سے جو حق مرد کو حاصل ہے وہ عورتوں کو بھی حاصل ہے۔ ہر وہ کام عورت کر سکتی ہے جس سے بے پردگی نہ ہو رہی ہو۔

بس ــــ!

یہ ایک اصول ہے تو اب اس پردے کا خیال کرتے ہوئے ان حدود کی پابندی کرتے ہوئے عورت دنیا کا ہر کام کر سکتی ہے؟

اور اب جب کہا جائے کہ لشکرِ امامؑ کی مدد اس طرح سے کیجیے کہ پردہ کیجیے تو مراد یہی ہے کہ جو شریعت نے بتایا ہے۔

ہاں ــــــ!

یہ ہے عورتوں کا جہاد جو انھیں آج کے دور میں بھی کرنا ہے اور نصرتِ امامؑ کرتے ہوئے اسے انجام دینا ہے، یہ ان کے جہاد کا پہلا حصّہ ہے۔

دوسری چیز جو کہ عورتوں کو نصرتِ امامؑ کرنا ہے، وہ یہ کہ جب کبھی امامؑ کی جانب سے صدا آئے، جب کبھی امامؑ کی جانب سے بلاوا آئے، جب کبھی امامؑ کی جانب سے آواز آئے، تو وہ اپنے گھر والوں کو روکے نہیں، ان کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے بلکہ خوشی کے ساتھ ان کو رخصت کریں کہ امامؑ بلا رہے ہیں۔ جیسا کہ جناب حبیب ابن مظاہرؓ کی بیوی کے لیے کہا جاتا ہے، جیسے کربلا والوں کی مائیں تھیں۔ کربلا والوں کی بیویاں اور بہنیں تھیں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر دین پر کبھی مشکل وقت بھی پڑتا ہے تو ہر ماں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ میرا بیٹا جو ہے اسے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ ہر بیوی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میرے شوہر کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے، ہر بیٹی کی خواہش ہوتی ہے کہ میرا باپ سلامت رہنے پائے۔ تو یہ فکر نہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ذرا سا بھی خطرے کا مقام ہے۔ جو چاہے اب دین تقاضا بھی کر رہا ہو قربانی دینے کا، اور وہ جانے کو بھی تیار ہو تو گھر والے روک لیتے ہیں۔

نصرتِ امامؑ یہ ہے کہ اس لیے آمادہ رہے کہ جب بھی امامؑ بلائے گا تو ماں اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے کفن پہنا کے بھیجے گی۔ بہن اپنے بھائی کو رخصت اور الوداع کرے گی۔ بیٹی خود اپنے باپ کو آخری سلام کرے گی، بیویاں خود اپنے شوہروں کو رخصت کریں گی، اس کے لیے ہر وقت تیار اور آمادہ رہیں۔

اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے لیے اگر امامؑ سے پہلے ہی کبھی دین پر

وقت پڑ جائے تو وہ عورت جو نصرت امامؑ کرنا چاہتی ہے، وہ اپنے گھر کے تمام مردوں کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

نہیں، فقط تیار نہیں بلکہ اگر وہ لوگ نہیں راضی ہیں تو انھیں مجبور کر کے بھیجا جائے۔

اور اسی بات کو آپ اور پھیلائیں کہ عورتوں کی نصرت امامِ زمانہؑ یہ ہو کہ اگر ان کے گھر والے شریعت کی پابندی کر رہے ہیں۔ امامؑ آئیں گے فقط شریعت کو بچانے کے لیے، تو عورتوں کے لیے امامؑ کی مدد کا طریقہ کیا ہے، کہ اگر گھر والے جا رہے ہوں تو باخوشی رخصت کریں اور اگر نہ جا رہے ہوں، تو انھیں مجبور کر کے بھیجا جائے کہ دین کا کام ہے جاؤ اور جا کے انجام دو۔

تو بس___!

یہی امامؑ کے جانے کے بعد انجام دینا ہے اور غیبتِ امامؑ میں اس کا دوسرا حصّہ ہے، کہ آج امامؑ نہیں ہیں، آج امامؑ کی مدد کیسے کرو گے؟ یہ تصور بھی ذہنوں سے نکال دیں کہ جب امامؑ آئیں گے تو تب ہم مدد کریں گے۔

نہیں___!

مدد آپ کو ہر وقت کرنا ہے اور دو اماموں کی کرنا ہے۔ آنے والا امامؑ جب آئے گا تب مدد کے لیے بلائے گا۔ لیکن اس کی غیبت میں بھی آپ کو دین کی مدد کرنا ہے، اور اس امامؑ کی بھی مدد کرنا ہے جس نے کچھ سوچ کر ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا کی آواز بلند کی تھی۔

امام حسین علیہ السلام کی مدد بھی فقط میدانِ کربلا تک نہ تھی بلکہ امام حسینؑ کی آواز قیامت تک کے صاحبانِ ایمان تک تھی۔

امام حسینؑ کو اپنی مدد کس لیے چاہیے؟ کیا امام حسینؑ جان بچانا چاہتے ہیں؟

کیا امام حسینؑ قربانی سے بچنا چاہتے ہیں۔ امام حسینؑ کیوں صدائے استغاثہ بلند کر رہے ہیں؟

امام حسینؑ کو اپنے لیے مدد نہیں چاہیے بلکہ امام حسینؑ کو اس دین کے لیے مدد چاہیے جس کے لیے امام حسینؑ علی اکبرؑ کو قربان کر رہے ہیں۔ عباسؑ کو قربان کر رہے ہیں، علی اصغرؑ کو قربان کر رہے ہیں۔

تو دین کے لیے امام حسینؑ مدد طلب کر رہے ہیں، جس کے لیے امام حسینؑ اپنے آپ کو قربان کر رہے ہیں، جس کے لیے امام حسینؑ اپنی بہن زینبؑ کی چادر کو قربان کر رہے ہیں، تو امام حسینؑ کو دین کے لیے مدد چاہیے تھی، اپنے لیے نہیں چاہیے تھی۔

هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا کی آواز بلند کر کے مدد چاہنے کا مقصد کیا تھا؟ کہ "آؤ! دین خدا کی مدد کے لیے"۔

تو اب دین خدا کو اگر آج بھی مدد کی ضرورت ہے تو آج امامؑ کی مدد کیا ہوئی؟ دو اماموں کی آنے والی امامؑ کی بھی اور کربلا میں پکارنے والے امامؑ کی بھی، دونوں اماموں کی مدد کی ہے کہ دین کی مدد کریں۔

دین کی مدد کس طرح سے ہوتی ہے؟ خود دین پر عمل کریں، جو دین پر عمل نہیں کر رہا ہے، جس حد تک ممکن ہو اس سے دین پر عمل کروائیں تو اگرچہ یہ مردوں کے لیے بھی لیکن ساتھ ساتھ یہ عورتوں کے لیے بھی نصرت ہے امامؑ کی۔

یہ ہوا دوسرا طریقہ نصرت امامؑ کا کہ اپنے گھر والوں کو امامؑ کے راستے پہ چلنے سے نہ تو روکا جائے بلکہ اگر وہ خود رُکیں تو ان کو ترغیب اور شوق دلا کر آگے بڑھایا جائے لیکن یہ دو جزوی مدد ہے۔ اہم ترین مدد کیا ہے؟ جو کربلا والے امامؑ کی بھی ہوگی، آنے والے امامؑ کی بھی۔

اب آخری چیز جس سے آج کی عورتیں امامِ زمانہ کی مدد کر سکتی ہیں، ان شاء اللہ یہ گفتگو کل ہوگی۔

تو اب مومنہ کو ایسا ہونا چاہیے کہ جیسے عمیر ابن عامر کی بیوی تھی، جیسے مختارؓ کی بہن تھی کہ وہ اپنے شوہر کو مجبور کر رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ میں تمھاری راز دار بن کر تمھارے اس راز کی حفاظت کروں گی، تم مجھے مددگار پاؤ گے۔

یا مختارؓ کی بہن ہے، جو اپنے شوہر کو مجبور کر رہی ہے، بھائی کی رہائی کے لیے، فقط بھائی کی رہائی نہیں ہے بلکہ یہ قاتلانِ آلِ محمدؐ سے انتقام کی تیاری اور آغاز ہے۔

تو مختارؓ کی بہن جیسی مومنہ ہو، عمیر ابن عامر کی بیوی جیسی مومنہ ہو کہ جو دینِ خدا پر گھر والے چل رہے ہوں، تو مدد کرتی ہیں اور اگر نہ چل رہے ہوں تو مجبور کرتی ہیں کہ یہ کام کرنا ہے اور اس کام کو انجام دینا ہے۔

اپنی ذاتی پسند کی خاطر، اپنی ذاتی خواہش کی خاطر، ایک عورت اپنے گھر والے سے مطالبہ کر کے ہر چیز منوا لیتی ہے، کیا خدا کے دین کی خاطر، کیا احکامِ شریعت کی وہ اپنے گھر والوں سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتی۔ مختارؓ کی بہن نے مطالبہ منوایا اور جس وقت بھائی قید سے رہا ہو کر آیا تو خوشی کے مارے یہ حالت ہوئی کہ مختارؓ کی بہن اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

اور اب مختارؓ اپنے مقصد اور ارادے کے لیے فکرمند اور کوشاں ہیں کہ کسی طرح سے میں اس مقصد کو پورا کروں، جس کا میں نے وعدہ بھی کیا ہے، اور قسم بھی کھائی ہے۔

مختارؓ پریشان ہیں، قسم کھا کر آئے ہیں کہ جب تک میں خون کا انتقام نہ لوں گا اس وقت تک نہ بستر پر سوؤں گا، نہ نیا لباس پہنوں گا، نہ خوشبو لگاؤں گا، نہ عورتوں کے قریب جاؤں گا اور نہ لذیذ کھانے کھاؤں گا۔ بلکہ روایت تو یہ ہے کہ جب مختارؓ

کوفہ سے نکلے تھے ابن زیاد نے مہلت دی تھی کہ تین دن کے اندر کوفہ چھوڑ دینا ورنہ اس کے بعد تمہارا خون پھر مباح ہو جائے گا۔ حاکم کا حکم آ گیا ہے، میں تمہیں آزاد کرنے پر مجبور ہوں مگر فقط میں تین دن کے لیے اس حکم کی تعمیل کروں گا۔ اگر تین دن کے بعد میں نے تمہیں کوفہ میں پایا تو اس کے بعد تمہاری جان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

مختارؒ دربار ابن زیاد سے عمیر کے گھر جاتے ہیں، اور اس کے بعد اسے بھی مشورہ دیتے ہیں کہ اب تیرے لیے بھی کوفہ میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ چل میرے ساتھ کوفہ چھوڑ دے۔ یہ کہہ کر عمیر کو لے کر چلے اور کوفہ سے باہر نکلتے ہی کہا: اب یہاں سے تمہاری اور ہماری جدائی ہے۔ میں تو ایک بہت بڑے کام کے لیے جا رہا ہوں۔ پتہ نہیں کتنی مدت صَرف ہو جائے۔

یہ کہہ کر عمیر کو روانہ کیا اور آگے چلے۔ تو روایت یہ ہے کہ سفر میں ایک پرانا دوست مل گیا مختارؒ کو، حیران ہو کر پوچھتا ہے: مختارؒ! تمہاری داہنی آنکھ کو کیا ہوا ہے؟

روایت میں ہے کہ جب پہلے دن مختارؒ نے ابن زیاد کو سلام نہیں کیا تھا تو ابن زیاد نے حکم دیا تھا اپنے سپاہیوں کو کہ مختارؒ کو مارو۔ تو مختارؒ کی ایک آنکھ پر ضرب آئی تھی اور اس کے بعد وہ زخم بڑھتا رہا تھا قید خانے میں یہاں تک کہ ایک آنکھ کی بینائی تقریباً ختم ہو کر رہ گئی تھی۔

تو اب وہ سوال کرتا ہے: تمہاری ایک آنکھ کو کیا ہوا ہے؟

مختارؒ جواب دیتے ہیں: یہ ابن زیاد کا پہنچایا ہوا زخم ہے، اور میں نے خدا سے قسم کھائی ہے کہ میں امام مظلومؑ کے خون کا انتقام لوں گا۔ اور جب تک کہ جناب یحیٰؑ ابن زکریاؑ کے خون کی طرح اس خون کا انتقام نہ لے لوں اس وقت تک میں چین سے نہ بیٹھوں گا۔

یہ عزم کر کے مختارؒ کوفہ سے نکلے۔ سیدھے مدینہ پہنچے۔ مدینہ میں پہنچنے کے بعد مختارؒ کی اپنی بہن سے ملاقات ہوتی ہے۔ بہن کا انتقال ہوا۔ مختارؒ روئے اور غسل و کفن کے بعد اپنے بہنوئی سے الوداع حاصل کی۔ اب مختارؒ اسی فکر اور پریشانی میں چلے کہ کس طریقے سے اور کس مقصد سے اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوں۔ مکے میں اس وقت عبداللہ ابن زبیر نے کربلا کے واقعہ کے اثرات کو دیکھتے ہوئے اپنی حکومت کو قائم کرنے کا انتظام شروع کیا تھا۔ مدینہ والوں کو بار بار نواسۂ رسولؐ کی شہادت یاد دلا کر حاکمِ شام یزید کے خلاف بغاوت شروع کرنے کا پروگرام بنایا۔

مختارؒ کے کان تک یہ اطلاع پہنچی، مختارؒ خود عبداللہ ابن زبیر کے پاس آئے۔ کہا: میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ مل جاؤں اور ہم اور آپ مل کر اپنے اپنے اثر سے کام کریں اور حاکمِ شام اور ان تمام لوگوں کو جو قتلِ امامؑ میں شریک ہیں، ان سب کو سزا دیں۔ عبداللہ ابن زبیر نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہے۔

عبداللہ ابن زبیر ان چند آدمیوں میں سے ایک تھے جن سے یزید نے بیعت طلب کی تھی۔ امام حسینؑ کے ساتھ انھوں نے بھی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ یہ خاندانِ رسالتؐ کے بھی قریبی رشتہ دار ہیں۔

اب مختارؒ نے دیکھا کہ یہ خاموش ہیں تو مختارؒ ان سے مایوس ہو کر مکہ چھوڑ کر طائف چلے گئے۔ طائف مختارؒ کا آبائی وطن ہے کہ جہاں ان کا خاندان رہتا ہے۔ ایک سال تک مختارؒ فکر و پریشانی کی حالت میں رہے کہ میں اکیلا اور تن تنہا ہوں، کس طریقے سے امامِ مظلومؑ کے خون کا انتقام لوں۔ سوچتے رہے اور حکمت عملی کا جائزہ لیتے رہے۔

ادھر اسی عرصہ میں عبداللہ ابن زبیر نے یہ منظر دیکھا کہ کربلا کے واقعہ کے اثرات پھیل رہے ہیں اور جگہ جگہ یزید کے خلاف بغاوتیں ہو رہی ہیں۔ ایک سال

پہلے جب مختارؓ آئے تھے تو اس وقت خود عبداللہ ابن زبیر ڈرے ہوئے تھے کہ اتنی مضبوط حکومت سے کس طرح ٹکراؤں، لیکن اب دیکھا کہ جگہ جگہ بغاوتیں ہو رہی ہیں۔ لوگ یزید کے خلاف ہو رہے ہیں۔ بلکہ تاریخ میں تو مدینے والوں کا تو واقعہ بھی بڑا مشہور ہے کہ مدینے تک جب یہ اطلاع آئی کہ یزید نے نواسۂ رسولؐ کو شہید کیا تو مدینے والوں کو ایک مرتبہ ندامت اور افسوس نے گھیر لیا کہ ہم نے امام حسینؑ کا ساتھ نہ دیا تھا۔ اس کے بعد مدینے سے پانچ آدمیوں کا ایک وفد گیا جس میں ایک تو عبداللہ ابن زبیر کے بھائی عامر ابن زبیر بھی شام جا کر یزید سے ملاقات کریں اور معلوم کریں کہ کیا سبب تھا قتلِ حسینؑ کا۔

یہ سب لوگ مدینے سے گئے۔ یہ سب لوگ بزرگ تھے کہ جن کی بات کا ایک وزن تھا۔ چنانچہ جب یہ مدینے میں پلٹ کر آئے، انھوں نے آ کر کہا کہ ہم تو حاکمِ شام کو کچھ سمجھتے تھے، لیکن وہ کچھ نکلا ہے۔ ایسے آدمی کی ہم کیسے اطاعت کریں جو کھلم کھلا شراب پیتا ہے، جو محارم کے ساتھ فعل حرام کرتا ہے۔ جو اپنے ساتھ بندروں اور کتوں کو رکھتا ہے، جو ڈاڑھی کو منڈواتا ہے۔ اور اسی طرح سارے یزید کے گناہ اور مظالم بیان کیے یہاں تک کہ آخری فقرہ یہ تھا، کہ اگر اب بھی ہم نے یزید کی بیعت کی تو ہمیں ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آسمان سے پتھر برسیں، یا آسمان سے بجلی گرے اور عذابِ خدا ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

مدینے والوں نے ان کی بات کو سنا۔ سب نے یزید کی بیعت کا پٹا اپنی گردنوں سے اُتار پھینکا اور عبداللہ ابن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا: آج سے آپ ہمارے حاکم ہیں۔

اب ابن زبیر نے دیکھا کہ ہر طرف اس قسم کے واقعات پیش آ رہے ہیں، لوگ اس حکومت کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اب عبداللہ ابن زبیر کو مختارؓ

کی تلاش ہوئی۔ ایک سال تک تلاش کرتے رہے لیکن مختارؓ تو اپنے قبیلے طائف جا کر بیٹھ چکے تھے۔

ایک سال کے بعد جب حج کا موقع آیا اور مختارؓ حج کے لیے آئے اور حج کے بعد مدینے پہنچے اور عبداللہ ابن زبیر بھی مدینے پہنچے، زیارت قبرِ رسولؐ کے لیے، وہاں دیکھا کہ مختارؓ تو مسجدِ نبویؐ میں موجود ہیں۔

مختارؓ مل گئے لیکن اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: یہ آدمی ہمیں مل جاتا تو کتنا اچھا رہتا، لیکن کیا کروں اس سے پہلے اس کو انکار کر چکا ہوں۔ اب کس طرح اس کو ملاؤں؟

صالح انصاری، عبداللہ ابن زبیر کے ایک ساتھی کہتے ہیں: میں جاتا ہوں اور مختارؓ کو منا کر لاتا ہوں۔

مختارؓ کے پاس گئے اور کہا: عبداللہ ابن زبیر کا ساتھ دو، تم دونوں مل کر ایک حکومت قائم کرو اور تم اپنے مقصد کو حاصل کرو۔

مختارؓ نے کہا: میں نے تو پہلے دن ہی ایک سال پہلے یہ بات کہی تھی لیکن ابن زبیر نے مجھ سے کسی قسم کی کوئی رائے ظاہر نہ کی۔

کہا: ابن زبیر کے دل میں خیال تو تھا مگر وہ ڈر رہے تھے کہ اگر یہ بات عام ہو گئی، تو ایسا نہ ہو کہ حکومت چوکنا ہو جائے اور ہم اپنے مقصد میں ناکام ہوں۔ اب وہ تیاری کر چکا ہے، اب تم اس کا ساتھ دو۔

مختارؓ خوشی کے ساتھ عبداللہ ابن زبیر کے پاس آئے اور کہا: میں فقط دو شرائط پر تمہارا ساتھ دینے پر تیار ہوں۔ پہلی شرط یہ کہ حکومت کے دوران جتنے بھی کام ہوں گے سب میرے مشورے سے انجام دینا۔ اور دوسری بات یہ کہ جب حکومت قائم ہو جائے تو یزید اور قاتلانِ امامؑ سے انتقام لینا ہے۔

ابن زبیر نے کہا: میرا بھی یہی مقصد ہے۔ اے مختارؓ! میں فقط تم سے کتاب خدا اور سنتِ رسولؐ پر بیعت لیتا ہوں۔

مختارؓ نے کہا: ان چیزوں پر تو میں ایک حبشی غلام کی بیعت بھی کرلوں گا، تم پھر بھی میرے ساتھی ہو۔

مختارؓ نے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کرلی، اب عبداللہ ابن زبیر نے مختارؓ کی مدد سے اپنی حکومت حجاز میں قائم کرلی۔ یہ حکومت شام کی حکومت کے مقابلے میں تھی اور مختارؓ نے اس حد تک عبداللہ ابن زبیر کی مدد کی۔ جب عبداللہ ابن زبیر کا سگا بھائی مدینے سے ان کے خلاف فوج لے کر آیا کہ انھوں نے خلافت کیسے قائم کی ہے، تو مختارؓ خود آگے بڑھے تھے۔ اپنی فوج لے کر گئے تھے اور اس کا مقابلہ کر کے اس کو دُور کیا تھا۔ اور اس کے بعد جب عبداللہ ابن زبیر محاصرے میں آگئے تھے تو یہ مختارؓ تھے جو یزید کی فوج کو روکے ہوئے تھے۔ کون سا محاصرہ۔

اب تاریخ بتاتی ہے کہ حاکمِ شام یزید تک بھی یہ اطلاعات پہنچ رہی تھیں کہ مدینے کے اندر یہ انقلاب آگیا، مکے کے اندر یہ تبدیلی آگئی۔ آخر اس نے ایک مرتبہ مسلم ابن عقبہ، جو اس کی فوج کا ایک سردار تھا اور وہ مسلم ابن عقبہ فقط اتنی بات جانتا تھا کہ قرآن میں آیا:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

”خدا کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے حاکم کو مانو“۔ (سورۂ نساء، آیہ ۵۹)

تو اس کو فقط یہ معلوم تھا کہ حاکم جو بھی حکم دے دے ہمیں اس پر عمل کرنا ہے۔ یزید کو اس کی وفاداری پر پورا بھروسا تھا اور اتنا بھروسا تھا کہ اگرچہ یہ بیمار تھا مگر یزید کو اس کام کے لیے اس کے علاوہ کوئی آدمی مناسب نہ لگا۔ بیماری کے بستر سے

اسے اٹھایا اور کہا: ایک کام ہے وہ یہ کہ مدینے اور مکّے والوں نے میرے خلاف جو بغاوت کی ہے، انھیں اس بات کا حکم دینا ہے۔ تم یہ لشکر لے کر جاؤ اور اگر تمھیں کوئی نقصان پہنچ جائے، اور تم اس دنیا سے جانے لگو تو تمھارے بعد حصین ابن نمیر اس لشکر کا سردار ہوگا۔ حصین ابن نمیر جناب علی اکبرؑ کا قاتل بھی تھا۔

یہ کہہ کر اس لشکر کو بھیجا اور کھلی اجازت دے کر بھیجا کہ تمھارے لیے مدینے کا مال، عزت اور خون بالکل مباح ہے۔ اِدھر مدینے والوں نے عبداللہ ابن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور مدینے پر جو یزید کا حاکم تھا اس کو باہر نکال دیا تھا۔ یہ سب سے زیادہ دشمن تھے مروان ابن حکم کے، چنانچہ مدینے کے سب لوگوں نے مل کر اس کے گھر پر حملہ کیا۔ وہ پریشانی کی حالت میں سید سجادؑ چوتھے امامؑ کے پاس آیا۔

کہا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کے گھر کے علاوہ مجھے کوئی جائے پناہ نظر نہیں آرہی ہے۔ آپؑ میرے گھر والوں کی حفاظت کریں۔

امامؑ نے کہا: بے شک تو میرے پاس پناہ کے لیے آیا ہے، تیری حفاظت کرنا میری ذمہ داری ہے۔ یہ کہہ کر اس کی بیوی عائشہ بنت عثمان ابن عفان کو اپنے گھر میں پناہ دی۔ اس کے گھر کی ساری عورتوں کو ساتھ میں رکھا اور مروان ابن حکم رات کی تاریکی میں مدینے سے فرار اختیار کر گیا۔

یزید کے خاندان کے دوسرے آدمی مدینے میں تھے ان کے گھروں کا بھی محاصرہ کر لیا گیا۔ انھوں نے بڑے مظالم کیے تھے۔ اب تک یہ سوچ کر کہ حکومت ان کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جب ان لوگوں نے امان چاہی تو مدینے والوں نے ایک شرط پر امان دی کہ قسم کھا کر جاؤ، کہ یہاں کا راز کسی کو نہیں بتاؤ گے، ہمارے حالات کسی کو نہیں بتاؤ گے۔

انھوں نے قسم کھالی، ان سب کو بھی مدینے سے نکال دیا۔ مدینے سے ایک

میل کے فاصلے پر یزید کا لشکر آ کر ٹھہرا۔ مسلم ابن عقبہ کا، مروان ابن حکم اس میں شامل ہو گیا، شامل ہونے کے بعد کہا: موقع بہت اچھا ہے، مدینے والوں نے انقلاب تو برپا کر دیا ہے، لیکن تیاری نہیں ہے، حملہ کرو اور ان کو قتل کر ڈالو۔

مسلم ابن عقبہ پورا لشکر لے کر آیا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مدینے پر حملہ کیا گیا۔ مدینے کے مردوں نے باہر آ کر مقابلہ کیا۔ مقابلہ کرنے والوں میں خاندان اہلِ بیتؑ کے بھی کچھ افراد تھے۔ چنانچہ روایت یہی ہے کہ جناب عبداللہ ابن جعفرؓ کے دو بیٹے، عونؑ و محمدؑ تو کربلا میں شہید ہوئے، ان کے تیسرے بیٹے عونِ اصغر وہ اسی مقابلے کے دوران یزید کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور ان کے چوتھے بیٹے بھی اسی مقابلے میں شہید ہوئے تھے۔ خاندانِ اہلِ بیتؑ نے بھی مقابلہ کیا مگر کہاں چند جوشیلے نوجوان اور کہاں یہ پورا لشکر۔

مدینے کے اُوپر حملہ کیا، جب ساری کی ساری فوج مدینہ شہید ہو گئی۔ اب یہ لشکر آگے بڑھا۔ مدینے والے گھبرائے۔ ایک مرتبہ دوڑتے ہوئے سب روضۂ رسولؐ میں داخل ہو گئے، اس لیے کہ مسجد نبویؐ حرم ہے۔ یہ دستور اور اصول مسلّمہ تھا کہ جو بھی قبر رسولؐ کے پاس پہنچ گیا اب اس کی جان محفوظ رہے گی۔ لیکن مسلم ابن عقبہ نے جب یہ منظر دیکھا تو حکم دیا فوج کو کہ قبر رسولؐ کی طرف بڑھ جاؤ۔ ایک مرتبہ پوری فوج گھوڑوں پر سوار ہو کر روضۂ رسولؐ میں داخل ہوئی، اور اس کے بعد مسجد نبویؐ میں اس طرح سے خون بہایا گیا کہ قبر رسولؐ جو جنت کا ٹکڑا کہلاتا ہے مسجد نبویؐ میں وہ پورا حصّہ خون سے بھر گیا اور زمین پر خون بہنے لگا۔

فقط اسی کے اُوپر اکتفا نہ کی گئی بلکہ حکم جاری کر دیا گیا کہ سوائے علی ابن حسینؑ کے باقی سارے مدینے کا مال، عزت اور جانیں مباح ہیں۔ اور تین دن کی مہلت دی اپنی فوج کو کہ تین دن میں جو کچھ تمہیں کرنا ہے کرو، کوئی تمہیں روکنے والا نہیں ہے۔

روایت میں ہے کہ اس ظلم کے بعد ایک ہزار زنازادے پیدا ہوئے تھے۔ تو اب تین دن تک پورے مدینہ والوں کی عزت اور مال و جان خطرے میں تھے اور اس وقت مدینے کے جتنے افراد بھی تھے جن کے لیے ممکن ہوسکا وہ اپنی عورتوں کو چوتھے امامؑ کے گھر میں لا کر چھوڑ گئے۔

ایک روایت میں ہے چار سو اور ایک روایت میں ہے چار ہزار مدینے کی عورتیں چوتھے امامؑ کے گھر میں رہیں۔ جب تک کہ مسلم ابن عقبہ کا لشکر لوٹ مار کرتا رہا اور ان عورتوں کا فقرہ بھی ہے:

> "خدا کی قسم! ہم اپنے باپ اور شوہر کے گھر میں بھی اتنے آرام اور سکون سے نہ رہے جتنے پُرسکون امام معصومؑ کے گھر میں رہے تھے"۔

گفتگو تو بہت طویل ہے۔ میں مختصر کرتا ہوں یہاں تک نوبت پہنچی کہ مسجد نبویؑ قبر رسولؐ پر بیٹھ کر شراب پی گئی۔ مسجد نبویؐ میں عورتوں کو لا کر ان کی بے حرمتی کی گئی۔ مسجد نبویؐ میں گھوڑوں اور گدھوں کو باندھا گیا۔ تین دن تک کہ ان کی ساری نجاستیں روضۂ رسولؐ کے پاس جمع ہوتی تھیں۔ مسجد نبویؐ کے اندر کتوں کو منبر رسولؐ کے پاس بٹھایا گیا اور اتنی دیر تک بٹھایا گیا کہ منبر رسولؐ پر کتوں نے پیشاب کیا۔

یہ منظر سب مدینے والے دیکھ رہے ہیں، یہ بھی خدا کا ایک عذاب ہے ان لوگوں کے لیے کہ جنھوں نے وقت پر نصرت امامؑ نہ کی تھی۔ ان شاء اللہ موقع ملا اس سلسلۂ کلام میں بات آگے آئے گی۔

تو اب اس تمام لوٹ مار کے بعد تمام مدینہ والے اتنے ڈر گئے، اور گھبرا گئے کہ تین دن کے بعد مسلم ابن عقبہ نے جب اعلان کیا کہ کون ہے جو بیعت کرنے کو تیار ہے یزید کی؟ تو سارا مدینہ دوڑا دوڑا چلا آیا۔ تب مسلم ابن عقبہ یہاں سے چلا تھا۔

روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے دربار میں بیٹھا تھا، قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری تھا۔ بیس بیس، پچیس پچیس افراد گرفتار کر کے لائے جا رہے تھے اور گردنیں اڑائی جا رہی تھیں کہ ایک مرتبہ میرا چوتھا امامؑ وہاں سے گزرا۔ میرے چوتھے امامؑ نے مسلم ابن عقبہ کو دیکھا اور آپ مسلم ابن عقبہ کے دربار کی جانب تشریف لے گئے۔ اس وقت مسلم ابن عقبہ کی زبان پر آلِ محمدؐ کے بارے میں گستاخیاں بھی تھیں اور جیسے ہی امامؑ آئے تو بے اختیار وہ اپنے مقام سے کھڑا ہو گیا۔ بڑے اطمینان کے ساتھ لا کر امامؑ کو پہلو میں بٹھایا۔

امامؑ نے یہ منظر دیکھا اور کہا: اے بندۂ خدا! خدا سے ڈر، ان لوگوں کا کیا قصور ہے، ان سب کو رہا کر دے اور ان سب کو آزاد کر دے۔

فی الفور اس نے حکم جاری کیا کہ ان سب کو آزاد کرو اور انعام دے کر رہا کرو۔ اس کے بعد میرا چوتھا امامؑ تھوڑی دیر بیٹھ کر تشریف لے گیا۔ مسلم ابن عقبہ کے وزیروں نے پوچھا: ارے ابھی تو اتنے غصے میں تھا اور امامؑ آئے تو تو نے اتنے احترام کے ساتھ سلوک کیا؟

کہا: کیسے بتاؤں کہ جیسے ہی امامؑ کے چہرے پر میری نگاہ پڑی۔ ایک ایسا خوف اور رعب میرے دل میں طاری ہوا کہ پھر مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ میں نے کیا کیا ہے۔ یہ شانِ امامت ہے۔

اب مسلم ابن عقبہ مدینے سے فارغ ہو کر مکہ کی جانب چلا تو راستے میں مسلم ابن عقبہ کی حالت بے اختیار خراب ہوئی۔ اس نے ایک مرتبہ حصین ابن نمیر کو بلایا اور کہا کہ قرآن نے چونکہ اُولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لیے میں اپنے آقا کے حکم کی اطاعت کر رہا ہوں یعنی یزید کی، بس! آج سے یہ لشکر تیرے حوالے ہے۔
یہ کہہ کر ابن نمیر کے حوالے لشکر کیا اور جب موت آنے لگی اور وقتِ آخر کہنے لگا:

"اے خدا! گواہ رہنا کہ میں نے اپنی زندگی میں جو سب سے نیک عمل اور افضل عمل کیا ہے وہ یہ کہ مدینہ والوں کا خون بہایا اور قبر رسولؐ کو لوٹا اور روضۂ رسولؐ کی توہین کی ہے"۔

کسی نے پوچھا: اے مسلم! تو مرتے وقت ایسی بات کہہ رہا ہے؟

کہا: ہاں! اس لیے کہ میں نے مدینے کو تباہ کیا اور قبر رسول کی بے حرمتی کی، قرآن کی آیت پر عمل کر کے کیونکہ قرآن نے مجھ سے کہا تھا کہ اُولی الامر کی اطاعت کرو اور میں نے اپنے اُولی الامر کی اطاعت کی ہے۔

پس ___!

قرآن کو اہلِ بیتؑ سے جدا کرنے کا یہی انجام اور نتیجہ ہوتا ہے۔

اب ابن نمیر کے ہاتھ میں لشکر آ گیا۔ مکّے کا محاصرہ کیا گیا، مکّے والے مقابلہ کر رہے ہیں، اور مکّے والوں میں مختارؓ موجود ہیں۔ عبداللہ ابن زبیر جیسے ایک پہاڑ میں چھپ کر پوشیدہ ہو گئے لیکن مختارؓ اپنے چھوٹے سے لشکر کو لے کر ابن نمیر کے پورے لشکر کو روکے ہوئے ہے۔

ابن نمیر روزانہ حملہ کرتا ہے اور اُس کو مکے میں داخل ہونے کا راستہ نہیں ملتا ہے۔ آخر اس نے منجنیق میں آگ بھر بھر کے خانہ کعبہ کے اُوپر پھینکنا شروع کی، کعبہ کے پردے جلے۔ دیواریں گریں اور کعبہ کی بنیادیں ظاہر ہو گئیں، چاروں دیواریں گر گئیں۔

روایت ہے کہ کعبہ میں جو تبرکات چلے آرہے تھے وہ بھی جل گئے، مثلاً حضرت ابراہیمؑ نے جو حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کیا تھا، اسماعیلؑ کے گلے پر جو چھری چلائی تھی تو اس وقت جو دُنبہ آ گیا تھا اس کے دونوں سینگ اب تک خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکے تھے۔ ابن نمیر نے جو آگ کعبہ پر پھینکی اس کے نتیجے میں کعبہ کے

پردے جلے اور سینگ بھی جل گئے اس مینڈھے کے جو اسماعیلؑ کا فدیہ بن کر آیا تھا اور عین یہی وقت تھا کہ شام سے اطلاع آئی کہ یزید واصلِ جہنّم ہو گیا ہے۔

جب یزید کے مرنے کی اطلاع مکّے میں آئی تو اب ابن نمیر گھبرایا اور یہاں سے بھاگنا چاہا لیکن مختارؓ نے اس کو گھیر لیا اور اس کے بعد جو واقعہ ہے وہ میں آپ کو کل بتاؤں گا۔

—— • ——

مجلسِ ہفتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

قرآن کریم کی آیت مبارکہ جو سورۂ مبارکہ شعراء کی آخری آیت ہے۔ ہر صاحب عقل کو ظلم کے نتیجے اور انجام سے آگاہ کر رہی ہے اور اسی ضمن میں کل ہماری گفتگو اس منزل تک پہنچی تھی کہ چونکہ ہر مسلمان کی ذمہ داری یہ قرار دی گئی ہے:

"تم ظالم کے ظلم کا مقابلہ کرو اور مظلوم کے مددگار بنو"۔

چونکہ ظلم کا خاتمہ اور مظلوم کی مدد ہر مسلمان کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے، اس لیے کہ جو آنے والا آئے گا تو فقط اس لیے تاکہ دنیا سے ظلم و جور کا خاتمہ کرے۔

تو ہر مسلمان، ہر مومن اور ہر انسان کا یہ بنیادی فریضہ ہوگا کہ وہ آگے بڑھ کر امامؑ کی آواز پر لبیک کہے اور امامؑ کی نصرت کرے۔ اور اسی سلسلے میں مَیں نے کل یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ آنے والے امامؑ کی نصرت کے خاتمے کے سلسلے میں امامؑ کی آواز پر لبیک کہنا، یہ بھی ایک فریضہ ہے۔ اور خود اس امامؑ کی آواز پر لبیک کہنا بھی ضروری ہے کہ امامؑ ظلم ہی کے خاتمے کے لیے کربلا کے میدان میں پہنچ کر هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ يَّنْصُرُنَا کی آواز بلند کر رہا تھا اور کم از کم مومن تو یہ جانتا ہے کہ اس آواز کے بلند کرنے والے کو اپنی ذات کے لیے کوئی مدد نہیں چاہیے تھی۔ وہ اپنی ذات کے لیے

کسی مددگار کا محتاج نہیں تھا۔ وہ کربلا کے میدان میں گیا تھا۔ یہ سمجھتے ہوئے اور جانتے ہوئے کہ کتنی قربانیاں دینی ہیں اور کس لیے دینی ہیں اور کربلا کے واقعہ کا انجام کیا ہوگا۔

تو وہاں پر بھی جو مدد طلب کی جارہی تھی تو فقط ظلم کے خاتمہ کے لیے اور دین خدا کے لیے۔ تو اب قیامت تک آنے والے ہر مومن، اس کی دو ذمہ داریاں ہیں: ایک یہ کہ تیار اور آمادہ رہے، اس آنے والے امامؑ کے لیے جو ظلم کا خاتمہ کرے گا۔ اور اس کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے ہر وقت حاضر رہو۔ اور دوسری یہ کہ جو امامؑ کربلا کے میدان میں ۶۱ ہجری کو هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا کی آواز بلند کر چکا ہے اب اس کی آواز پر لبیک کہتا ہوا اس کی مدد کرے۔

اب امیر مختارؓ، ابراہیمؒ، مالک اشترؓ اور سلیمان خزاعیؒ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کردار کی وجہ سے اس منزل پر پہنچے کہ آل محمدؐ پر اپنی جانیں قربان کر دیں اور امیر مختارؓ کی تو زندگی کا مقصد ہی صرف ایک تھا اور ایسا لگتا ہے کہ قدرت کا مقصد بھی فقط یہ تھا۔ اسی لیے امیر مختارؓ جب ابن زیاد کو قتل کرتے ہیں تو امیر مختارؓ کا کام مکمل ہو گیا۔ ظاہری طور پر جتنے قاتلانِ امام تھے سب مارے گئے۔ یزید پہلے مر گیا تھا، باقی بیچ میں مرے۔ آخر میں ابن زیاد مرا، اور امیر مختارؓ کا کام مکمل ہوا۔ قدرت نے مختارؓ کو اپنے پاس بلا لیا۔

مختارؓ کا مقصد کوئی طویل حکومت قائم کرنا نہ تھا۔ قدرت نے ان کو فقط ایک کام کے لیے چنا تھا اور کام ہے قاتلانِ امامؑ سے انتقام۔ اور یہی مختارؓ نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا اسی لیے قید خانے سے رہا ہو کر آئے تو اب تلاش میں ہیں کہ کون ایسا ہے جو اس کام میں میرا مددگار بن سکتا ہے؟ فقط عبداللہ ابن زبیر کی ہستی سامنے نظر آئی۔ انہی کے ہاتھ پر بیعت کر لی مگر یہ شرط لگا کر کہ میں اس لیے تیری بیعت کر رہا

ہوں کہ قاتلانِ امام حسینؑ سے مجھے انتقام لینا ہے۔

اس نے کہا کہ یقیناً یہ تو میرا بھی ارادہ ہے، چنانچہ مختارؒ نے ابن زبیر کی حکومت کے لیے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا۔ اور جب حصین ابن نمیر نے مسلم ابن عقبہ کے جہنّم واصل ہونے کے بعد مکّے اور مدینے کے درمیان لشکر کی قیادت کو سنبھال کر خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا، مکّے کا محاصرہ کیا تو اسی وقت عبداللہ ابن زبیر پوشیدہ ہو گئے۔ لوگ ساتھ چھوڑ چھوڑ کر جانے لگے۔ لیکن یہ مختارؒ ہیں جو اپنے چھوٹے سے لشکر کو لے کر ابن نمیر کی پوری فوج کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

ایک بات میں بتا دوں کہ میرے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ کل کی میری گفتگو سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ میرے سننے والوں کو، مسلم ابن عقبہ کے الفاظ میں نے بیان کیے تھے۔ اس نے کہا تھا: ”مجھے اطمینان ہے کہ میں خدا، رسولؐ اور اُولی الامر کی اطاعت کر کے مر رہا ہوں“۔

میرا مقصد فقط یہ بتانا تھا کہ جب قرآن کو اہلِ بیتؑ سے جدا کر کے غلط تفسیر کی جائے گی، تو اب ایسے ایسوں کو امیر مانا جائے گا۔ اور اب فقط اس لیے کہ اُولی الامر سمجھا جا رہا ہے، اس لیے رسولؐ کی قبر کی توہین کرنے سے بھی کوئی خوف نہ ہوگا۔

تو میں فقط یہ بیان کرنا چاہ رہا تھا لیکن چونکہ صاحبانِ ایمان کا مجمع تھا، میں نے کوئی وضاحت نہیں کی۔ غالباً لوگوں نے ذہنوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ میں یہ ثابت کرنا چاہ رہا ہوں کہ اُولی الامر کا یعنی حاکمِ وقت کا ہر حکم ماننا واجب ہے۔

نہ میرا یہ مقصد تھا اور نہ ہی میری گفتگو کا کوئی جملہ یا لفظ اس قسم کا تھا۔ میں تو فقط یہ بتا رہا تھا کہ لوگوں نے ٹھوکر کھائی اس لیے کہ قرآن اور اہلِ بیتؑ میں جدائی ڈال دی اور اپنی مرضی سے تفسیر کی۔

تو یزید جیسے کو اُولی الامر سمجھ کر اس کے حکم پر مدینے کو تباہ کر کے یہ سمجھا جا رہا

ہے کہ میں نے اپنا فریضہ انجام دیا۔ یہ غلط فہمی ہوئی اس لیے کہ اُولی الامر کے مطلب کو نہ سمجھا گیا۔

تو بہر حال____!

اب ابن نمیر کے ہاتھ میں قیادت ہے لشکر کی، مکہ محاصرے میں آچکا ہے۔ روز بروز لوگ ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ پریشانی بڑھتی جا رہی ہے کہ اتنے میں ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید دمشق کے قریب کسی مقام پر جہنم واصل ہوا اور اسی حالت میں کہ یا تو روایت یہ بتاتی ہے کہ اس کا نام و نشان بھی نہ ملا۔ یا یہ بتاتی ہے کہ گھوڑے کی رُکاب میں اس کا پاؤں اُلجھا ہوا ملا کہ جس کو لا کر دمشق میں دفن کر دیا گیا۔

اب یزید کی فوج یزید کا انتظار کر رہی تھی۔ یزید کی فوج یزید کی منتظر تھی کہ اتنے میں دیکھا کہ یزید کے دس دوستوں میں سے تین دوست خاک اڑاتے ہوئے یزید کے گھوڑے کو لے کر آ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ گھبرا کے پوچھا: کیا بات ہے؟

آنے والوں نے پورا واقعہ بتایا۔ سب واپس دمشق میں گئے۔ دمشق کے اندر لوگوں کی دو حالتیں ہوئیں: محبانِ اہلِ بیتؑ مسرور ہوئے اور دشمنانِ اہلِ بیتؑ غمگین ہوئے۔ یزید کے بیٹے معاویہ کو تختِ حکومت پیش کیا گیا مگر اس نے یہ کہہ کر ٹھوکر مار دی:

"میں ایسی حکومت کو قبول نہیں کرتا کہ جس کی بنیاد اہلِ بیتؑ کے خون بہانے اور ان کے حق کو غصب کرنے پر ہو"۔

بڑا زبردست خطبہ ہے اور اس کے بعد حکومت کے تخت کو ٹھوکر مار کر گھر سے چلا گیا۔

روایت ہے کہ پھر محل سے باہر نہ نکلا۔ اٹھارہ دن یا چھ مہینے زندہ رہا اور اس کے بعد اسی حالت میں روتے روتے مر گیا۔ اس کے بعد اس کا جنازہ ہی محل سے باہر نکلا۔

بعض روایات میں تو یہ بھی ملتا ہے کہ خاندان والوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ تو باپ دادا کے مقصد کو ختم کر دے گا، اسے زہر دے کر شہید کر دیا تا کہ ایسا نہ ہو کہ اس کی اس غلطی کی وجہ سے وہ حکومت ہاتھ سے نکل جائے جو سالوں کی کوشش اور تمنا کے بعد ہاتھ میں آئی ہے۔

اب اس کے انتقال کے بعد حکومت ایک مسئلہ بن گئی تھی۔ کسے دی جائے یہ حکومت؟ کون آگے بڑھ کر اس حکومت کو سنبھالے، سوچنے کی بات ہے۔ جس حکومت نے آلِ محمدؐ کا خون بہایا تھا فقط تین یا ساڑھے تین سال یہ حکومت یزید کی نسل میں رہی، اس کے بعد نسلِ یزید کا خاتمہ ہو گیا۔ تین بڑے دعوے دار اس حکومت کے سامنے آرہے تھے۔

ایک تو یہ کہ شام والوں نے سوچا کہ اپنے میں سے جو سب سے بزرگ ہے اسے حاکم بنا دیں۔ نعمان ابن بشیر انصاری اس وقت تمام شام والوں کے نزدیک قابلِ احترام تھے چنانچہ ان کی بیعت ہونے لگی۔

کچھ نے خیال کیا کہ نہیں، یزید کا ایک اور بیٹا ہے۔ جس کا نام خالد تھا۔ عمر اس کی دس یا بارہ سال کی تھی، اس کو تختِ حکومت پر بٹھا دو تا کہ حکومت ہمارے خاندان سے نہ نکلنے پائے۔

اور کچھ لوگوں نے یہ سوچا کہ عبداللہ ابن زبیر بڑا طاقت ور آدمی ہے اور مکہ اور مدینہ اور پورا حجاز اس کے ہاتھ میں ہے اب بہتر یہی ہے کہ اسی کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ وہ رسولؐ کا قریبی رشتہ دار بھی ہے۔

اب ابن نمیر نے عبداللہ ابن زبیر سے کہا: اے ابن زبیر! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت تیرے جیسا کوئی شخص اس اسلامی سلطنت میں نہیں ہے۔ میرے ساتھ شام چل، میں تجھے شام میں خلیفہ بنا کر پوری اسلامی حکومت تیرے ہاتھ میں دے دوں

گا۔ تجھے پوری اسلامی حکومت کا حاکم بنا دوں گا۔

عبداللہ ابن زبیر نے اپنے فطری خوف کی وجہ سے انکار کر دیا اور کہا: نہیں میں پہلے مکّے اور مدینے والوں کے خون کا انتقام لوں گا، اس کے بعد شام کی حکومت کے بارے میں سوچوں گا۔

ابن نمیر یہ کہتا ہوا آگے بڑھا: کتنا احمق ہے تو! میں تو تجھے پیش کش کر رہا ہوں اور تو اُلٹا مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے لشکر کو لے کر شام کی جانب چلا۔

اب عبداللہ ابن زبیر نے حصین ابن نمیر کے یہاں سے جانے کے بعد اپنی حکومت کو مکّے پر دوبارہ مستحکم کیا۔ اُدھر مدینے والوں کو جب یہ اطلاع ملی کہ یزید دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ تو مسلم ابن عقبہ نے مار دھاڑ کر کے جوان سے بیعت لی تھی، اس بیعت کو انھوں نے توڑا۔ مسلم ابن عقبہ کے مقرر کردہ حاکم کو نکالا اور ایک مرتبہ پھر وہ پریشان تھے کہ اب کس کو حاکم بنائیں کہ اتنے میں ابن زبیر کا آدمی پہنچا۔ ابن زبیر نے مدینے میں بھی اپنی حکومت قائم کر لی۔ اب مکّے سے مدینے کا علاقہ عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ میں آ گیا۔

مختارؓ جو اب تک مکّے میں تھے تاکہ مکّے کو دشمنوں سے بچائیں تو عبداللہ ابن زبیر نے مختارؓ کو مدینے بھیجا اور کہا: اس شہر میں تو مَیں ہوں اور تم وہاں جا کر انتظام سنبھالو، حالات کو کنٹرول کرو۔

مختارؓ مدینے میں پہنچے اور اسی مدینے میں مختارؓ ہیں کہ ایک مرتبہ وہ پیغام ان کے پاس آیا جس سے ان کے جوش اور ولولے میں اضافہ ہو گیا۔

تمام علماء شیعہ اور سنّی اس روایت کو نقل کرتے ہیں: ایک دن مختارؓ مدینے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک مسافر آیا اور آنے کے بعد سلام کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ

''اے اللہ کے ولی مختارؒ! تم پر میرا سلام ہو''۔

مختارؒ نے سلام کا جواب دیا۔ کہا: اے شخص! تو کہاں سے آ رہا ہے؟

کہا: میں ایک امانت کو دینے کے لیے آیا ہوں جو پچیس سال سے میرے پاس محفوظ تھی۔

مختارؒ نے کہا: کون سی امانت؟

کہا: امیرالمومنینؑ نے کوفہ میں مجھے یہ خط دیا تھا اور کہا تھا کہ جب مختارؒ مدینے کا حاکم بن جائے تو جا کر یہ خط مختارؒ کے حوالے کر دینا۔

مختارؒ نے مولاؑ کا خط لیا، بڑے احترام سے بوسہ لیا لیکن کہا: یہ کیسے ثابت ہو کہ خط واقعاً مولا علیؑ کا دیا ہوا ہے؟ تم شرعی قسم کھاؤ۔ اس نے شرعی قسم کھائی اور کہا: میں شرعی قسم کھاتا ہوں کہ یہ خط علیؑ نے مجھے دیا تھا۔

اب مختارؒ کو اطمینان ہوا۔ مختارؒ نے خط کھولا اور اندر سے خط نکلا رسولؐ خدا کا، اس میں لکھا تھا:

> ''مختارؒ! تم پر میرا سلام ہو اور تمہارے دل میں خدا نے ہمارے اہل بیتؑ کی محبت کو ڈال دیا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ تم اس منزل پر پہنچو گے کہ ہمارے دشمنوں سے انتقام لے سکو تو گھبرانا نہیں، خدا کی مدد تمہارے شاملِ حال رہے گی''۔

جب مختارؒ نے پیغمبرؐ اسلام کا یہ خط دیکھا تو اب مختارؒ کے جوش اور ولولے میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اِدھر مختارؒ نے ایک منظر اور دیکھا وہ یہ کہ اب مختارؒ مدینے سے پلٹ کر جب مکہ میں آئے حج کے موقع پر ابن زبیر سے ملنے، تو دیکھا کہ عبداللہ ابن زبیر کا انداز ہی جدا ہے۔

مختارؓ نے آگے بڑھ کر پوچھا: اے عبداللہ ابن زبیر! قاتلانِ امامؑ سے انتقام لینے کا کیا ارادہ ہے؟

کہا: ہاں ہاں، جب وقت آئے گا، جب موقع ہوگا۔ طویل عرصہ کے بعد جب فوج ہو جائے گی تو تب اس کے بارے میں سوچیں گے۔

مختارؓ نے دیکھا کہ اب تو عبداللہ ابن زبیر کا مقصد ہی بدل گیا ہے۔ مختارؓ بڑے مایوس ہوئے۔ مختارؓ نے عبداللہ ابن زبیر کی اس بدلی ہوئی طبیعت کو دیکھا تو بڑا افسوس ہوا اور دل میں ارادہ کرلیا کہ اب ابن زبیر کو اس وعدہ شکنی کی سزا بھی دینا ہے۔

اس کے بعد مختارؓ نے یہ سوچا اور عزم کیا کہ اب یہ کام مجھے خود کرنا ہوگا۔ اتنے میں مختارؓ کے پاس اطلاع آئی کہ کوفے کے حالات بہت بدل چکے ہیں اور اب کوفے کے اندر محبانِ اہلِ بیتؑ کی ایک طاقتور جماعت پیدا ہوگئی ہے۔

مختارؓ نے سنا تو بے چین ہوگئے، سوچا کہ اس وقت کوفہ چلنا چاہیے، دیکھوں کہ وہاں کے کیا حالات ہیں۔ اور اگر موقع ملے تو وہاں جا کر قاتلانِ امامؑ سے بدلہ لیا جائے۔ لیکن مختارؓ محبِ اہلِ بیتؑ تھے۔ معلوم تھا کہ اتنا بڑا قدم جو میں اٹھا رہا ہوں جب تک امامِ وقت اس کی اجازت نہ دے دیں اس وقت تک مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ مختارؓ پہلے حضرت محمد ابن حنفیہؒ کے پاس گئے، چونکہ محمد ابن حنفیہ سے زیادہ قریبی تعلقات تھے، جا کر کہا: مجھے امامِ وقت کے پاس جا کر اجازت دلوا دیجیے کہ میں اہلِ بیتؑ کے خون کا بدلہ لے سکتا ہوں یا نہیں؟

محمد ابن حنفیہؒ مختارؓ کو لے کر چلے، امامؑ کی خدمت میں پہنچے اور کہا:

اے بھتیجے! یہ مختارؓ آیا ہے اور اجازت لینا چاہتا ہے کہ ہمارے خاندان کے قاتلوں سے انتقام لیا جائے یا نہ لیا جائے؟

امامؑ نے فرمایا: اگر ایک حبشی غلام بھی ہم اہلِ بیتؑ پر زیادتی کرے تو ہر شخص

کو یہ حق ہے کہ اس سے بدلہ لے۔

پھر امامؑ نے اپنے چچا محمد بن حنفیہ سے فرمایا: اے میرے چچا! اس مسئلے میں میں آپ کو اختیار دیتا ہوں۔

فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ

"جو آپ چاہیں وہ کریں"۔

مختارؓ کو دیکھ کر فقط اتنا کہا: "اگر ایک حبشی غلام بھی ہمارے بارے میں کوئی زیادتی کرے تو ہر ایک پر واجب ہے کہ جا کر اس سے بدلہ لیا جائے"۔

مختارؓ اور جناب محمد بن حنفیہ دونوں سمجھ گئے کہ امامؑ نے اجازت دی ہے مگر کچھ مصلحات کی وجہ سے صراحت کے ساتھ اجازت نہیں دی ہے۔ محمد بن حنفیہ کو اختیار دے دیا یعنی اپنا نائب بنا دیا کہ اس معاملے میں جو آپ چاہیں کر سکتے ہیں، آپ کو اجازت ہے۔

محمد بن حنفیہ نے مختارؓ سے کہا: مختارؓ! میری طرف سے تجھے اجازت ہے، جس طریقے سے ممکن ہو، اسی طریقے سے ہمارے خاندان کے مقتولوں کا بدلہ لو، چنانچہ جناب مختارؓ امامِ زمانہؑ سے اور ان کے نائب سے اجازت لے کر چلے۔

اب ادھر کوفہ میں کیا ہوا تھا کہ جو اطلاع مختارؓ کے پاس آئی تھی وہاں یہ ہوا تھا کہ اِدھر یزید کے مرنے کی خبر کوفہ پہنچی تو محبانِ اہلِ بیتؑ کی جماعت جو کوفہ میں تھی مگر اپنے آپ کو پوشیدہ کیے ہوئے تھی، جب اس جماعت کو یزید کے مرنے کی اطلاع ملی تو اب سب کے سب گھروں سے نکل آئے، ایک مقام پر جمع ہو گئے، ایک پرچم بلند کیا اور اس کے بعد سب نے مل کر ابن زیاد کے محل پر حملہ کیا۔

کربلا کے واقعہ کے بعد یزید نے ابن زیاد کو عراق کے دو علاقوں کا حاکم بنا دیا تھا کوفہ کا اور بصرہ کا۔ ابن زیاد چھ مہینے کوفے میں رہتا تھا اور چھ مہینے بصرہ میں رہتا

تھا۔ جب یزید کے مرنے کی خبر آئی تو اس وقت ابن زیاد بصرہ میں تھا۔ کوفہ میں وہ خود نہ تھا بلکہ اس کا نائب تھا۔

یہ محبان ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی فوج بن گئی۔

بس ___ !

اطلاع ملتے ہی کہ یزید مارا گیا ہے تو لوگ گھروں سے نکلے اور ایک مرتبہ حملہ کر دیا دارالامارہ پر۔ اس وقت کوفہ کے وہ لوگ بھی جو اکثر محبانِ اہلِ بیتؑ نہیں تھے لیکن ابن زیاد اور یزید کے مظالم کا مزہ چکھے ہوئے تھے، انھوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ دارالامارہ پر حملہ کیا، ابن زیاد کے مال کو لوٹ لیا گیا۔ اس کے بعد اس قیدخانے کو جا کر توڑا کہ جس میں چار ہزار پانچ سو محبان اہلِ بیتؑ قید تھے۔ ان قیدیوں میں رسولؐ کے صحابی بھی تھے اور امیرالمومنینؑ کے صحابی بھی تھے۔ یہ سب کے سب باہر آئے اور باہر آنے کے بعد انھیں پہلی مرتبہ یہ اطلاع ملی کہ کربلا میں کیا ہوا ہے، اور کتنے مظالم کربلا والوں پر ڈھائے گئے ہیں۔

بس ___ !

یہ سننا تھا، جوشِ انتقام میں یہ بھر گئے اور افسوس ان کو اس بات کا تھا کہ ہم قید میں ہونے کی وجہ سے کربلا والوں کا ساتھ نہ دے سکے۔ چنانچہ یہ سارے کے سارے آدمی جن کو اپنی قید کی تکلیف کا اتنا احساس نہ تھا جتنا اس چیز کا احساس تھا کہ کاش! ہم آزاد ہوتے اور کربلا میں امامؑ کا ساتھ دیتے ہوئے شہید ہو جاتے۔

یہ سب کے سب جمع ہوئے اور سلیمان خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے۔ سلیمان کی عمر تقریباً نوے سال کی تھی مگر اہلِ بیتؑ بوڑھوں کو جوان کر دیا کرتی ہے کہ جیسے کربلا میں جناب حبیبؓ ابن مظاہر نے بتایا اور آج کے دور میں حضرت آیت اللہ العظمیٰ السید روح اللہ الموسوی الخمینی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑھاپے میں جوانی کی شان نے بتایا۔

تو اب سلیمان کھڑے ہو کر کہتا ہے: اے میرے ساتھیو! کتنے افسوس اور ندامت کی بات ہے کہ فرزندِ رسولؐ نصرت کے لیے آواز بلند کرتا رہا اور ہم ان کی مدد نہ کر سکے، لیکن اب ہمیں اس خون کا انتقام لینا ہے۔ جوش میں بھرے ہوئے لوگ تیار ہو گئے۔ سب نے کہا: ہمارے خون کا ایک ایک قطرہ فاطمہؑ کے بیٹے کے خون کے انتقام کے لیے نثار ہے۔

اس کے بعد سلیمان نے کہا: میں امام حسینؑ کے خون کا انتقام لینا چاہتا ہوں، جس نے آنا ہے وہ آ جائے۔

سولہ ہزار کے قریب آدمیوں نے نام لکھوائے۔ اس کے بعد کوفے کے ساتھ ایک شہر مدائن تھا، وہاں امیر المومنینؑ کے ساتھی جناب حذیفہ یمانیؓ کا خاندان رہتا تھا۔ یہ وہی حذیفہ یمانیؓ ہیں جنھیں رسولؐ خدا نے ان منافقوں کے نام بتائے تھے جنھوں نے ایک گھاٹی کے اندر پتھر گرا کر پیغمبرِ اسلام کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ چنانچہ تمام مسلمانوں کی عادت یہ تھی کہ رسولؐ کے زمانے کا کوئی آدمی جب مر جاتا تھا تو اگر جناب حذیفہؓ اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے تو لوگ بھی اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے کہ شاید یہ انھی میں سے ہوگا کہ جن کے نام پیغمبرؐ نے حذیفہؓ کو بتائے تھے۔

ان کا انتقال ہو چکا تھا، ان کے بیٹے سعد تھے۔ تو اب سلیمان نے ان کے بیٹے کو بھی خط لکھا، تو وہاں سے جواب آیا کہ ہم تیار ہیں۔ سلیمان نے ایک جماعت تیار کی جس کو تاریخ میں کہا جاتا ہے جماعتِ توابین۔ اب سلیمان کے گھر میں میٹنگ ہوئی۔ سلیمان کو حاکم بنایا گیا۔

اُدھر عبداللہ ابن زبیر نے مکّے سے ایک آدمی کو بھیجا جس کا نام تھا عبداللہ ابن یزید انصاری، اور کہا کہ کوفہ کے اندر اس وقت کوئی حاکم نہیں ہے اور ابن زیاد کے محل

کو لوٹ لیا گیا ہے۔ اس لیے تم جاؤ اور میری طرف سے کوفہ کی حکومت کو سنبھالو۔ چنانچہ کوفہ میں عبداللہ ابن زبیر کا نمائندہ آ گیا، کوفہ کا گورنر۔

اب مدینے میں، مکّے میں اور کوفے تک ابن زبیر کے نمائندے ہیں۔ سلیمان وغیرہ نے طے کیا تھا کہ ہمیں کوفہ والوں سے کچھ نہیں لینا ہے۔ سب سے بڑے قصوروار یزید اور ابن زیاد ہیں کربلا کے واقعہ کے۔ یزید مارا جا چکا ہے اور اب پہلے ابن زیاد سے انتقام لینا ہے، چنانچہ جب ان کا یہ ارادہ حکومت کے علم میں بھی آیا اور قاتلانِ امامؑ کے علم میں بھی آیا اور کسی نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

وہاں پر جب مختارؓ کو یہ اطلاع ملی تو مختارؓ چل رہے ہیں، راستے میں کوفہ سے آنے والا راہی ملا۔ پوچھا: کوفے کی کیا حالت ہے؟

کہا: کوفہ کی حالت تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی گلہ ہوتا ہے جانوروں کا کہ کوئی گلہ بان نہیں ہے جو سب کو اکٹھا کرے، کوئی قائد نہیں ہے۔

مختارؓ نے مسکرا کر کہا: میں وہ قائد بنوں گا کہ سارے کوفے کو ایک مقام پر اکٹھا کر کے اپنا پرانا عزم پورا کروں گا۔ یہ کہہ کر مختارؓ تیزی سے آگے بڑھے، جب نہرِ فرات کے نزدیک پہنچے تو جمعہ کا دن تھا۔ غسل کیا، لباس بدلا، عمامہ پہنا، خوشبو لگائی، تلوار حمائل کی اور بڑی شان سے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے لیکن جب کوفہ جا رہے تھے تو راستے میں قادسیہ کا مقام آیا، وہاں پہنچ کر کربلا کی طرف رُخ کر لیا۔

کربلا آ کر امامؑ کی قبر پر اپنے آپ کو آ گرایا اور کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہ

میں آپؑ سے آپؑ کے ناناؐ، آپؑ کے باباؑ، آپؑ کی ماں فاطمہ زہراؑ، آپؑ کے بھائی حسن مجتبیٰؑ اور آپؑ کے ان اہلِ بیتؑ اور ساتھیوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں: آج کے بعد سے میں نے عہد کیا ہے کہ میں لذیذ کھانا نہیں کھاؤں گا، ٹھنڈا پانی نہیں

پیئوں گا، اپنا لباس نہیں بدلوں گا۔ بستر پر نہیں سوؤں گا، خوشبو نہیں لگاؤں گا جب تک کہ آپؑ کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لوں۔

یہ قسم کھا کر مختارؓ اس مقام سے کھڑے ہوئے اور کوفے میں داخل ہوئے، جب داخل ہوئے تو اعلان کرتے ہوئے چلے۔

کوفے والوں نے پہچان لیا، چاروں طرف سے سلام کی آوازیں آنے لگیں۔ مختارؓ اپنے مکان پر پہنچ کر وہاں مقیم ہوگئے، اطلاع ملی کہ سلیمان یہاں سے نکل رہے ہیں کیونکہ سلیمان کو ایک اور اطلاع مل گئی تھی۔

کیا اطلاع ملی تھی؟ کہ ابن زیاد چھ مہینے کوفہ میں تھا، چھ مہینے بصرہ میں تھا۔ بصرہ میں ابن زیاد کے پاس یزید کے مرنے کی اطلاع آئی اور ایک کبوتر اُڑتا ہوا آیا۔ اس کبوتر میں مروان ابن حکم نے ایک خط بھیجا تھا، اور کہا تھا: ابن زیاد! جلدی سے دمشق پہنچ۔ اِدھر ابن زیاد دمشق کی طرف چلا اور اُدھر سلیمان کو اطلاع ملی کہ ابن زیاد بصرہ سے دمشق جا رہا ہے۔

اب سلیمان اس راستے پر جا کر بیٹھ گئے۔ جب ابن زیاد کو اس سلیمان کے لشکر کی اطلاع ملی تو ایک مرتبہ گھبرا گیا۔

ابن زیاد نے اپنے پہرے دار سے کہا: میری جان کو بہت خطرہ ہے، مجھے بچاؤ۔

پہرے دار نے کہا: میرے پاس ایک تجویز ہے شاید تمہاری جان بچ جائے۔ ابن زیاد کا لشکر چلا۔ ابن زیاد اسی قافلے میں ہے۔ سلیمان کا لشکر آیا۔ سلیمان نے لشکر کو روکا، کہا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ ابن زیاد تیرے ساتھ دمشق جا رہا ہے۔

کہا: کیا بات کرتے ہو، ایک قافلہ ہے ہمارا، اس میں ساز و سامان ہے۔ ابن زیاد کہاں ہمارے ساتھ ہے؟ ایک ایک چیز کی تلاشی لے لو۔

سلیمان نے کہا: میں خود تلاشی لوں گا۔

پورے قافلے کی تلاش لی گئی مگر عجیب بات یہ تھی کہ اسی قافلے میں ابن زیاد موجود ہے، تلاشی لینے کے بعد کہتے ہیں کہ شاید ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے، تم جاؤ۔

ذکرِ مصائب!

تو بہر حال___!

ابھی ابن زیاد کی رسّی طویل تھی، ابھی ابن زیاد کو خدا نے مہلت دی ہوئی تھی، اس لیے اس کی جان بچ گئی۔

اور یقیناً خدا ظالموں کو مہلت دیتا ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ غضب خدا تو اسی وقت نازل ہونا چاہیے تھا کہ جب دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ محمدؐ کی نواسیاں ابن زیاد کے دربار میں لے جا کر کھڑی کر دی گئی ہیں۔

اور وہ ابن زیاد ایک مرتبہ طاقت کے نشہ میں چُور ہے، وہ کسی کو بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہتا، مگر ہاں ایک بچی پر اس کی نگاہ پڑی تو بے اختیار اس کی زبان پر ایک سوال آ گیا۔

اس نے دیکھا کہ ایک ننھی بچی ہے، جو کبھی کھڑی ہوتی ہے اور کبھی بیٹھ جاتی ہے۔

کہا: اے بچی! تیرا نام کیا ہے؟

کہا: میرا نام تو فاطمہؑ ہے مگر میرا بابا مجھے پیار سے سکینہؑ کہا کرتا تھا۔

ابن زیاد نے کہا: تیری یہ حالت کیوں ہے کہ کبھی کھڑی ہوتی ہے، کبھی بیٹھتی کیوں ہے؟

کہا: تیری فوج نے ایک رسّی میں ہم سب کے گلے باندھ دیے ہیں۔ جب

میں کھڑی ہوتی ہوں تو میرا گلا گھٹنے لگتا ہے۔ جب میں بیٹھتی ہوں تو میرے بھائی سجادؑ کا گلا گھٹنے لگتا ہے۔

ایک مرتبہ سوال کیا: تو نے اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر کیوں رکھا ہوا ہے؟

کہا: اے ابن زیاد! میری بہنوں اور پھوپھیوں کے بال بڑے ہیں، اپنے بالوں سے چہرہ چھپا لیا ہے، لیکن میرے بال اتنے چھوٹے ہیں کہ میں اپنا چہرہ نہیں چھپا سکتی۔

اپنے ننھے سے ہاتھ سے چہرہ چھپائے ہوئے ننھی سکینہؑ کھڑی ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ ہشتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

قرآن کریم کی اس آیت کے بارے میں جس کو آپ نے سرنامۂ کلام میں سماعت فرمایا۔ اس مجلس سے قبل سات مجالس میں کچھ گزارشات پیش کی گئی تھیں۔

اور کل میں عرض کر رہا تھا، ہر اس شخص کے دل میں جو آلِ محمدؐ کا ماننے والا ہے، یہ تمنا رہتی ہے کہ کاش اسے کوئی موقع ملے نصرتِ امامؑ کا۔

اور جب بات آنے والے امامؑ کی ہوتی ہے تو یہ تمنا اور بڑھ جاتی ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اب ایسا ہونا چاہیے ہر مومن کو اور ایسا ہونا چاہیے ہر مومنہ کو کہ جس حد تک ہو سکے جتنا ہو سکے اتنا وہ نصرتِ امامؑ اپنے اپنے مقام پر اور اپنے اپنے زمانے میں کرے جیسے ان لوگوں نے نصرتِ امامؑ کی کہ جو ساڑھے تین سال قید خانے میں قید تھے، لیکن جیسے ہی ان کو قید کر کے رہا کیا گیا۔ انھوں نے پہلا فریضہ یہ سمجھا کہ اپنی مجبوری کی وجہ سے کہ وہ امامؑ کی خدمت میں نہ پہنچ سکے۔ تو اب تو آزاد ہو گئے ہیں، اب تو مجبوری ختم ہوگئی۔ امامؑ تو نہیں ہے، لیکن امامؑ کے نام پر جان دینے کے لیے تیار ہو گئے ہیں، یعنی کل کا وہ واقعہ جس میں مَیں نے سلیمان خزاعی کا ذکر کیا تھا۔ کل میں اس منزل تک پہنچا تھا کہ عبداللہ ابن زبیر کے رویے سے مختارؓ

مایوس ہو گئے۔ کان میں اطلاع آ گئی کہ یزید کے مرتے ہی کوفے کی حالت بدل گئی ہے اور اب کوفے والوں نے یزید کے مقرر کردہ حاکم ابن زیاد کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔

مختارؓ فوراً چلے اور جب راستے میں اطلاع ملی کہ کوفے والوں کی حالت ایسی ہے، جیسے جانوروں کی گلّے کی، کہ اگر کوئی گلّہ بان مل جائے تو ان کو آسرا مل سکتا ہے۔

کہا: میں ان کا قائد بنوں گا، میں ان کو ایک مقام پر جمع کر کے اپنے اصل مقصد کو پورا کروں گا۔ چنانچہ مختارؓ کوفہ کی جانب تیزی سے بڑھ رہے ہیں، اور اُدھر ابن زیاد کو یزید کے مرنے کی خبر ملتی ہے اور ساتھ ساتھ مروان ابن حکم کی جانب سے کبوتر یہ خط لے کر آتا ہے کہ فوراً آ جاؤ یہاں مسئلۂ خلافت پیچیدہ ہو گیا ہے۔

یزید کے بیٹے نے جب خلافت کو ٹھکرا دیا تو اب اس کے بعد شام میں تین گروہ بن گئے۔ کچھ لوگ نعمان ابن بشیر انصاری کی بیعت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ تمام شامیوں میں سب سے زیادہ عمر والے ہیں۔

کچھ لوگ خالد ابن یزید کی بیعت کرنا چاہتے ہیں کہ یزید کے بڑے بیٹے نے تو انکار کر دیا تھا، لیکن ابھی یہ دس بارہ سال کا چھوٹا بچہ ہے، اس کی بیعت کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ خلافت یزید کے خاندان سے نہ نکلے۔

اور کچھ لوگ جن میں خود مروان بھی شامل ہے۔ اس وقت عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، مگر ابن زیاد کو خط لکھ کر بلایا جاتا ہے۔ اِدھر ابن زیاد کو پریشانی ہے کہ اگر یہ اطلاع بصرہ والوں کو مل گئی کہ ہمارا حاکم مر چکا ہے، تو یہ بغاوت کر دیں گے۔ چنانچہ بظاہر ایسا خطبہ دے کر چلا جس میں یہ ظاہر کیا کہ یزید ابھی زندہ ہے۔ مجھے ضروری کام کے سلسلے میں دارالحکومت بلایا گیا ہے۔ لیکن اب یہاں سے نکلنا

مشکل ہے، کیونکہ کان میں یہ اطلاعات پہنچ چکی تھیں کہ سلیمان خزاعی جو اپنے ساڑھے چار ہزار ساتھیوں کے ساتھ یہ سوچ رکھتے ہیں کہ ہمیں انتقام لینا ہے قاتلان امامؑ سے۔ اور ایک ایک کر کے جو دوسرے مجرم ہیں کربلا کے واقعہ کے ان پر ہم بعد میں ہاتھ ڈالیں گے۔ پہلے اسی بڑے مجرم سے نمٹ لیں۔ یزید مرچکا ہے، ابن زیاد زندہ ہے۔

تو فوراً ہی یہ اطلاع ملتے ہی سلیمان اپنا لشکر کوفے سے لے کر چلے کہ ابن زیاد دمشق جا رہا ہے۔ اب بصرہ اور دمشق کے راستے پر سلیمان کا قبضہ ہے۔ عمر ابن جارود نے یہ وعدہ کیا ہے: اے ابن زیاد! اگر تم مجھے اپنے وعدے کے مطابق دو گے کیا انعام؟

وزن سے دوگنا سونا، تو میں تمہیں حفاظت کے ساتھ دمشق پہنچا دوں گا۔ اپنے اکیس بیٹوں کے ساتھ حفاظت کرتا ہوا چلا لیکن جب ایک فرسخ فاصلہ رہ گیا سلیمان کے لشکر سے تو ایک بیٹے نے جس کی آنکھوں کی بینائی بہت تیز تھی اس نے اپنے باپ کو بتایا، باپ گھبرا کر آیا۔

کہا: اے ابن زیاد! ایک لشکر ہمارا راستہ روکنے کے لیے آ رہا ہے، جلدی سے بتا دے کہ آخر ماجرا کیا ہے، تو اس طریقے سے چھپ کر کیوں جا رہا ہے؟

ابن زیاد نے کہا: خوف سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہیں اور اس کے بعد پوری کیفیت بتائی کہ دیکھو اصل مسئلہ یہ ہے کہ یزید مرچکا ہے۔ کوفہ والوں نے بغاوت کر لی ہے، میرا دارالامارہ لوٹ لیا گیا ہے، وہ لوگ انتہائی غضب کی حالت میں آ رہے ہیں۔

عمر ابن جارود نے کہا: اب ایک ہی طریقہ ہے۔ اس نے طریقہ یہ استعمال کیا کہ ایک سو اونٹ اس کے پاس وہ تھے جن پر سامان لدا ہوا تھا اور ان میں سے بڑی تعداد وہ تھی جن پر پانی کے مشکیزے تھے۔

عمر ابن جارود نے ابن زیاد کو بلایا، اس کے بعد ایک اُونٹ کا جو پیٹ تھا، اس پیٹ کے ساتھ ابن زیاد کو رسیوں سے باندھا اور اس کے بعد پانی کے مشکیزے دونوں طرف سے اس طرح سے لٹکائے کہ اُونٹ کی دونوں ٹانگوں تک یہ وزن لٹکنے لگا دونوں جانب سے اور سارے اُونٹوں کے ساتھ اس نے یہ کیا۔ اس کے بعد اس قافلے کو لے کر چلا، آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔

سلیمان کا لشکر ملا، کہا: ہمارے پاس معتبر اطلاع آئی ہے کہ ابن زیاد تیرے ساتھ سفر کر رہا ہے۔

کہا: اے شخص! کیا ہمیں لوٹنے کا ارادہ ہے؟

کہا: نہیں ہم ظلم کے لیے نہیں آئے ہیں۔

ایک مرتبہ عمر ابن جارود کہتا ہے: آپ خود تلاشی لے لیں میرے سامان کی، اگر ابن زیاد مل جائے تو اسے بھی سزا دینا اور مجھے بھی سزا دینا ورنہ ہمیں اپنے راستے پر جانے دینا۔

سلیمان نے کہا: تو نے بات انصاف کی کہی ہے۔ اب ساڑھے چار ہزار آدمی عمر ابن جارود کے قافلے کی تلاشی لے رہے ہیں مگر کسی کے خیال میں یہ نہ آیا کہ ابن زیاد تو اُونٹ کے پیٹ کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔

آخر ساڑھے چار ہزار آدمیوں کا لشکر یہ کہتا ہوا واپس چلا کہ شاید ابن زیاد کو اطلاع مل گئی اور وہ راستے سے واپس پلٹ گیا ہے۔

کہا: ہم نے تجھے تکلیف دی، اس کی معذرت، یہ کہہ کر رخصت کیا۔ اب عمر ابن جارود کا قافلہ آہستہ آہستہ چلا اور ادھر سلیمان پلٹ کر کوفے کی جانب آئے، جب اتنا فاصلہ ہو گیا کہ اب سلیمان کے لشکر کو یہ نظر نہیں آ سکتا تھا، تو اب جلدی جلدی مشکیزے کھول کر اُونٹ کے پیٹ سے ابن زیاد کو الگ کیا اور اس کے بعد اس کو نیا

لباس پہنا کر قافلہ تیزی سے چلا اور یہ قافلہ دمشق شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر ابن زیاد نے سب سے پہلی ملاقات مروان ابن حکم سے کی۔ مروان سے حالات دریافت کیے۔ پتا چلا کہ مسئلہ تقریباً طے پا چکا ہے۔ نعمان ابن بشیر کی بیعت کرنے پر سب راضی ہو چکے ہیں، البتہ خاندانِ یزید ابھی تک خالد کی بیعت کرنے کا مسئلہ کھڑا کر رہا ہے۔

ابن زیاد نے کہا: خالد کی تو بیعت کرنا ہی نہیں۔ یہ یزید کا بیٹا ہے اور یزید کی طرح بیوفائی کرے گا۔

مروان حیران ہو کر پوچھتا ہے: تو ایسی بات کیوں کرتا ہے؟

اس نے کہا: تجھے کیا پتہ کہ پچاس خط یزید نے مجھے لکھے تھے کہ جب حسینؑ تیری جانب آئے تو خبردار! وہ زندہ بچ کر نہ جانے پائے، اور جب میں نے یزید کے حکم پر عمل کیا تو اس کے بعد وہ کہنے لگا: پسرِ مرجانہ نے، ابن زیاد نے میری مرضی کے خلاف یہ کام کیا۔ تو جو اتنا بے وفا ہو اس کے بیٹے پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ خبردار! اس کی بیعت نہ کرنا۔ اب تو میدان میں ایک ہی امیدوار رہ گیا اور وہ ہے نعمان۔

ایک مرتبہ مروان کہتا ہے: میرا دل اس آدمی کی بیعت کو نہیں چاہتا ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کر لوں۔

ابن زیاد نے کہا: اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

مروان چونک اٹھا، ذہن میں ابھی تک یہ خیال تک نہ آیا تھا، حیران ہو کر کہا: میں؟

کہا: ہاں، اس وقت خاندان میں سب سے بزرگ تر تو ہے۔ آگے بڑھ کر اپنی بیعت کروا۔

ایک مرتبہ مروان کہتا ہے: میری بات کون سنے گا؟

کہا: میں پہلے سے انتظام کر کے آیا ہوں۔ ایک سو اُونٹ سونا اور اشرفیاں لے کر آ چکے ہیں۔ یہ سونا اور اشرفیاں تقسیم کر کے دمشق کے جتنے بڑے بڑے آدمی ہیں، اُن سے بیعت کروا لے۔ اس کے بعد کون تیری مخالفت کرے گا؟

مروان کو یقین نہ آیا۔ ابن زیاد نے اُونٹوں کو بلوایا، سو اُونٹ لائے گئے، زمین پر فرش بچھایا گیا۔ اس کے بعد سونا اور اشرفیاں جمع کی جانے لگیں۔ ایک پہاڑ کھڑا ہو گیا سونے اور اشرفیوں کا۔

ابن زیاد نے کہا: کون ہے جو اس کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ مروان! تیری خلافت پکی ہو گئی۔

مروان ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ابن زیاد نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

بس ___!

یہ دیکھ کر اب مروان کے دل میں بھی اب تمنا پیدا ہوئی۔ اتنا اچھا موقع مل رہا اور ابن زیاد جیسا آدمی ساتھ دے رہا ہے۔ ایک مرتبہ مروان بھی راضی ہو گیا۔ خاندانِ بنواُمیہ نے آ کر بیعت کر لی۔

اس کے بعد ابن زیاد نے تلوار نکالی اور وہ تمام افراد جن کے بارے میں یہ امکان تھا کہ وہ اس کی مخالفت کریں گے، ان کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ بڑی مشکل سے ایک شخص زفر ابن حارث اپنی جان بچا کر دمشق سے بھاگا اور دمشق اور کوفے کے بیچ میں ایک شہر تھا وہاں جا کر یہ رہنے لگا۔ لیکن یہ زفر جو بھاگا تھا یہ ابن زبیر کا حمایتی تھا۔ اب تک اس کے دل میں یہی خیال تھا کہ کسی طریقے سے ابن زیاد جیسا کانٹا دُور ہو جائے تو عبداللہ ابن زبیر کی بیعت ہو جائے گی۔ فقط ایک

شخص دمشق سے فرار ہو کر بچ نکلا۔ باقی سارے آدمیوں کا قتلِ عام ہو گیا۔ مروان کی خلافت پکی ہو گئی۔

اس کے بعد ابن زیاد نے ایک مشورہ اور دیا، کہا: ایک کام کر لے۔ خالد ابن یزید ابھی بچہ ہے۔ ابھی چھوٹا ہے لیکن کچھ عرصے کے بعد جوان ہو گا، ایسا نہ ہو کہ اس کو بڑا ہوتا دیکھ کر لوگ تجھ سے نفرت کرتے ہوئے اس کی جانب آ ئیں۔ ایسا کر کہ تو اس کی ماں سے شادی کر لے تاکہ اس کے بعد تیری خلافت کو کسی جانب سے کوئی خطرہ نہ ہو۔

چنانچہ مروان نے خالد ابن یزید کی ماں سے شادی کر لی اور اس کی حکومت پکی ہو گئی۔ ابن زیاد نے دمشق کے معاملات کو تو صحیح کر لیا، اب ایک فوج لے کر باہر نکلا۔ چونکہ اسے اطلاع ملی تھی کہ سلیمان مسلسل یہ ارادہ کر رہے ہیں کہ میرے خلاف فوج لے کر آ ئیں اور مجھے سزا دیں، تو دل میں یہ ارادہ کیا کہ میں بصرہ بعد میں جاؤں گا پہلے سلیمان کو جا کر سزا دوں گا۔

اُدھر عبداللہ ابن زبیر کو جب یہ اطلاع ملی کہ کوفے میں بغاوت ہو گئی ہے۔ تو عبداللہ ابن یزید انصاری کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ عبداللہ ابن یزید انصاری کو پتہ چلا کہ سلیمان اس طرح سے تیاری کر رہے ہیں لیکن چونکہ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سلیمان ابن زیاد سے لڑنا چاہتے ہیں۔ وہ تو اور خوش ہوا اچھا ہے کہ یہ دونوں ٹکرا جائیں، دونوں کی طاقت کمزور ہو اور ابن زبیر کی خلافت مستحکم ہوتی چلی جائے۔ چنانچہ اس نے سلیمان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

سلیمان آئے، ناکام ہو کر عمر ابن جارود کے قافلے میں ابن زیاد کا پتہ نہ چلا۔ واپس آئے، کوفے میں پہنچے لیکن اب عزم کیا کہ جہاں بھی ہو ابن زیاد اب وہاں جا کر اس کو مارنا ہے۔ ساتھی اکٹھا کرنے لگے۔ سولہ ہزار آدمیوں نے اپنے نام لکھوا

دیئے۔ اسی دوران مختارؓ کربلا معلّی سے ہوتے ہوئے کوفے میں داخل ہوئے اور اپنے مکان میں مقیم ہو گئے۔ مختارؓ نے سلیمان کو دیکھا کہ وہ تیاری کر رہے ہیں۔ سلیمان سے ملاقات کی کہ جس طرح میں نے عبداللہ ابن زبیر کا ساتھ دیا تھا۔ اسی طرح ان کا ساتھ دے کر قاتلانِ امامؑ سے بدلہ لوں مگر سلیمان کا اور مختارؓ کا بنیادی باتوں پر کچھ اختلاف ہو گیا تھا۔

مختارؓ کا یہ کہنا تھا کہ پہلے کوفہ کے اندر جو قاتل ہیں ان سے نمٹ لیا جائے، پھر ابن زیاد پر ہاتھ ڈالا جائے۔

سلیمان کا کہنا تھا کہ پہلے ابن زیاد کو سزا دی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری زندگی ہمیں مہلت نہ دے اور ابن زیاد باقی رہ جائے۔

پھر مختارؓ کا یہ کہنا تھا کہ ابھی خلافت کا مسئلہ طے نہیں ہو پا رہا ہے۔ یہ لوگ آپس میں لڑنے جا رہے ہیں اس لیے ابھی خاموشی بہتر ہے۔

سلیمان کا وہی جواب تھا کہ مہلت اور وقت کسے پتا ہے۔ چنانچہ مختارؓ خاموش ہو گئے، لیکن اس سے پہلے کہ مختارؓ اور سلیمان کی گفتگو اور آگے بڑھے، کوفے میں جو قاتلانِ امامؑ تھے وہ چوکنا ہو گئے۔

کہا: سلیمان سے تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ یہ ہماری طرف توجہ نہیں دے رہا۔ یہ جا رہا ہے ابن زیاد کی جانب مگر یہ مختارؓ، یہ تو سارا زور ہمارے خلاف لگا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ سلیمان کو بھی سمجھا دے اور سلیمان کا ارادہ بدل دے۔ سلیمان کو چھوڑو، مختارؓ کا علاج کرو، چنانچہ یہ سارے قاتلانِ امامؑ حاکمِ کوفہ کے پاس آئے اور کہا:

مختارؓ کا آزاد رہنا مناسب نہیں ہے چنانچہ قاتلانِ امامؑ کا وفد پہنچا۔ اور عبداللہ ابن زبیر انصاری نے مختارؓ کو گرفتار کیا اور مختارؓ کو قید خانے میں ڈال دیا، صرف اس لیے کہ مختارؓ آزاد رہ کر کوئی خطرہ نہ بن جائیں۔

سلیمان کو اطلاع ملی مگر سلیمان نے سوچا کہ اس وقت اصل مسئلہ ابن زیاد سے لڑنے کا ہے۔ اگر ہم ادھر حکومت سے ٹکرا گئے، تو ہمارا اصل مشن رہ جائے گا۔

وہاں سے اگر کامیاب واپس آئے تو مختارؓ کو بھی دیکھ لیں گے۔ یہ سوچ کر انھوں نے مختارؓ کے معاملے پر توجہ نہ دی اور پہلی محرم ۶۵ ہجری کو کوفہ سے باہر نخیلہ مقام کو اپنی چھاؤنی بنایا اور سولہ ہزار آدمیوں کو حکم دیا کہ اب جمع ہو جاؤ۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ نہیں، معاملہ تھوڑا مختلف تھا۔ سلیمان پہلے نکل گئے تھے کوفے میں بعد میں قاتلانِ امامؑ نے دیکھا کہ مختارؓ تنہا رہ گئے ہیں۔ چنانچہ بعد میں ان کو گرفتار کرایا گیا، سلیمان کو ان کی گرفتاری کی اطلاع بھی نہ تھی۔

اب جب وقتِ مقررہ آیا تو یہ دیکھ کے سلیمان خزاعی کے ساتھیوں کے حوصلے پست ہونے لگے کہ ہم نے تو سولہ ہزار آدمیوں کا نام لکھا تھا لیکن یہاں تو مشکل سے چند سو آدمی موجود ہیں، پورے وعدہ کرنے والے وہ سب کے سب غائب ہو گئے۔ ایک مرتبہ اپنے لشکر کی اتنی کم تعداد دیکھ کر مایوسی ہونے لگی۔

سلیمان نے کہا: مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا مقصد تو امامؑ کے لیے قربانی دینا ہے۔ اگر کامیاب ہو گئے تو قاتلانِ امامؑ سے بدلہ لیں گے، شہید ہو گئے تو امامؑ کے ساتھ مل جائیں گے۔ ان دونوں راستوں میں جو بھی ہو، ہمیں قبول ہے، لیکن ہاں! اتمامِ حجت کے لیے کچھ آدمیوں کو بھیج دیا کہ وہ جا کر کوفہ کے گلی محلوں میں آواز لگائیں:

یَالَثَارَاتِ الْحُسَیْن

"اے حسینؑ کے خون کا انتقام لینے والو! فوراً آجاؤ"۔

اب یہ آواز کوفہ کے محلوں میں گونجی تو کچھ وہ لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے لیکن ایک مرتبہ ان کا دل بھی پلٹا اور وہ فوراً بھاگ کر باہر آئے اور سلیمان کے لشکر میں

شامل ہو گئے، تو اس طرح ہزار یا ڈیڑھ ہزار آدمی اور آ گئے۔ ساڑھے چار ہزار کا لشکر تیار ہوا اور اب یہ لوگ آگے بڑھے، دمشق کی جانب سے کیونکہ اطلاع مل گئی تھی کہ ابن زیاد وہاں پہنچ چکا ہے لیکن پہلے انھوں نے کہا کہ ہم کربلائے معلیٰ جائیں گے تو یہ پورا قافلہ موڑا۔ پہلے کربلا کی جانب آیا، ایک کربلا میں پہنچے۔ قبر امام مظلومؑ کو دُور سے دیکھا تو بے اختیار سب کی چیخیں نکل گئیں۔

ساڑھے چار ہزار آدمی پہنچے قبر امامؑ پر۔ تمام مؤرخین نے کہا کہ ایک عجیب منظر تھا اس وقت کربلا کے میدان کا، ساڑھے چار ہزار آدمیوں کی گریہ وزاری کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

ایک رات اور دن یہاں پر قیام کیا، اس کے بعد امام حسینؑ سے وعدہ کر کے یہ لشکر آگے چلا۔ اُدھر سے ابن زیاد آ رہا ہے۔ اِدھر سے یہ لشکر جا رہا ہے۔ راستے میں ایک شہر ہے جس کا حاکم زفر ہے۔ یہ وہی زفر ہے جو ابن زیاد کے زمانے میں دمشق سے یہاں بھاگ کر آیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ساڑھے چار ہزار کا لشکر آ رہا ہے، ایک مرتبہ راستہ بند کر لیا۔ راستہ اس کے قلعے میں سے گزرتا تھا۔ قلعہ بند کر کے بیٹھ گیا۔

ایک مرتبہ سلیمان اپنے مسیب سے کہتے ہیں: تم جا کر زفر کو بتاؤ کہ ہمارا اس سے کوئی جھگڑا نہیں، ہم اس کے شہر کی جانب نگاہ بھی نہیں اُٹھائیں گے، ہمیں تو آگے جانے دے۔

مسیب گئے اور اس کو اطلاع دی، جب اس کو اطلاع ملی تو ایک مرتبہ اس کے لیے خوشی کا مقام تھا۔ ابن زیاد کے خلاف کوئی جا رہا ہے، نہ صرف یہ کہ اس نے قلعہ توڑا بلکہ رات ہو رہی تھی، حکم دیا کہ سارے دکاندار بازار لگائیں اور دیکھو کہ اگر یہ قافلہ کوئی چیز خریدے تو کوئی ان سے پیسے نہ لے، سب کے پیسے میں ادا کروں گا۔

ساڑھے چار ہزار کا لشکر سلیمان کی قیادت میں داخل ہوا، رات کو یہاں قیام

کیا۔ اگلے دن آگے چلے۔ راستے میں کچھ مشورے دیئے زفر نے کہ اس انداز سے جنگ کرنا۔ یہ لشکر آگے بڑھا، مختارؓ اندر ہیں۔ اِدھر یہ لشکر آگے بڑھا اُدھر ابن زیاد کے ساتھ تین لاکھ کا لشکر تھا۔ پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ ایک لاکھ کی فوج کو اس نے آگے بھیج دیا کہ ان آنے والوں کا مقابلہ کرو۔

پہلی جنگ ہوئی تو اس میں سلیمان کے ڈیڑھ ہزار ساتھی مارے گئے اور ابن زیاد کے بیس ہزار آدمی مارے گئے۔ اگلے دن پھر معرکہ ہوا اور اب کی دفعہ خدائی معجزہ ہوا کہ ان کے لشکر کا ایک آدمی بھی نہیں مارا گیا۔ ابن زیاد کے بیس ہزار آدمی پھر مارے گئے۔ چنانچہ ابن زیاد کا لشکر بھاگا۔ یہ پہلی کامیابی تھی جو سلیمان کے لشکر کو حاصل ہوئی۔ اب یہ لشکر آگے بڑھا۔ ابن زیاد اب خود دو لاکھ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر آرہا ہے۔ پھر دونوں کا ٹکراؤ ایک دوسرے مقام پر ہوا۔ کئی دنوں تک یہ جنگ جاری رہی۔

پہلے دن کی جنگ کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دو ہزار آدمی اور شہید ہوئے، یہاں تک کہ آخری رات آگئی، خالی بہتر آدمی باقی بچے تھے۔ ابن زیاد کے لشکر کی تعداد ابھی ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ تھی۔

اب ایک مرتبہ پھر جہاد شروع ہوا۔ دوپہر کے وقت سلیمان شہید ہو گئے۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ سلیمان کی شہادت کے بعد میتب نے جھنڈا سنبھالا۔ میتب شہید ہوئے۔ ان کے بعد عبداللہ ابن سعد نے جھنڈا سنبھالا۔ وہ بھی شہید ہوئے۔ تو ان کے بعد پھر عبداللہ نے جھنڈا سنبھالا اور ان کے بعد رفاعہ نے جھنڈا سنبھالا۔ دس آدمی باقی بچے تھے اور رفاعہ نے مصلحت یہ سمجھی کہ رات کے وقت اب ہم کوفہ میں جا کر نئے سرے سے تیاری کریں۔ تھوڑی دیر اور لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب مکمل اندھیرا چھا گیا تو لشکر اپنے اپنے مقام پر واپس آئے۔ اب مختارؓ

قیدخانے میں ہیں، اور یہ قیدخانہ عبداللہ ابن یزید کا ہے۔ مختارؓ نے رفاعہ کے نام ایک خط لکھا اور کہا کہ جو ہمارے ساتھی شہید ہو گئے میں ان کا پُرسہ دیتا ہوں اور دیکھو گھبراتا نہیں، رہا ہوتے ہی میرا پہلا کام یہ ہو گا کہ میں قاتلانِ امامؑ سے انتقام لوں گا۔

رفاعہ کو یہ خط ملا تو ایک مرتبہ اس کا حوصلہ بھی بڑھا۔ رفاعہ اپنے ساتھ چار آدمیوں کو لے کر مختارؓ کے پاس قیدخانے میں پہنچے اور کہا: اگر تو حکم دے تو ہم ابھی قیدخانے کو توڑ کر تجھے آزاد کرا لیں۔

کہا: نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔

روایت یہ ہے کہ ادھر حاکمِ کوفہ نے مختارؓ کے گھر پر حملہ کر کے مختارؓ کا پورا گھر لوٹ لیا۔ مختارؓ کا غلام جان بچا کر بھاگا، اور قیدخانے میں آ کر مختارؓ کو یہ اطلاع دی۔

مختارؓ نے فوراً ایک خط لکھ کر دیا اور کہا: مدینے میں میرے بہنوئی عبداللہ ابن عمر ہیں ان کو یہ خط جا کر دے دو۔

عبداللہ ابن عمر کے پاس مختارؓ کا خط پہنچا۔ عبداللہ ابن عمر نے مختارؓ کی اس حالت کا جائزہ لیا تو فوراً حاکمِ کوفہ کو ایک خط لکھا اور کہا: مختارؓ میرا سالا ہے، فوراً اسے آزاد کر دو۔

جب یہ خط حاکمِ کوفہ کے پاس آیا تو اس نے ارادہ کیا کہ میں مختارؓ کو چھوڑ دوں مگر لوگوں نے آ کر ڈرایا کہ دیکھو مختارؓ کو نہ چھوڑنا ورنہ وہ کھڑے ہو کر انتقام لیں گے، اور پہلا حملہ تیرے اُوپر کریں گے۔ اب جو یہ سنا عبداللہ ابن یزید نے جو حاکمِ کوفہ ہے، کوفے کے دس آدمیوں نے کہا: ہم ضمانت دیتے ہیں کہ مختارؓ تیرے خلاف کچھ نہیں کرے گا۔

کہا: نہیں مجھے تمہاری ضمانت پر بھروسہ نہیں ہے بلکہ مختارؓ کو بلایا جائے۔ مختارؓ آئے۔ مختارؓ سے حاکمِ کوفہ کہتا ہے: تو یہ عہد کر کہ میرے خلاف تو کوئی اقدام نہیں

اُٹھائے گا؟

مختارؓ نے کہا: میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں تیرے خلاف کوئی بھی قدم نہیں اُٹھاؤں گا۔

مختارؓ دوبارہ آزاد ہو کر گھر آئے۔ اب مختارؓ کوفہ کے اندر ہیں اور آہستہ آہستہ اپنے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ ایک سال تک مختارؓ خاموشی سے کام کرتے رہے۔ اسی دوران مختارؓ تین مرتبہ گرفتار بھی کیے گئے، یہاں تک کہ مختارؓ نے کوفہ کے اندر اپنی تحریک کے انتظامات مکمل کر لیے۔

ایک سال کے اندر اپنی تحریک کے انتظامات مکمل کر لیے، اور ایک سال تک خاموشی سے کام کرتے رہے۔ لیکن اب تک مختارؓ کو یقین نہ تھا کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ آپ نے ایک مرتبہ اپنے مشیروں سے پوچھا کہ کیا کوئی اور آدمی ہے جو میرا ساتھ دے؟

مشیروں نے کہا: اگر مالکِ اشترؓ کے بیٹے ابراہیمؒ تمہارا ساتھ دے دیں تو اس کے بعد ان کا پورا خاندان اور قبیلہ بھی تمہارے ساتھ ہو جائے گا اور ابراہیمؒ بھی تمہارے دستِ راست بن جائیں گے۔

مختارؓ نے کہا: تم نے بڑا اچھا نام لیا ہے۔ اب مختارؓ نے ابراہیمؒ سے ملاقات کرنا چاہی۔ مختارؓ ابراہیمؒ کے پاس گئے تو وہ گھبرا گئے۔

مختارؓ نے کہا: اے ابراہیمؒ! میں اب تک کسی کے گھر پر نہیں گیا ہوں مگر تیرے دروازے پر چل کر آیا ہوں، فقط اس لیے کہ تو میرا ساتھ دے قاتلانِ امامؑ سے انتقام لینے میں۔

کہا: ایک صورت میں ساتھ دوں گا کہ تو مجھے سردار بنا۔ چنانچہ مختارؓ نے ایک مرتبہ خط آگے بڑھایا جو محمد ابن حنفیہؒ کا خط تھا جس میں لکھا تھا:

''میں نے مختارؓ کو اجازت دی ہے کہ وہ بیعت لے کر ہمارے
خاندان کے قاتلوں سے انتقام لے سکتے ہیں''۔

ابراہیمؒ نے یہ دیکھا تو کہا: مجھے اب قبول ہے، میں تیرا ساتھ دیتا ہوں۔ اب ابراہیمؒ اور ان کا پورا خاندان مختارؓ کے ساتھ ہوگیا۔ اس دوران میں عبداللہ ابن زبیر نے کوفے کا حاکم بدل دیا اور اب عبداللہ ابن مطیع کو کوفے کا حاکم بنایا۔

روایت میں ہے کہ اب مختارؓ اور ابراہیمؒ میں جمعرات کا دن طے کیا اور چودہ ربیع الاول کی تاریخ طے کی۔ ۶۶ ہجری کا سن طے کیا کہ چودہ ربیع الاوّل کو جو شب جمعرات آئے گی۔ اس رات کو ہم خروج کریں گے اور حکومت ہاتھ میں لیں گے اور اس کے بعد قاتلانِ امامؑ سے انتقام لیں گے۔

ذکرِ مصائب!

آپ نے یہ دیکھا کہ باوجود اتنی تیزی سے گفتگو کرنے کے بات بڑی مشکل سے یہاں پہنچی ہے۔ ایک مرحلہ مختارؓ کی کہانی کا مکمل ہوگیا۔ اب قاتلانِ امامؑ سے انتقام، اس کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ انتقام ہے جو مختارؓ نے لیا، ایک وہ انتقام ہے جو قدرت نے لیا۔ چنانچہ ان کے بیان کا موقع نہیں تھا۔ باقی مختارؓ کے انتقام لینے کے واقعات اور مختارؓ کی شہادت کا بیان ان شاء اللہ پھر کبھی موقع ملا تو بیان ہوگا۔

روایت میں ہے: منہال کوفی کہتے ہیں کہ حج کے زمانہ میں مَیں مکہ گیا، حج سے واپسی پر مدینہ گیا، مدینے جب پہنچا تو اپنے چوتھے امامؑ کی زیارت کو بھی گیا۔

جب میں اپنے امامؑ کے پاس پہنچا تو امامؑ نے پوچھا: منہال! آج کل کوفہ کی کیا حالت ہے؟

کہا: مولاؑ! مختارؓ چن چن کر آپؑ کے باباؑ کے قاتلوں سے بدلہ لے رہا ہے۔

سید سجادؑ نے سوال کیا: منہال! یہ بتاؤ کہ حرملہ کی کیا حالت ہے؟

میں نے کہا: مولاؑ! اب تک تو حرملہ خیریت سے ہے۔

ایک مرتبہ ہاتھ اُٹھائے میرے مولاؑ نے اور کہا: خداوندا! حرملہ کو آگ اور لوہے کے عذاب کا مزا چکھا دے۔

منہال کہتے ہیں: میں یہاں سے پلٹ کر اپنے وطن آیا۔ جب کوفے میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے گھروں سے نکل نکل کر کہیں جا رہے ہیں۔

میں نے پوچھا: کیا ہوا؟

لوگوں نے کہا: مختارؓ نے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا ہے۔ آج حرملہ گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔ میں بھی سب کے ساتھ چلا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سارے لوگ جمع ہیں۔ میں مختارؓ کے قریب پہنچا اور سلام کیا۔ مختارؓ نے سلام کا جواب دیا۔

حرملہ گرفتار کر کے لایا گیا۔ مختارؓ نے حکم دیا کہ تلوار لے کر اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔ تلوار سے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ پھر کہا: اس کو آگ میں ڈال کر زندہ جلایا جائے۔ اسے آگ میں ڈال کر زندہ جلایا گیا تو بے اختیار میری زبان سے نکلا: سبحان اللہ! سبحان اللہ!

مختارؓ نے مجھ سے یہ کہنے کی وجہ پوچھی۔

کہا: ابھی ابھی چوتھے امامؑ سے دعا سن کر آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اتنی جلد حرملہ کو آگ کا مزہ بھی چکھنا پڑا اور تلوار سے لوہے کا مزہ بھی چکھنا پڑا۔

مختارؓ کہتا ہے: مجھے بتاؤ کہ کون سی دعا تھی؟

میں نے پورا واقعہ سنایا، بے اختیار گھوڑے سے زمین پہ اُترا، سجدۂ شکر ادا کیا۔

راوی کہتا ہے کہ جب بھی کوئی مجرم مختارؓ کے سامنے لایا جاتا تھا تو وہ اس سے

پوچھتا تھا کہ تو نے کیا جرم کیا ہے کربلا میں؟

منہال کہتا ہے کہ جب حرملہ پکڑ کے لایا گیا تو اس سے بھی سوال کیا گیا تھا۔

پوچھا: حرملہ! بتا تو سہی کہ تو نے کربلا میں کیا کیا تھا؟

حرملہ نے کہا: کربلا میں مَیں تیراندازوں کا سالار تھا، تین تیر ایسے مَیں نے چلائے ہیں کہ مجھے ان پر فخر ہے۔

مختارؓ نے کہا: کون سے تیر؟

کہا: ایک تیر تو وہ تھا کہ جب حسینؑ اپنے بیٹے علی اصغرؑ کو لے کر آئے تھے، پانی کا سوال کر رہے تھے۔ معصوم شہزادہ اپنی ننھی زبان ہونٹوں پر پھیر رہا تھا، اور عمر ابن سعد نے کہا:

اِقْطَعْ کَلَامَ الْحُسَیْنِ

میں نے تین بھال کا ایسا تیر چلایا جو اس بچے کی گردن میں پیوست ہو گیا۔

کہا: دوسرا تیر؟

کہا: دوسرا تیر میں نے اس وقت چلایا جب عباسؑ فرات سے آ رہے تھے۔ عمر ابن سعد نے کہا: غضب ہو جائے گا اگر یہ پانی خیموں تک پہنچ گیا، اور کہا: ارے! روکو عباسؑ کو۔

میں نے سوچا کہ دونوں ہاتھ کٹنے کے باوجود بھی عباسؑ آگے بڑھتا جا رہا ہے۔

بس___!

میرے ذہن میں خیال آیا اور میں نے کمان میں تیر لگایا اور مشکِ سکینہؑ جو عباسؑ کے پاس تھی، اس کا نشانہ لیا۔ اِدھر مشک میں تیر پیوست ہوا، اُدھر پانی بہا، اور اِدھر عباسؑ گھوڑے سے گرے۔

اب عباسؑ خیموں میں کیسے جائے۔

اور تیسرا تیر؟

حرملہ کہتا ہے: تیسرا تیر جب حسینؑ زمینِ کربلا پر گھوڑے سے گرے تھے، تو میں نے دیکھا تھا کہ ایک بچہ خیموں سے دوڑ کر باہر آ رہا ہے، جو اتنا چھوٹا تھا کہ اس کے دو کانوں کے گوشوارے ہل رہے تھے۔ میں نے سنا تھا کہ حسینؑ کہہ رہے تھے: اے بہن زینبؑ! اسے روکو یہ میرے بھائی حسنؑ کی نشانی ہے۔

میں نے دیکھا: بچہ حسینؑ کے قریب آیا، سنان نے حسینؑ پر تلوار چلائی تو بچے نے اپنے ہاتھ آگے کیے تو بچے کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر گرے۔ ایک مرتبہ حسینؑ اس کے گلے کا بوسہ لینا چاہتے تھے۔

بس ___ !

میں نے یہ منظر دیکھا، کمان میں تیر رکھ چھوڑا تو وہ تیر سیدھا بچے کے گلے میں جا کر پیوست ہوا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ نہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

سورۂ مبارکہ شعراء کی یہی وہ آخری آیت ہے جس پر ہماری پہلے بھی کافی گفتگو ہو چکی ہے اور آپ کو اگر یاد ہو تو چونکہ اس وقت موضوع نامکمل و ناتمام رہ گیا تھا۔ اس لیے وعدہ یہ کیا گیا تھا کہ اس موضوع کو ان مجالس میں مکمل کیا جائے گا۔ اسی خیال کے تحت اسی مقام سے گفتگو کا آغاز کیا جا رہا ہے جہاں پہلے ہم نے اپنی گفتگو کو روکا تھا۔

سورۂ شعراء کی اس آیت میں ایک اصول بتایا جا رہا ہے قدرت کا:

"عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ کس طرح سے انقلاب آتا ہے، کس طریقے سے ان کو ان کے ظلم کا بدلہ ملتا ہے"۔

اور بہت ہی تھوڑی مدت گزری تھی کہ کربلا کے واقعہ کے جتنے بھی ذمہ دار تھے، بہت تھوڑی مدت گزرتی ہے کہ ان کی راتوں کی نیند حرام ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ مردِ مومن ایک مرتبہ کھڑا ہوا جس نے عزم اور ارادہ ہی یہ کیا تھا کہ میری زندگی کا فقط یہی مقصد ہے کہ میں قاتلانِ امامؑ سے انتقام لوں۔

اور جیسا کہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس نے اپنی حکومت کے قائم ہونے سے

لے کر اپنی شہادت تک ایک لاکھ قاتلانِ امامؑ کو قتل کروایا تھا، اور اس کے علاوہ اگر کوئی اس سے بچا تو پھر قدرت کا عذاب سامنے آیا۔

تو ان شاء اللہ یہ دونوں باتیں، امیر مختارؒ نے کیسے کیفرِ کردار تک پہنچایا اور خود قدرت نے ان لوگوں سے کس طرح سے انتقام لیا کہ جو کسی سبب سے امیر مختارؒ کے ہاتھ سے بچ نکلے تھے۔

امیر مختارؒ کے سلسلے میں گفتگو اس منزل تک پہنچی تھی کہ یہ وہ مردِ مومن تھا کہ جس کے گھر میں جناب مسلم ابن عقیلؑ نے قیام کیا تھا۔

حضرت مسلم ابن عقیلؑ کی شہادت کے وقت یہ کوفہ سے باہر تھے۔ جب واپس آئے تو گرفتار کیے گئے اور اس کے بعد کوفے کا ایک معلم عمیر ابن عامر کی مدد اور کوشش سے مختارؒ عبداللہ ابن عمر اور یزید کے غلام کی سفارش کی بنا پر ابن زیاد کی قید سے رہائی حاصل کرتے ہیں۔ ابن زیاد کی قید سے رہا ہونے کے بعد مختارؒ یہ دیکھتے ہیں کہ اس وقت کون سی ایسی ہستی ہے جو میرے مقصد کو پورا کر سکتی ہے۔ کیونکہ قید خانے سے باہر آتے ہی جب عمیر کے گھر پہلی دعوت دی تھی تو وہیں یہ اعلان کیا تھا کہ میں نے ارادہ کیا ہے، وعدہ کیا ہے خدا سے کہ میں نہ تو خوشبو لگاؤں گا، نہ ہی لذیذ غذا کھاؤں گا۔

باہر آ کر دیکھا کہ حالات سازگار ہیں۔ عبداللہ ابن زبیر نظر آئے۔ مختارؒ سمجھے کہ چونکہ امام حسینؑ سے ان کا ایک قریبی رشتہ بھی ہے، پیغمبرِ اسلام خالو ہیں عبداللہ ابن زبیر کے، تو شاید ان کے دل میں حقیقی محبت ہوگی امام حسینؑ کی۔ چنانچہ ان کا ساتھ دیا اور اس حد تک ساتھ دیا کہ جب ان کے لیے زمین تنگ تھی اور آسمان دور تھا اور محاصرہ ہوا تھا مکّہ کا تو مختارؒ تھے کہ جنھوں نے حصین ابن نمیر کا مقابلہ کیا۔

یزید جہنّم واصل ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ عبداللہ ابن زبیر کو پورے حجاز کی حکومت

ملی اور عراق کی حکومت ان کے ہاتھ میں۔ لیکن حکومت ملتے ہی ایک مرتبہ پلٹ گئے، بدل گئے، اپنے مقصد کو فراموش کر دیا۔

مختارؓ کو بڑا افسوس ہوا، بڑی حیرت ہوئی لیکن کیا کر سکتے تھے۔ اتنے میں کسی آنے والے نے بتایا کہ کوفہ میں ایک جماعت تیار ہو رہی ہے سلیمان خزاعی کی سرکردگی میں، جو صحابی رسولؐ تھے لیکن انھیں ابن زیاد نے ایک قید خانے میں رکھا تھا، جہاں پر میثم ابن تمارؓ بھی گئے تھے، جہاں مختارؓ بھی گئے تھے۔ جہاں سے کوئی زندہ نہیں نکلا تھا۔ وہ تو یزید کے مرنے کی خبر پا کر کوفہ والوں نے قید خانہ توڑا اور یہ رہا ہو کر باہر آئے۔ چار ہزار محبانِ اہلبیتؑ جنھیں ایک ہی غم مارے جا رہا تھا کہ ہم واقعۂ کربلا کے وقت اس حالت میں تھے اور ہم کوئی بھی خدمت نہ کر سکے اپنے امام مظلومؑ کی، اب ہم اس کا ازالہ کرتے ہیں۔

یہ عہد کر کے سلیمان نے کوفہ والوں کی فوج کو تیار کیا۔ مختارؓ کو اطلاع ملی، مختارؓ فوراً کوفہ کی جانب چلے۔

یزید مر چکا ہے، یزید کی جگہ مروان کی حکومت قائم ہو چکی ہے شام میں۔ لیکن خاندان بنوامیہ کے ہاتھ سے کوفہ نکل گیا ہے۔ کوفہ اور بصرہ پر اس وقت عبداللہ ابن زبیر کی حکومت قائم ہے۔ کوفہ کا حاکم عبداللہ ابن یزید ابن زبیر کی جانب سے مقرر کیے گئے ہیں۔

حاکم کوفہ نے دیکھا کہ یہ فوج تیار ہو رہی ہے، مگر یہ فوج تیار ہو رہی تھی ابن زیاد کے خلاف، حاکم کوفہ تو خود عبداللہ ابن زبیر کا آدمی ہے، جو پورے عالم اسلام پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ یہ لوگ تو میرے لیے بڑے مفید ہیں، اس لیے ان کو کچھ نہ کہا جائے۔

مختارؓ اطلاع پا کر کوفے میں آئے۔ مختارؓ نے سلیمان کو سمجھایا: سلیمان! ایک

بڑی مضبوط حکومت ہے، سال ہا سال کی کوششوں سے قائم ہوئی ہے، آسانی سے اسے شکست نہیں دی جا سکتی ہے۔ پہلے کوفہ میں جو قاتلانِ حسینؑ ہیں جو اپنے قابو میں ہیں، جو اپنے قریب ہیں، جن کے پاس کوئی فوج نہیں، کوئی لشکر نہیں، پہلے ان کو قتل کرو۔ اس کے بعد ابن زیاد پر حملہ کریں گے۔

سلیمان بوڑھے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ اگر میں ایک لمبا منصوبہ بناؤں تو یہ نہ ہو کہ میرا انتقال ہو جائے اور میں بغیر نصرتِ امامؑ کرتا ہوا مر جاؤں، اس لیے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ کربلا کا سب سے بڑا ذمہ دار یا تو یزید تھا جو مارا جا چکا ہے یا ابن زیاد تھا جو زندہ ہے۔

سلیمان سمجھا رہے ہیں مختارؓ کو اور مختارؓ جواب دے رہے ہیں سلیمان کو۔

کوفہ میں قاتلانِ امامؑ کو بڑے بڑے عہدے دیئے گئے تھے۔ ان کے کانوں تک یہ خبر پہنچی تو وہ فوراً حاکمِ کوفہ کے پاس گئے اور کہا: سلیمان کو اپنا کام کرنے دو، اس نے ہم سے کچھ نہیں کہا لیکن مختارؓ بڑا خطرناک آدمی ہے، یہ تو پہلے ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، فوراً اس کو گرفتار کرلو۔

مختارؓ کو قید میں ڈال دیا گیا مگر وہ قیدخانہ تو ٹوٹ چکا تھا جو ابن زیاد کا تھا جہاں پرندہ پَر نہ مار سکتا تھا۔ یہ مختارؓ جس قیدخانے میں گئے تھے یہ ایک عام قیدخانہ تھا جس میں قیدیوں سے ملاقات بھی ممکن تھی۔

سلیمان اس وقت تک تیار ہو چکے تھے، ان کو مختارؓ کی گرفتاری کی خبر ملی، سوچا ایسا نہ ہو کہ ایک آدمی کو چھڑانے جائیں اور پورا مقصد ناکام ہو جائے۔ پہلے اس دشمنِ خدا کو دیکھ لیا جائے۔ یہ خیال کر کے چلے، اور جیسا کہ میں نے اپنی آخری تقریر میں بتایا تھا: شب بیس محرم تھی کہ ایک مقام پر ابن زیاد اور سلیمان کے لشکر میں مقابلہ ہوا کثیر تعداد میں ابن زیاد کا لشکر تھا، چھوٹا سا سلیمان کا لشکر تھا۔ آخر کئی دنوں کی

جنگ کے بعد جب رات کو خواب میں حضرت اُم المومنین جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا ان کے خواب میں آتی ہیں اور خوشخبری دے کر جاتی ہیں۔

اگلے دن سلیمان شہید ہو گئے۔ فقط بیس یا پچیس آدمی رفاعہ کی قیادت میں وہاں اس میدان سے واپس آ سکے، باقی سلیمان کا پورا لشکر وہی پر شہید ہو گیا۔ اگرچہ بظاہر یہ ناکامی تھی لیکن سلیمان کے نزدیک سب سے بڑی کامیابی یہی تھی۔

رفاعہ واپس پلٹ کر آئے، اطلاع ملی کہ مختارؓ قید خانہ میں علی الاعلان یہ کہتے ہیں: میں قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لوں گا۔

رفاعہ اپنے ساتھ چار آدمیوں کو لے کر پہنچے مختارؓ کے پاس۔ مختارؓ نے پہلے سلیمان کا پُرسہ دیا اور کہا: وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں، لیکن فکر نہ کرو ابھی میں جو موجود ہوں قاتلانِ امام حسینؑ سے انتقام لینے کے لیے۔

رفاعہ نے سنا اور کہا: اے مختارؓ! ابھی حکم دو تو ہم ابھی قید خانے کو توڑ کر تمہیں آزاد کرالیں۔

کہا: نہیں، اس انداز سے مقابلہ مناسب نہیں ہے۔ ایک غلام آتا تھا مختارؓ کا قید خانے میں، اس کے ذریعہ پھر ایک خط لکھا اپنے بہنوئی کے نام۔

بہنوئی نے حاکمِ کوفہ عبداللہ ابن یزید کو خط لکھا اور کہا: یہ مختارؓ میرا سالا ہے، اسے آزاد کر دے۔ اور میرے اور تیرے پُرانے تعلقات ہیں۔

عبداللہ ابن یزید کو ویسے بھی ذاتی طور پر مختارؓ سے کیا دشمنی تھی۔ وہ تو صرف شہر کے بڑے بڑے لوگوں پر دباؤ ڈالا تھا۔ اسی وجہ سے مختارؓ کو قید میں ڈال دیا۔

اب عبداللہ ابن عمر کا خط آ رہا ہے، راضی ہو گئے عبداللہ ابن یزید، لیکن کہا: پہلے مختارؓ سے وعدہ لوں گا کہ وہ باہر نکل کر میری حکومت کے خلاف کچھ نہ کرے گا۔

مختارؓ کو بلایا گیا، کہا: یہ عہد کرو کہ تم یہاں نکل کر خروج نہیں کرو گے۔ اگر تم

نے خروج کیا تو ایک ہزار اُونٹ یا گائے خانۂ خدا میں قربانی کرنا اور تمہارے سارے غلام آزاد ہوں گے۔

مختارؓ نے وعدہ کرلیا اور کوفے کے دس آدمیوں نے ضمانت دی کہ ہم ضمانت دیتے ہیں کہ مختارؓ ایسا نہیں کرے گا۔

مختارؓ گھر پہنچے اور مسکرا کر کہا: کتنے احمق ہیں یہ لوگ میرے لیے ایک ہزار گائے یا اُونٹوں کو قربان کرنا کون سا مشکل کام ہے اور جہاں تک غلاموں کی بات ہے وہ تو میں قید خانے میں خدا سے وعدہ کرچکا ہوں کہ جیسے ہی قاتلانِ حسینؑ سے میرا انتقام پورا ہوگا تو میرے سارے غلام آزاد ہوجائیں گے۔ یہ تو انھوں نے مجھے بڑا اچھا موقع دے دیا کہ میں ان کے خلاف خروج کرسکتا ہوں، چنانچہ مختارؓ تیار ہوگئے۔

بس ___:

یہاں تک ہماری گفتگو پہنچی تھی، تو اب مختارؓ آزاد ہوگئے، آزاد ہونے کے بعد اب مختارؓ نے یہ عہد کیا کہ وہ قاتلانِ امامؑ سے انتقام لیں۔

عبداللہ ابن یزید نے ایک وعدہ اور بھی لیا تھا مختارؓ سے کہ تم اپنے گھر سے باہر نہیں نکلو گے، چنانچہ یہ گھر میں تھے، گھر ہی کے اندر زندگی گزار رہے تھے اور وہاں حاکمِ شام مروان کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک ابن مروان تختِ خلافت پر بیٹھا۔

۶۴ ہجری کے آغاز میں یزید مارا جاتا ہے اور اس کے بعد مروان کو ابن یزید کی وجہ سے حکومت ملی۔ اس کے بعد ایک سال کے بعد مروان مرا۔ اب مروان کا بیٹا تختِ حکومت پر آیا۔ اب تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عبداللہ ابن یزید نے ایک وعدہ لیا مختارؓ سے کہ اب تو نے گھر سے نہیں نکلنا۔ مختارؓ نے دیکھا کہ اس طرح تو یہ تحریک رُک جائے گی، وہ ایک مرتبہ کوفہ سے بصرہ پہنچے۔

اسی دور میں بصرہ کا حاکم حجاج بن یوسف تھا۔ حجاج بن یوسف وہ ظالم حاکم ہے، جس کے بارے میں اور کوئی نہیں خود انہی کے خاندان کے عمر ابن عبدالعزیز کہتے ہیں:

"دنیا اپنے سارے ظالموں کو لے کر آ جائے اور ہم فقط اپنے دو حاکم پیش کریں گے: ایک زیاد اور ایک حجاج ابن یوسف، ہمیں یقین ہے کہ اگر ایک پلڑے میں ساری کائنات کے ظالموں کو بٹھا دیا جائے دوسرے میں ہمارے دو آدمیوں کو بٹھا دیا جائے تو ہمارا وزن بھاری ہوگا"۔

حجاج بن یوسف وہ تھا جس نے ایک لاکھ پچاس ہزار محبانِ آلِ محمدؐ کو قتل کرایا تھا اور پچاس ہزار محبانِ اہلِ بیتؑ کو ساری زندگی قید رکھا تھا۔ جب یہ مرا اور اس کا قید خانہ کھولا گیا تو پچاس ہزار مرد اور عورتیں بے لباس اس قید خانے سے نکلے اور وہ قید خانہ بھی اتنے اندھیرے میں تھا کہ وہاں رہنے والے سارے کے سارے آدمیوں کی آنکھ کی بینائی چلی گئی تھی۔

یہ حجاج ابن یوسف ظالم ترین حاکم تھا مگر یہ دیکھئے کردار اہلِ بیتؑ اور اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں کا کردار۔

یہ وہی حجاج ہے جس نے کمیلؓ ابن زیاد کو بھی شہید کرایا ہے جو مولائے کائناتؑ کے مقدس ترین صحابیوں میں شامل ہیں۔ اس نے اتنا ظلم کیا تھا لیکن کردار اہلِ بیتؑ اور اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں کے کردار کا حجاج بھی معترف تھا۔

روایت یہ ہے کہ جب اتنی کثرت سے قتل کیے تو اب محبانِ اہلِ بیتؑ نظر نہیں آتے تھے۔ جو تھے ان کو امامؑ کا حکم آیا کہ تقیہ میں چلے جاؤ تو حجاج ابن یوسف نے محبانِ اہلِ بیتؑ کو گرفتار کرنے کا ایک عجیب طریقہ دریافت کیا۔

ذرا دیکھیں___!

کتنی عجیب بات، کیا عظمت ہے اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں کی۔ایک واقعہ ہمیں ابن زیاد کا ملتا ہے اور ایک واقعہ حجاج ابن یوسف کا۔

ابن زیاد کو جب بصرہ کا گورنر بنا کر بھیجا تھا یزید نے تو کہا تھا: یہاں میرے خلاف شیعانِ آلِ محمدؐ تحریک چلا رہے ہیں، تم دریافت کرو یہ کون لوگ ہیں؟

ابن زیاد پریشان ہوا، یہ روایت تاریخ طبری میں لکھی ہوئی ہے۔ ابن زیاد پریشان ہوا۔کوفہ کے بارے میں تو اسے پتہ ہے لیکن بصرہ کے بارے میں اسے پتہ نہیں چل رہا۔ابن زیاد بصرہ میں نیا نیا آیا، چاروں طرف تلاش کر رہا ہے لیکن کہیں سے پتہ نہیں لگتا۔تو جب ایک دن تمام رات اور تمام دن پریشان ہو گیا تو رات کے وقت ایک مسجد میں جا کر بیٹھا، اس نے کونے میں دیکھا کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اور وہ بہت زیادہ مصروفِ نماز تھا۔ابن زیاد سمجھ گیا کہ یہ علیؑ کا شیعہ ہے۔اس لیے کہ علیؑ کے شیعہ وہ لوگ تھے جو کثرت کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔

ابن زیاد نے اسے گرفتار کیا تو پتہ چلا کہ وہ حقیقت میں علیؑ کا شیعہ ہے۔تو خود دشمنِ علیؑ کے نزدیک علیؑ کے شیعہ کی علامت یہ تھی جو کثرت سے نماز پڑھتا ہوا نظر آئے تو وہ علیؑ کا شیعہ ہوگا۔

اور دوسرا حجاج ابن یوسف کا واقعہ ہے، جب آلِ محمدؐ کے ماننے والوں نے اپنے آپ کو چھپا لیا تھا تو حجاج نے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ روزانہ راستہ بدلتا تھا۔ایک بڑا سا گڑھا کھدواتا تھا اور سپاہیوں سے کہتا تھا کہ اس کے اندر مجھے ڈال دو، جب سپاہی اسے ڈال کر اِدھر اُدھر ہو جاتے تھے تو کہتا تھا خبردار! کوئی قریب نہ آنے پائے جب وہ سارے اِدھر اُدھر ہو جاتے تو تو وہ اندر سے چیختا تھا کہ ارے کوئی مجھ کو نکالے اور جب کوئی آدمی اس کو نکالنے کے لیے آتا تھا اور اس کو نکالتا تھا تو

بعد میں وہ نکالنے والا حیران ہو جاتا تھا کیونکہ حجاج اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیتا تھا۔ سپاہیوں کو آواز دیتا تھا کہ اسے گرفتار کرلو، یقیناً یہ علیؑ کا شیعہ ہے۔

جب پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ علیؑ کا شیعہ ہے؟ تو وہ کہتا تھا: جو کسی مصیبت زدہ پر رحم کھائے تو سمجھو وہ علیؑ کا شیعہ ہے۔

ایک گواہی ابن زیاد، ایک گواہی حجاج ابن یوسف کی۔ تو اب یہ حجاج ابن یوسف تھا اور بصرہ کا حاکم تھا۔ جب مختارؓ کوفہ سے بصرہ میں آئے اور حجاج کے کان میں ایک خبر پہنچی۔ لوگوں نے آ کر کہا: اے حجاج! مدینے میں جو امامؑ ہے ان لوگوں کا وہ آج ایک بات بہت کثرت سے کہہ رہا ہے۔

حجاج نے پوچھا: کیا بات؟

کہا: وہ اپنے دادا علیؑ کے حوالے سے ایک فرمان نقل کرتا ہے کہ ایک دن علیؑ نے منبر پر بیٹھ کر یہ کہا تھا: قرآن کی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے، جس میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے، بنی اسرائیل میں جو خدا کے حکم کو ماننے والے تھے۔ ان کے اُوپر ہم نے رحمت نازل کی، جو خدا کی نافرمانی کرنے والے تھے، ہم نے ان کے اُوپر عذاب نازل کیا۔ تو مولاؑ نے کہا: بنی اسرائیل کی طرح سے ہماری قوم کے بھی دو گروہ ہوں گے: ایک وہ ہیں جو ہم اہلِ بیتؑ کی عزت کرتے ہیں۔ وہ خدا کی نگاہ میں صاحبِ عزت قرار پاتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ خدا عنقریب ان پر اپنا عذاب نازل کرنے والا ہے۔

کہا کہ ایک ہمارا ماننے والا بنوثقیف کا ہوگا جس کا نام مختارؓ ہے، اسے خدا مقرر کرے گا ان تمام ظالموں کو سزا دینے کے لیے، جو ہمارے خون کو حلال سمجھ لیں گے۔

اصحابِ علیؑ نے سوال کیا: مولاؑ! کیا ایسا ہونے والا ہے؟

کہا: ہاں! ایسا وقت آئے گا کہ رسولؐ کے نواسے حسنؑ اور حسینؑ کو یہی مسلمان قتل کریں گے اور پھر خدا اس آدمی کو بنی ثقیف سے پیدا کرے گا جس کا نام مختارؓ ہے، جو ان سب سے انتقام لے گا۔

تو حجاج کے کان میں یہ آواز آئی: حجاج نے کہا: تم لوگ بھی کیا بات کرتے ہو، مجھے یقین ہے کہ علیؑ نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہے۔

اب حجاج نے مختارؓ کو گرفتار کرنے کے لیے سپاہیوں کو بھیجا، سپاہیوں نے جا کر مختارؓ کو گرفتار کیا۔

حجاج نے کہا: سن! آج کل تیرے بارے میں وہ مدینہ والا علی ابن حسینؑ بہت کہتا ہے کہ تو خونِ حسینؑ کا انتقام لے گا۔ تو آج اس بات کو غلط ثابت کرنے کے لیے تجھے ابھی قتل کرا دیتا ہوں۔

ایک مرتبہ مختارؓ کہتے ہیں: اگر میرے مولاؑ نے یہ کہا ہے تو پھر تو مجھے نہیں مار سکتا، یہ بات ضرور سچ ثابت ہوگی۔

اب حجاج نے ارادہ کر لیا مختارؓ کو قتل کرنے کا۔

مختارؓ نے کہا: تو مجھے قتل نہیں کر سکتا۔

حجاج نے سپاہیوں سے کہا: جلاد کو بلاؤ۔

سپاہیوں نے کہا: اس کمرے کی چابی گم ہو گئی ہے جس کمرے میں جلاد کی تلواریں پڑی ہیں۔ ایک مرتبہ حجاج نے کہا: لے یہ سپاہی کی تلوار لے اور اس کی تلوار سے اسے قتل کر دے۔

جلاد تلوار لے کر آگے بڑھا، جلاد قریب آیا، پہلی مرتبہ تلوار سے کسی کو قتل کر رہا تھا۔ ایک دم جو تلوار چلائی تو خود اس کے پیٹ کے اندر گھس گئی، وہ گرا اور مر گیا۔

مختارؓ نے مسکرا کر کہا: حجاج! دیکھا؟

حجاج کو غصہ آیا، دوسرے جلاد کو تلوار دی وہ جلاد بھی آگے بڑھا، قریب پہنچا، وہ تلوار چلانا ہی چاہتا تھا کہ پتہ نہیں کہاں سے ایک بچھو رینگتا ہوا آیا، بچھو نے اس کو کاٹا اور وہ وہی مر گیا۔

مختارؓ نے کہا: دیکھا حجاج! تو مجھے نہیں مار سکتا، بلالے کسی اور کو۔

حجاج نے کہا: اب میں کسی اور کو نہیں بلاؤں گا، اب میں خود آگے بڑھوں گا، اب حجاج نے تلوار سنبھالی اور آگے بڑھنا چاہتا ہے۔

مختارؓ نے کہا: پہلے دو مرے ہیں کہیں تو بھی نہ مر جائے۔

حجاج گھبرایا، تیسرے جلاد کے ہاتھ میں تلوار دی۔

بس ___!

ابھی تلوار چلنے ہی والی تھی ایک قاصد اندر داخل ہوا اور کہا: خبردار! تلوار نہ چلانا، مختارؓ کے بارے میں امیر المومنین کا خط آ گیا ہے۔

ولید بن عبدالملک کا خط تھا، خط ایک مرتبہ حجاج کو دیا جس میں مختارؓ کی رہائی کا حکم تھا۔

حجاج نے مختارؓ کو رہا کیا، مختارؓ آزاد ہو گئے۔ اب مختارؓ کو بصرہ ایک اچھا مرکز ملا، یہاں پر بیٹھ کر مختارؓ نے اپنی تحریک کو بڑھانا شروع کیا۔

ذکرِ مصائب!

تو بہرحال ___!

کوفہ وہ شہر تھا جس میں کل یہ حالت تھی کہ آلِ محمدؐ کا لٹا ہوا گھرانہ آیا تھا، اور کوئی حمایت کرنے والا نہ تھا، آج اس شہر کی یہ کیفیت ہے کہ یہاں اگر حاکم بھرے دربار میں علیؑ کا نام نہیں لیتا ہے تو ہنگامہ ہو جاتا ہے۔

یہی شہر کوفہ تھا جس میں داخل ہوتے ہی جناب زینبؑ کو خیال آ گیا تھا کہ یہ وہ شہر کوفہ ہے کہ ۶۱ ہجری میں جب میرا بابا ۱۹ رمضان کو مسجد میں نماز پڑھانے گیا تھا اور ابن ملجم کی تلوار میرے بابا کے سر پر لگی تھی اور مجھے پتہ نہیں تھا کہ میرے بابا پر کیا گزری۔

بس____!

ایک مرتبہ زینبؑ نے کوفہ میں زلزلہ آتے دیکھا، سرخ آندھیاں چلتی دیکھیں۔ جبرئیلؑ کی آواز سنی تو زینبؑ سمجھ گئی، میرا بابا شہید ہو گیا ہے۔ تڑپ کے زینبؑ و اُم کلثومؑ کے دروازے کے قریب پہنچیں، دروازے کو کھول کر ذرا سا دیکھا، دیکھا کہ حسنؑ اور حسینؑ مولا علیؑ کو اُٹھا کر لا رہے ہیں۔ ایک مرتبہ زینبؑ نے دُور سے بابا کی یہ حالت دیکھی تو بے اختیار چیخ نکل گئی۔

اِدھر زینبؑ کی آواز بلند ہوئی اُدھر تڑپ کر میرے مولاؑ نے آنکھیں کھولیں اور کہا: بیٹا حسنؑ! یہ جو ہمارے ساتھ آ رہے ہیں ان سے کہو کہ یہ واپس چلے جائیں، اب آگے نہ بڑھیں، میرے کانوں میں زینبؑ کے رونے کی آواز آ رہی ہے۔

ابھی علیؑ زندہ ہے، برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی بیٹیوں کی آواز کسی نامحرم کے کان میں پہنچے۔

مولاؑ____!

۶۱ ہجری کو زینبؑ کی آواز کا اتنا پردہ اور یہی کوفے کی گلیاں اور بازار تھے جس میں ۶۱ ہجری کو آپ کی زینبؑ اور اُم کلثومؑ کو بے مقنع و چادر کے لا کر کھڑا کر دیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

مجلسِ دہم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

ظلم، ظالم اور ظلم کا خاتمہ، انہی موضوعات پر ہماری گفتگو سورۂ شعراء کی آیت کو عنوان بناتے ہوئے مسلسل ہورہی تھی۔

پرسوں تک گفتگو اس آنے والے کے بارے میں تھی جو دنیا میں خود بھی فقط اس لیے ہوگا کہ وہ آکر اس دنیا سے ظلم وجور کا خاتمہ کرے۔

کل اسی موضوع یعنی ظلم کے تحت گفتگو ہوئی تھی لیکن ایک مصلحت کی بنا پر پرسوں کی گفتگو سے ذرا غیر متعلق گفتگو محسوس ہورہی ہوگی آپ کو۔

آج میں اسی مقام سے گفتگو کے سلسلے کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں پرسوں ہماری گفتگو پہنچی تھی کہ وہ آنے والا جب اس دنیا میں آئے گا، اس آنے والے کے آنے کے بارے میں ہمارے پاس روایات کا ایک کثیر ذخیرہ ہے جس سے اس آنے والے امامؑ کی علامتیں. اس کے حالات، اس کے واقعات، آنے کے بعد اس کی حکومت کا انداز اور طریقہ، اس کے جہاد کا طریقہ، یہ سارے موضوعات معصومینؑ نے بیان کیے ہیں۔

اور اسی سلسلے میں مَیں یہی عرض کررہا تھا کہ اس آنے والے امامؑ کی نصرت کو

بھی واجب قرار دیا ہے ہر ایک کے لیے۔ اسے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اس کی مدد کے لیے آئے، مگر ہر صاحبِ ایمان کے لیے لازم ہے کہ جب وہ آنے والا آواز لگائے تو جہاں پر ہو، جس جگہ ہو، فوراً آواز سن کر اپنے امامؑ کی نصرت کے لیے پہنچے۔

اور اگر کسی نے اسی آرزو اور تمنا میں پوری زندگی گزاری تو مرنے کے بعد جب وہ قبر میں ہوگا تو خدا کی جانب سے ملائکہ آئیں گے اور اسے پیغام پہنچائیں گے کہ آنے والا امامؑ آ گیا ہے، اب تیری مرضی ہے کہ چاہے تو اس کے لشکر میں شامل ہو جا، جس کے ظہور کے انتظار میں تو نے رات دن گزارے تھے، اور چاہے تو یہیں پہ آرام کرتا رہ۔

تو اس آنے والے کی نصرت ہر ایک پر واجب ہے اور جب اس کے لشکر میں سب شامل ہو گئے تو اس کے بعد جہاد کا آغاز ہوگا۔

پہلے سرزمینِ مکہ میں اس کی حکومت قائم ہوگی۔ سرزمینِ مدینہ اس کی حکومت قائم ہوگی، اس کے بعد وہ آنے والے کوفے کی جانب بڑھے گا، اور اس کے بعد وہاں سے دمشق کی جانب جائے گا۔

یہ ساری کیفیات جن کو آپ اس سے پہلے سن چکے، لیکن یہاں پر فقط ایک مسئلہ تھا وہ یہ کہ آنے والا کا لشکر چل رہا ہے جہاد کرنے کے لیے، اگرچہ اعلان ہو جائے گا کہ کوئی شخص اپنے ساتھ کھانے کا سامان نہ رکھے، اس لیے کہ یہ ساری ذمہ داری اس امامؑ کی ہے جس نے تمہیں بلایا ہے۔

اور اس کے بعد وہی پتھر ہوگا جو قومِ موسیٰؑ کے لیے نازل ہوا تھا، جس میں سے کھانے پینے کی اشیا ملتی رہیں گی لیکن اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہو رہا ہے کہ وہ آنے والا جہاد کرتا ہوا جانے لگا۔ تو اب مردوں کے لیے تو بہت آسان ہے کہ ساری زندگی اس کے انتظار میں اپنا وقت گزاریں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ عورتیں جن

پر جہاد ساقط ہے وہ کس طرح سے آنے والے امامؑ کی نصرت کریں گی۔

اس مقام پر میں ایک بات اور کہتا چلوں۔ ایک وہ زمانہ تھا پیغمبرؐ اسلام کے دور میں جب مردوں کو جہاد کی اجازت تھی اور عورتیں حسرت سے آ کر سوال کرتی تھیں: اے اللہ کے رسولؐ! ہم کیسے جہاد کریں؟

یہ پیغمبرؐ کا زمانہ تھا اور آج زمانہ اُلٹا ہے، آج عورتوں کا جہاد اب تک باقی ہے، لیکن آج مردوں کا جہاد موجود نہیں ہے۔

تو کتنا فضیلت والا جہاد پیغمبرؐ اسلام نے عورتوں کو بتایا کہ مردوں کا جہاد ایک عرصہ کے بعد آ کر بند ہو گیا۔ تو اس وقت عورتوں نے بڑی حسرت سے سوال کیا تھا: اے اللہ کے رسولؐ! ہم کس طریقہ سے جہاد کریں؟

رسولؐ نے فرمایا تھا: اپنے پردے کو سنبھال کر خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنے شوہر کی اطاعت کرو، یہ تمہارا جہاد ہے۔

تو عورت کا جہاد ایسا بتایا گیا جو قیامت تک جاری رہے گا، اور یہی جہاد امامؑ کے ظاہر ہونے کے وقت بھی کرنا پڑے گا۔

عورتوں کا حقیقی جہاد تو اب تک چلا آ رہا ہے مگر امامؑ کے آنے کے بعد خصوصی جہاد عورتوں کا کیا ہوگا؟ عورتوں کے جہاد دو بتائے گئے ہیں: ایک تو عورتوں کا عمومی جہاد ہے، ایک خصوصی جہاد ہے جو ان شاء اللہ میں کل بتاؤں گا۔

تو بہرحال ____!

ایک وہ مومن تھا، جب اسے اطلاع ملی کہ مجھے مختارؒ کی مدد کرنا ہے، تو کہا کہ آج سے ہر آرام میرے لیے حرام ہے اور اس بڑھاپے کی حالت میں جبکہ ابن زیاد کے مظالم کا مزہ چکھ چکا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اگر میں گرفتار ہوا تو فی الفور قتل کر دیا جاؤں گا لیکن اس بڑھاپے کی حالت میں وہ مردِ مومن کتنی زحمتیں اُٹھا کر آج دمشق

پہنچ چکا ہے۔

جب عمیر ابن عامر کوفی دمشق پہنچے ہیں اور دمشق پہنچنے کے بعد پریشانی کا شکار ہوگیا، خط تو میں لے کر آیا ہوں لیکن حاکم تک یہ خط کیسے پہنچاؤں گا۔

اٹھارہ دن گزر گئے اسی پریشانی میں، جس محلے میں رہتا ہے، روزانہ وہاں کی مسجد میں آ کر نماز ادا کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ صبح سے شام تک یزید کے محل کے گرد گھوم رہا ہے، جس دروازے پر گیا، کہا کہ میں یزید سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، تو منع کر دیا گیا، جس دروازے پر پہنچا اور سوال کیا تو اسے وہاں سے بھگا دیا گیا۔ اٹھارہ دن گزر گئے، یہاں تک کہ جو کل میں نے بتایا کہ دو روایتیں ہیں یا امام مسجد نے یا سبزی فروش نے آ کر سوال کیا کہ بتاؤ تو سہی کہ اٹھارہ دن سے تم چکر لگا رہے ہو اور شام کو تھکے ہوئے آ جاتے ہو، کیا مسئلہ ہے؟

کہا: میری یہ حاجت ہے، پہلے تو اس کے ایمان کا امتحان لیا، اور جب اس نے کہا کہ میں یزید اور تمام قاتلانِ امامؑ پر لعنت بھیجتا ہوں۔ تب اطمینان ہوا کہ ہاں! یہ تو میرا ہم مذہب اور ہم عقیدہ ہے۔ چنانچہ اپنا مسئلہ پیش کیا۔

مختارؓ گرفتار ہیں، ان کی رہائی کے لیے کوشاں ہوں مگر مجھے محل میں جانے کی اجازت نہیں مل رہی ہے۔

کہا: اچھا! میں تمہیں طریقہ بتاتا ہوں۔ سنو! اس محل کے اندر ایک محب اہلِ بیتؑ ہے۔ ایک غلام ہے یزید کا اور اس غلام نے جب سے امام حسینؑ شہید ہوئے ہیں سیاہ لباس پہنا ہوا ہے، یہ سیاہ عمامہ پہنتا ہے۔ یہ سیاہ لباس پہنتا ہے، دن رات روتا ہے اور محل کے اندر فقط یہی محبِ اہلِ بیتؑ مرد ہے۔ اس کو یزید اور یزید کے ظلم سے اتنی نفرت ہے کہ یہ محل کا ایک پیسہ استعمال نہیں کرتا ہے کہ یہ حرام مال میں استعمال نہیں کروں گا۔ زار بند بیچتا ہے اور اس سے اپنے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے۔

یزید نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی ایک حاجت ضرور پوری کرے گا اور ابھی تک اس نے یزید کے سامنے اپنی کوئی حاجت پیش نہیں کی۔ اگر موقع ملے تو جا کر اس سے ملاقات کرے اور یہ تیرے مسئلے کو حل کرا دے گا۔

ہمارے علماء لکھتے ہیں: آقائی دربندی وغیرہ کہ یہ وہ مردِ مومن تھا جس نے ایک لاکھ درہم دے کر یزید سے امامِ مظلومؑ کا سر خریدا تھا اور کربلا معلّٰی میں بھجوایا تھا تاکہ امامؑ کے جسدِ اطہر کے ساتھ یہ سر بھی دفن کیا جائے۔

آپ کے علم میں ہوگا کہ بڑا اختلاف ہے اس مسئلے میں، کہ سرِ امام حسینؑ کہاں دفن ہیں؟ ایک روایت تو یہی ہے کہ یزید کے محل میں جب یہ سر آیا تو اس کے بعد اس مردِ مومن نے، اس غلام نے ایک لاکھ درہم دے کر یہ سر خریدا تھا اور اس کے بعد اسے خوشبو میں معطر کر کے اسے نجفِ اشرف میں دفن کرایا تھا اور ایک روایت کی بنیاد پر یہی پر سرِ اطہر دفن ہے۔

ایک روایت اور ہے وہ یہ کہ یہ سر مصر پہنچ گیا تھا اور قاہرہ میں دفن کیا گیا۔ مگر ہمارے ہاں اس روایت کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں اور ایک روایت وہی ہے جو میں سالِ گذشتہ بیان کر چکا ہوں۔

علامہ مجلسیؒ نے وہ روایت نقل کی ہے، راوی کہتا ہے کہ میں ایک مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی آدمی خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر کہہ رہا ہے: اے خدا! مجھے بخش دے، اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ تو مجھے کبھی نہیں بخشے گا مگر مجھے بخش دے۔

یہ عجیب وغریب دعا میں نے سنی تو میں نے حیران ہو کر دیکھا تو ایک آدمی تھا اس سے میں نے سوال کیا کہ تیرا گناہ کیا ہے؟

کہا: میرا گناہ یہ ہے کہ میں ان چالیس آدمیوں میں سے ایک تھا، جنھیں یہ

ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ کربلا معلی میں امام حسینؑ کے سر کے کاٹے جانے کے بعد اس کی حفاظت کریں اور پھرا دیں اور اسے شام تک پہنچائیں۔

ہم لوگ اس کٹے ہوئے سر کو لے کر یزید کے دربار میں پہنچے اور ہم نے یہ سر یزید کے سامنے پیش کیا۔ ہمیں چونکہ انعام ملنے کی توقع تھی اس لیے ہم نے یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ اے یزید! ہم تیرے حکم سے اس کا سر کاٹ کر لائے ہیں جو خود بھی سب سے افضل ہے اور جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں۔

یہ سن کر یزید نے کہا: اگر سب سے افضل ہے وہ جس کا سر تم نے کاٹا ہے تو پھر میرے پاس کس چیز کا انعام لینے آئے ہو؟ میں تو تمہیں اس جرم کی سزا دوں گا اور کل صبح تم سب کو قتل کر دیا جائے گا۔

یہ سن کر ہمارے ہوش اُڑ گئے، ہم روتے ہوئے اس کے قدموں پر گر پڑے۔ درباریوں نے ہماری سفارش کی مگر وہ شراب کے نشے میں تھا اور جیسے جیسے ہم کہتے گئے اس کا غصہ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نے حکم دیا کہ اس سر کو ایک کمرے میں بند کیا جائے اور ان چالیس آدمیوں کو بھی اسی کمرے میں بند کر دیا جائے، کل صبح ان کو قتل کر دیا جائے گا۔

ہمیں کمرے میں بند کر کے قفل لگا دیا گیا۔ آدھی رات کا وقت ہوا تو ہم نے یکا یک ایک شور کی آواز سنی، ہماری نگاہ پڑی۔ چھت ہے لیکن ایسے لگ رہا تھا جیسے آسمان سے کوئی سواری اُتر کر آ رہی ہے اور منادی دی جا رہی ہے کہ حضرت آدمؑ تشریف لا رہے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ ایک مرد شریف آیا جس کے کچھ ساتھی تھے۔ یہ حضرت آدمؑ تھے۔ پھر ہم نے سنا کہ حضرت ابراہیمؑ آ رہے ہیں، حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کی آمد کی آواز آئی۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی آواز آئی اور آخر

میں ہم نے سنا کہ کوئی منادی ندا دے رہا ہے کہ اب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔۔۔۔ (صلوٰۃ)

پھر ہم نے دیکھا کہ ہمارے رسولؐ آئے اور آنے کے بعد سیدھے ادھر تشریف لے گئے جہاں امام حسینؑ کے سر کو لٹکایا گیا تھا۔ اس سر کو وہاں سے اُتارا، اپنی گود میں رکھا، حسینؑ کے لبوں پر اپنے لب رکھے، پیغمبرؐ اسلام کا پورا مرثیہ موجود ہے لیکن میں وقت اور موقع کو دیکھ کر مختصراً بیان کر رہا ہوں۔

روایت یہ ہے کہ پھر اللہ کے رسولؐ روتے ہوئے یہ سر لے کر حضرت آدمؑ کے پاس گئے اور کہا: اے خدا کے نبیؑ! دیکھئے میری اُمت نے میرے نواسے پر کیسا ظلم کیا ہے۔ پھر ابراہیمؑ کے پاس گئے، پھر موسیٰؑ کے پاس گئے، پھر عیسیٰؑ کے پاس گئے۔ ہر نبیؑ رسولؐ کو تعزیت پیش کرتے کرتے خود رونے لگتا ہے۔ ایک مرتبہ تمام انبیاءؑ معصومین کے رونے سے کمرہ گونج رہا ہے، عین اُسی وقت ہم نے دیکھا کہ ایک فرشتہ اُتر کر آ رہا ہے۔ رسولؐ کو آ کر سلام کیا:

رسولؐ نے کہا: اے جبرئیلؑ! کیسے آئے؟

کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ کے رونے کی آواز سن کر ہمیں چین نہیں آ رہا، ہم گروہِ ملائکہ بے چین ہیں، آپ حکم دیجیے تو ابھی زلزلہ لے آئیں۔

پیغمبرؐ نے روکا، کہا: خبردار! اس وقت جتنی مہلت خدا نے ان کو دی ہے اس سے فائدہ حاصل کرنے دو۔

جبرئیلؑ کہتا ہے: اے اللہ کے نبیؐ! کم از کم ان چالیس آدمیوں کو سزا دینے کا اختیار دیجیے۔

اللہ کے رسولؐ نے کہا: اچھا ان کو سزا دو۔

جبرئیلؑ آگے بڑھے، آگ کا بنا ہوا ایک ہتھیار ہاتھ میں ہے، ہم میں سے

جس کے جسم پر لگاتے ہیں تو فوراً اس کے سینے سے خون بلند ہوتا ہے اور وہ تڑپ کر وہی مرجاتا ہے۔

جب اتالیس آدمی مرگئے تو میں روتا ہوا رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ کو حسینؑ کے کٹے ہوئے سر کا واسطہ مجھے اس وقت اس عذاب سے بچا لیجیے۔

پیغمبرؐ نے جبرئیلؑ کو روکا، اے جبرئیلؑ! رُک جاؤ اور اب اسے سزا نہ دو، اب یہ اپنا عذاب اپنے وقت پر برداشت کرے گا، اس نے مجھے میرے حسینؑ کا واسطہ دیا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد ایک ایک کر کے سارے انبیاءؑ واپس جانے لگے اور آخر میں مَیں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول حسینؑ کا کٹا ہوا سر لے کر آسمانوں کی جانب تشریف لے گئے۔

علامہ مجلسیؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ بھی ایک قول ہے اور مستند روایات میں سے ایک مستند روایت ہے کہ کوئی تعجب نہیں کہ امام مظلومؑ کا سر اس دنیا میں کہیں بھی موجود نہ ہو بلکہ ان کے نانا پیغمبر اسلام اپنے ساتھ لے گئے ہوں۔

بہرحال____!

یزید کے محل کا یہ غلام وہ مردِ مومن تھا جس نے ایک لاکھ درہم دے کر یزید سے یہ سر خریدا اور کربلا میں بھجوایا۔

تو اب وہ امام مسجد یا سبزی فروش کہتا ہے کہ تو کسی طرح سے اس غلام تک پہنچ جا، اس کے بعد وہ تیرا کام کرا لے گا۔

یہ گھبرا کر کہتا ہے کہ میں وہاں تک بھی کیسے پہنچوں؟

تو کہا: ایک طریقہ ہے، تم سفید لباس پہن کر جانا، اور یزید کے محل میں داخل

ہوتا اور اگر تم نے رُک کر دروازے پر کسی سے پوچھ لیا کہ کیا مجھے جانے کی اجازت ہے؟

تو تجھے ہرگز اندر جانے کی اجازت نہیں ملے گی، تم بڑی بے خوفی کے ساتھ اس طرح داخل ہو جانا کہ جیسے روز آتا جاتا ہے اور تیرے لیے یہاں کوئی پابندی نہیں لیکن یہ ذہن میں رہے کہ سفید لباس پہن کر جانا۔

اب سبزی فروش یا امام مسجد سے یہ سن کر اس عمیر ابن عامر کوفی نے طے کیا اور کہا کہ اس پر بھی عمل کر کے دیکھ لیتا ہوں۔

اگلا دن آیا، یہ تیار ہو کر چلا اور داخل ہوا محل میں، پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھواں اور نواں۔ سارے صحن عبور کر کے دسویں صحن کے اندر داخل ہوا جہاں پر وہ غلام کھڑا تھا۔

عمیر دسویں صحن میں داخل ہوا، اس بوڑھے شخص کو دیکھا، اس غلام کو دیکھا، سیاہ لباس دیکھا، ایک مرتبہ سمجھ گیا کہ یہی میری مراد ہے مگر پھر بھی فکر مند تھا۔ آگے بڑھا، اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا، اور ایک مرتبہ اس غلام نے کہا:

اے عمیر! میں اٹھارہ دن سے تیرا انتظار کر رہا ہوں تو کہاں تھا؟

عمیر ایک مرتبہ حیران ہو کر کہتے ہیں: یہ بتا تجھے میرا نام کیسے پتہ چلا؟

وہ کہتا ہے: اٹھارہ دن پہلے خواب میں مجھے امام حسینؑ نظر آئے تھے اور کہا تھا: اے میرے محب! تیرے پاس کوفے کا ایک مردِ مومن بزرگ آ رہا ہے جس کا نام ہے عمیر، اس کا کام کرا دینا، ہم تجھ سے خوش اور راضی ہیں۔

پس میں اسی دن سے تیرا انتظار کر رہا ہوں اور آج اٹھارہ دن گزر گئے اور اس کے بعد کل رات کو پھر امام حسینؑ خواب میں آئے اور کہا:

اے شخص! کل وہ تیرے پاس پہنچنے والا ہے، اور جب وہ پہنچے گا تو اس سے

کہتا کہ اے عمیر! تیری جدوجہد کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں اور اے غلام تجھے یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ تو جنت میں ہمارے ساتھ ہوگا۔

اِدھر غلام نے یہ خوشخبری سنائی اُدھر عمیر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ سجدۂ شکر ادا کیا۔ اِدھر سجدہ کیا تو اُدھر چند سپاہیوں کے پہرے میں یزید آ رہا ہے، اِدھر غلام نے مجھ سے خط لیے، آگے بڑھا اور کہا: اے حاکم! تیرا وعدہ تھا کہ تو میری ایک خواہش پوری کرے گا، آج میں ایک خواہش لے کر تیرے سامنے آیا ہوں۔ یہ کہہ کر دو خط آگے بڑھائے، کہا: یہ شخص مدینے سے آیا ہے اور ان خطوں میں عبداللہ ابن عمر کا ایک پیغام ہے اور یہ تھیلی ہے جس میں عبداللہ ابن عمر کی جانب سے ایک تحفہ ہے آپ کے لیے۔ یہ لے کر آیا اور آپ سے یہ چاہتا ہے کہ آپ اس کا جواب دیں۔

یزید نے خط کھول کر پڑھا، چہرے کا رنگ زرد ہوگیا۔ فوراً عمیر سے کہا: اے شخص! تو مجھے محبانِ اہلِ بیتؑ میں سے لگتا ہے یہ بتا کہ کیا قتلِ حسینؑ تجھ کو ناگوار تو محسوس نہیں ہوا تھا۔

عمیر کہتے ہیں بڑا نازک مرحلہ تھا، بس! ایک مرتبہ کہا: اے حاکم! مجھے ان جھگڑوں سے کیا واسطہ، میں تو ایک قاصد ہوں، میں تو ایک مزدور ہوں، دس دینار عبداللہ ابن عمر نے مجھے اُجرت دی تھی اس لیے یہ خط لے کر یہاں آ گیا، اور تیرا پیغام لے کر وہاں پہنچ جاؤں گا۔

یزید نے دوبارہ سوال کیا: سچ سچ بتا کہ تیرا مذہب کیا ہے؟

اب غلام مدد کو آگے بڑھا، کہا: اے حاکم! تجھے اس کے مذہب سے کیا واسطہ، حاجت میری ہے تیرا وعدہ تھا کہ تو پورا کرے گا، پھر عبداللہ ابن عمر کا خط ہے، اس کا جو مذہب بھی ہو، بہرحال یہ سوال تو تجھے پورا کرنا ہی ہے۔

یزید نے قلم اور دوات منگوائی، ایک مرتبہ یزید نے حکم نامہ تحریر کیا۔ ابن زیاد

کے نام کہ عبداللہ ابن عمر کی سفارش پہنچی ہے اس لیے فوراً تم مختارؓ کو آزاد کرو۔

یہ کہہ کر عمیر کے ہاتھ میں وہ خط دیا اور ساتھ ساتھ ایک مرتبہ اس غلام سے کہا: اے میرے غلام! تو مجھ سے دو لاکھ دینار مانگ لیتا۔ وہ دینار مجھے اتنا گراں نہ گزرتا جتنا تیری اس خواہش کو پورا کرنا لیکن کیا کروں تیری حاجت بھی تھی اور میرا وعدہ بھی تھا اور عبداللہ ابن عمر کی سفارش بھی تھی۔ اس لیے انکار نہیں کرسکتا ہوں۔

یہ کہہ کر ایک مرتبہ خط غلام کو دیا اور خود آگے بڑھ گیا۔ غلام نے یہ خط عمیر کو دیا۔ خط لیتے ہی عمیر ہوا کی تیزی سے باہر آئے۔ جلدی جلدی اپنے کرایہ کے مکان میں جا کر سامان باندھا اور فوراً وہاں سے مدینہ چلے۔

عبداللہ ابن عمر کو یہ پیغام پہنچایا۔ عبداللہ ابن عمر نے کہا: ابھی میں اپنی بیوی کو یہ نہیں بتاؤں گا، ایسا نہ ہو کہ ابن زیاد اس پر عمل نہ کرے، اور میری اُمید ٹوٹ جائے، تم فوراً جاؤ اور مختارؓ اگر آزاد ہو جائے تو انھیں رہا کرا کے لانا۔

بہرحال___!

اب عمیر چلا کوفہ کی جانب، لیکن وہاں بھی خطرہ اور خوف تھا۔ اگر ابن زیاد تک یہ پیغام پہنچ چکا ہے کہ میں یہ مختارؓ کی رہائی کا پروانہ لا رہا ہوں، تو کہیں وہ اپنی چالاکی سے کام نہ لے۔ چنانچہ اب پریشانی کی حالت میں سوچا، وہی خیال آیا کہ جب ابن زیاد کوفہ میں آیا تھا تو کس طرح آیا تھا۔

پس___!

رات کی تاریکی میں اپنے پورے سر کو لپیٹا، فقط آنکھیں کھلی ہیں اور رات کی تاریکی میں چلا اور صبح کے قریب کوفہ شہر میں داخل ہوا اور دارالامارہ میں پہنچا اور دارالامارہ پر جا کر دستک دی۔

خادم نے پوچھا: کون ہے؟

اپنا تعارف کرایا، ابن زیاد بلاتا ہے۔

کہا: تو کس لیے آیا ہے؟

کہا: اس وقت میں یزید کا قاصد بن کر آیا ہوں۔

یہ کہہ کر یزید کا خط حوالے کیا، ابن زیاد نے پڑھا تو سر سے پیر تک کانپ گیا۔

کہا: اس وقت کتنی بڑی غلطی کر دی ہے میرے حاکم نے، یہ مختارؓ کی رہائی کا پروانہ نہیں ہے یہ میری موت کا سامان ہے، فوراً سمجھ گیا لیکن حاکم کے حکم کے آگے کیا کرے۔

ایک مرتبہ حکم دیا جلادوں کو کہ جاؤ اور مختارؓ کو قید خانے سے نکال کر لاؤ۔ مختارؓ بلائے گئے، طبیب کو بلایا گیا، طبیب نے مختارؓ کی مرہم پٹی کی۔ اس کے بعد مختارؓ آئے، ابن زیاد نے دسترخوان بچھایا:

کہا: اب جا رہا ہو تو کھانا کھاتے ہوئے جاؤ۔ عمیر کا بازو پکڑا۔

مختارؓ نے کہا: اس وقت کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ یہ کہہ کر ایک مرتبہ باہر نکلے، باہر آ کر عمیر نے کہا: اے مختارؓ! تو نے خیال تک نہ کیا کہ کہیں دوبارہ ابن زیاد ناراض نہ ہو جائے کھانے سے انکار کر دیا؟

کہا: ہاں! میں نے عہد کیا ہے کہ جب تک میں اپنے امامؑ کے قاتلوں سے انتقام نہ لوں گا اس وقت تک نہ تو میں بستر پر سوؤں گا اور نہ کوئی لذیذ کھانا کھاؤں گا، نہ خوشبو لگاؤں گا اور نہ ہی نیا لباس پہنوں گا۔

عمیر لے کر اپنے گھر میں آئے اور سادہ سا کھانا تیار کر کے کھلایا۔

مختارؓ کہتا ہے: اے عمیر! اب تیرا یہاں رہنا مناسب نہیں ہے، ابن زیاد جان کا دشمن ہے، وہ یقیناً تجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، آ میرے ساتھ چل۔

یہ کہہ کر دونوں فوراً کوفہ سے نکلے۔ ایسا نہ ہو کہ ابن زیاد فوراً یزید سے دوسرا

حکم نامہ لکھوا لے۔ اسی رات کو نکل گئے۔

باہر آنے کے بعد مختارؓ نے کہا: اے عمیر! اب میرا تیرا ساتھ ختم ہوتا ہے، اس لیے کہ مجھے بہت کام کرنا ہے۔

کوفہ کے باہر دونوں الگ ہوئے۔ عمیر اپنے قبیلے بنی کندہ میں چلے گئے۔ اور پھر تاریخ نہیں بتاتی اس مردِ مومن کے بارے میں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟

اِدھر مختارؓ آزاد ہوئے۔ فی الفور مدینے کی جانب چلے۔ شہرِ مدینہ میں داخل ہوئے اس وقت کہ جب دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ عبداللہ ابن عمر نے آج وہ کھانا پکوایا تھا جس میں گوشت ڈالا گیا تھا اور بیوی سے کہہ رہے تھے کہ آؤ اور آ کر کھانا کھاؤ۔ اور وہ انکار کر رہی ہے کہ اتنے دن ہو گئے ابھی تک مجھے میرے بھائی مختارؓ کی کوئی خبر نہیں ملی، یہی انکار جاری ہے کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔

عبداللہ ابن عمر دوڑ کر گئے۔ دیکھا کہ مختارؓ کھڑے ہیں۔ بے اختیار گلے سے لگایا۔

بیوی نے پوچھا: کون آیا ہے؟

مختارؓ کمرے میں آئے۔ بہن کو دیکھا تو سلام کیا۔ بہن نے بھائی کو دیکھا تو بے اختیار خوشی کے مارے آگے بڑھی۔ مختارؓ کے گلے سے لگی۔

اس کے بعد روایت یہ ہے کہ دونوں روئے اور اتنا روئے کہ روتے روتے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آخر پانی چھڑک کر ہوش میں لایا گیا۔

مختارؓ تو ہوش میں آ گئے لیکن پتہ چلا کہ خوشی کی شدت سے مختارؓ کی بہن اس دنیا سے رخصت ہو گئی ہیں۔

ذکرِ مصائب!

بہن کو بھائی سے کتنی محبت ہوتی ہے اور بہن اور بھائی کا رشتہ بھی کتنا عجیب

رشتہ ہے۔

بس ___!

میں فقط اتنا کہا کرتا ہوں کہ اس سے اندازہ کرو کہ بھائی ملا تو بھائی کی خوشی میں اتنا روئی کہ دنیا سے رخصت ہوگئی۔ بھائی کے ملنے پر جب بہن کی یہ حالت ہوتی ہے تو جس وقت بھائی ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہا ہوگا تو اس وقت بہن کی کیا حالت ہوتی ہوگی؟

میرے چوتھے امامؑ سے کسی نے سوال کیا: اے فرزندِ رسولؐ! ایک بات تو بتائیے، جب گیارہ محرم کو اسیروں کا کارواں چلا تھا تو عمر ابن سعد نے حکم دیا تھا کہ سارے شہیدوں کے سر کاٹ کر نوکِ نیزہ پر بلند کیے جائیں۔

سارے شہیدوں کے سر کٹنے لگے۔ روایت یہ ہے کہ اتنا ظلم کیا گیا حتیٰ کہ ننھے سے علی اصغرؑ کی قبر کو کھود کر معصوم شہزادے کا ننھا سا سر کاٹا گیا اور بعض اربابِ مقاتل لکھتے ہیں کہ علی اصغرؑ کی قبر کو امام حسینؑ نے پوشیدہ کر دیا تھا۔

عمر ابن سعد نے حکم دیا تھا کہ نیزے لے کر زمینِ کربلا میں گاڑتے چلے جاؤ، جہاں زمین نرم نظر آئے سمجھ لینا کہ یہی علی اصغرؑ کی قبر ہے۔

چنانچہ جب یہ نیزے زمین میں گاڑے جانے لگے تو ایک ظالم نے جب نیزہ گاڑ کر نکالا تو نیزے کے ساتھ معصوم شہزادے کا جسم پیوست ہو کر باہر آ گیا۔

عمر ابن سعد کے حکم سے علی اصغرؑ کی گردن کو جدا کیا گیا۔ نوکِ نیزہ پر یہ سر بھی بلند ہوا۔

مگر راوی سید سجادؑ سے کہتا ہے: مولاؑ! میں کوفہ کے اندر تھا، میں نے دیکھا کہ سارے سر نوکِ نیزہ پر بلند ہیں فقط ایک سر ہے جو ایک گھوڑے کی گردن میں باندھا گیا۔ میں نے آگے بڑھ کے پوچھا تھا: اے خولی! یہ تیرے گھوڑے کی گردن میں

کس کا سر بندھا ہے؟ اسے نیزے پر بلند کیوں نہیں کیا؟

خولی نے کہا: اس سر کو ہم نے تین مرتبہ نیزے پر بلند کیا اور تینوں مرتبہ یہ سر نیزے سے زمین پر گر پڑا آخر میں نے اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھا۔

جب گھوڑا دوڑتا ہے تو سر جھکا کے دوڑتا ہے۔ راوی کہتا ہے: میں دیکھ رہا تھا جب گھوڑا دوڑتا تھا، گھوڑے کا سر جھک جاتا تھا اور یہ کٹا ہوا سر زمین سے ٹکراتا ہوا جاتا تھا۔ میں نے مولا سجادؑ سے پوچھا: مولاؑ یہ کس کا کٹا ہوا سر تھا؟

میرے مولاؑ نے کہا: یہ میرے چچا ابوالفضل العباسؑ کا سر تھا۔

راوی نے سوال کیا: مولاؑ! سب کے سر نوک نیزہ پر بلند ہوئے، عباسؑ کا سر کیوں بلند نہ ہوا؟

کہا: تجھے نہیں معلوم، میرا چچا کتنا غیرت مند تھا، جس نے مکان کے صحن میں اپنی بہنوں کو ننگے سر نہ دیکھا، وہ کوفہ اور شام کے بازاروں میں نوک نیزہ سے زینبؑ کے کھلے سر پر کیسے نگاہ ڈالتا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ

مجلسِ یازدھم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

قرآن کریم کے اس ارشاد کے ذیل میں، جس میں ظالموں کو ظلم کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ ہماری گفتگو ہو رہی تھی ان ظالموں پر، جنھوں نے انسانیت کی تاریخ میں سب سے بڑا ظلم کیا اور پھر زمانے نے بہت جلد بتا دیا کہ ان کی اس غلطی، ان کے اس ظلم کا انھیں کتنا بھاری خمیازہ بھگتنا پڑا ہے۔ خدا نے امیر مختارؓ کی صورت میں ایسے مردِ مومن کو پیدا کیا، جس نے یہ عزم کیا، جس نے یہ عہد کیا کہ میں اپنی زندگی کا فقط ایک مقصد قرار دیتا ہوں اور وہ یہ کہ قاتلانِ حسینؑ سے مجھے انتقام لینا ہے۔

اسی عزم اور ارادہ کے ساتھ جب خدا پر توکل کر کے وہ کھڑا ہوا تو تاریخ نے ہمیں یہ بتایا کہ وہ مضبوط ترین حکومت جو ابن زیاد نے شہر کوفہ میں قائم کی تھی وہ سرنگوں ہوتی ہے اور امیر مختارؓ اسی دارالامارہ میں اُسی مقام پر بیٹھتے ہیں جہاں کبھی ابن زیاد پورے غرور کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔

امیر مختارؓ نے کوفے کی حکومت پر اپنا اقتدار حاصل کر لیا اور اس وقت اسلامی دنیا کے کئی حصے ہو گئے۔ حجاز کی سرزمین پر عبداللہ ابن زبیر کی حکومت تھی، جنھوں نے عراق کی فتوحات کے لیے اپنے بھائی مصعب کو بھیجا۔

شام کی سرزمین پر خاندانِ بنومروان کے حاکم ولید کی حکومت تھی اور کچھ ایسے لوگ تھے درمیان میں جو تذبذب کا شکار تھے، پریشانی کا شکار تھے کہ اِدھر جائیں یا اُدھر جائیں اور ان دونوں حکومتوں کے درمیان کوفہ میں امیر مختارؒ کی تیسری حکومت قائم ہوتی ہے۔

امیر مختارؒ کا ساتھ ابراہیم ابن مالک اشترؒ دے رہے ہیں، جنھوں نے فی الواقعہ امیر مختارؒ کے محافظ کا کردار ادا کرنا شروع کیا ہے۔

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امیر مختارؒ کو کیے بعد دیگرے کئی دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ سب سے پہلا دشمن جو ان کے سامنے تھا وہ عبداللہ ابن مطیع تھا۔ یہ عبداللہ ابن مطیع وہ شخص ہے جو کوفہ کا گورنر تھا۔ جس کے دور میں امیر مختارؒ نے اپنے جہاد کا آغاز کیا۔ امیر مختارؒ کا نعرہ یہ تھا: یَا لَثَارَاتِ الْحُسَیْنِ، یعنی "اے حسینؑ کے خون کا انتقام لینے والو! کھڑے ہو جاؤ"۔

اور یہ نعرہ لگا کر ۱۳ ربیع الاوّل ۶۶ ہجری کو عبداللہ ابن مطیع کو شکست دے کر کوفہ پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ اب تک اس حاکمِ کوفہ نے کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچایا ہے اور کم از کم اہل بیت اطہارؑ کے خون سے اس کے ہاتھ محفوظ ہیں۔ امیر مختارؒ اپنے ساتھیوں کی رائے کے برعکس، جب سب منع کر رہے تھے، امیر مختارؒ عبداللہ ابن مطیع کو آزاد کرتے ہیں اور وہ یہاں سے فرار ہو کر سیدھا بصرہ پہنچا۔ بصرہ میں عبداللہ ابن زبیر کے بھائی مصعب ابن زبیر ہیں۔ عبداللہ نے عراق پر قبضہ کے لیے اپنے بھائی مصعب کو فوج دے کر بھیجا ہے اور ابھی ان کی حکومت بصرہ تک محدود ہے۔ بصرہ میں ان کو بھیجا گیا اور عبداللہ ابن مطیع فرار ہو کر بصرہ میں آیا۔ بصرہ میں آنے کے بعد مصعب کی مدد سے فوج لے کر چلا۔ نہروان کے مقام پر ابراہیم ابن مالک اشترؒ سے مقابلہ ہوا۔

ابراہیمؓ نے اس کثرت کے ساتھ اس کی فوج کا قتلِ عام کیا کہ جب وہ پلٹ کر اور شکست کھا کر عیسائی راہب کے گرجے میں پہنچا، جو بعد میں ابراہیم کے ساتھ ملتا ہے۔ جب اس کے گرجے میں پہنچا تو وہاں اپنے سپاہیوں کی قلیل تعداد کو دیکھ کر بے اختیار کہتا ہے کہ علیؑ بھی نہ تھے پھر ہمارے اتنے سپاہی کیسے مارے گئے۔

اور اُدھر رات کی تاریکی میں ابراہیم کو ایک جاسوس ملا۔ وہ جاسوس ایمان لاتا ہے اور ابراہیم کا ساتھ دیتا ہے اور ابراہیم کو لے کر چلا جاتا ہے۔

کل یہاں تک بات پہنچی تھی کہ وہ یہ کہہ کر ساتھ لے کر چلا کہ میرے گرجے میں اس وقت عبداللہ ابن مطیع آرام کر رہا ہے۔ اور جب یہ دونوں وہاں پر پہنچے تو پہلے تو روکا گیا اور پھر نیند کے نشے میں عبداللہ نے کہا کہ جانے دو، میں نے انھیں پہچان لیا ہے۔ آدھی رات کے قریب وہ راہب آ کر کہتا ہے جو پہلے جاسوس تھا اور اب مومن بن گیا۔ وہ آ کر کہتا ہے: وقت اچھا ہے عبداللہ ابن مطیع غفلت کی نیند سو رہا ہے۔ آئیے میں آپ کو خفیہ راستے سے اس کے کمرے میں لے کر چلتا ہوں۔ اس وقت وہ سو رہا ہے اور آپ اُسے قتل کر ڈالیے۔

ایک مرتبہ ابراہیم ابن مالک اشترؓ وہاں پہنچے۔ تلوار نکالی اور تلوار چلانا چاہتے ہیں کہ بے اختیار دل میں خیال آیا کہ یہ شخص سو رہا ہے۔ غفلت کی نیند سو رہا ہے اور سوئے ہوئے دشمن پر وار کرنا یہ اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں کی شان کے خلاف ہے۔

تلوار کو دوبارہ نیام میں رکھا اور ابھی تلوار کو نیام میں رکھا تھا کہ یکا یک شور مچا، دروازہ کھلا اور بے اختیار دوڑتے ہوئے بہت سارے سپاہی اندر داخل ہوئے۔ ابراہیمؓ نے یہ منظر دیکھا، ایک کونے میں چلے گئے۔ ان سپاہیوں کے درمیان مل گئے۔ سپاہیوں نے جلدی جلدی عبداللہ ابن مطیع کو ہوشیار کیا اور کہا: ہمارا سردار مصعب خود آ گیا ہے۔ پندرہ ہزار کی فوج لے کر وہ دریا کا سفر طے کر رہا ہے اور

کشتیوں کے ذریعہ آ رہا ہے۔ وہ آ چکا ہے، وہ پہنچ چکا ہے۔ اب ہماری مدد آ گئی۔ اب ہماری کامیابی یقینی ہوگئی۔

عبداللہ ابن مطیع بھی جلدی سے ہوشیار ہوا۔ سپاہیوں کو لے کر باہر نکلا۔ ابراہیم ابن مالک اشترؒ نے یہ سنا تو پتہ چلا کہ اب گھِر گئے۔ وہ سپاہیوں کے ساتھ باہر نکلے۔ مصعب ابن زبیر کی کشتی دریا کے کنارے لگی تھی۔ ایک مرتبہ سامان اُتارا جا رہا تھا۔ سپاہی بھی اُتارے جا رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر ابراہیم نے سوچا کہ اس وقت اکیلے آدمی کا اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کرنا خلاف شریعت بھی ہے اور خلاف عقل بھی ہے۔ کسی طرح دریا کو پار کر کے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل جاؤں اور کل پھر دیکھا جائے۔

آپ کو یاد ہوگا! کل جب وہ راہب لے کر آ رہا تھا تو اس نے کہا تھا: اگرچہ دریا کے پُل توڑ دیئے گئے ہیں، مگر پھر بھی کچھ خفیہ مقامات ہیں جن کو یہاں رہنے والے لوگ اچھے طریقے سے جانتے ہیں تو ابراہیم تلاش میں تھے کہ کوئی ایسا آدمی نظر آ جائے، جو ان علاقوں کو جاننے والا ہو۔ دیکھا جب سارے سپاہی کام میں لگے ہیں اور ایک سپاہی خوشی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ بار بار اپنی ٹوپی کو ہوا میں اُچھال اُچھال کر کہہ رہا ہے: "میرے امیر آ گئے، ہمارے حاکم آ گئے"۔

ایک مرتبہ ابراہیم نے یہ منظر دیکھا اور اس کے قریب پہنچے۔ کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ کوئی راستہ دریا کا پار کرنے کا؟

کہا: ہاں! مگر تو کیوں پوچھ رہا ہے؟

کہا: ایک ہزار دینار دوں گا۔

اس نے کہا: چل میرے ساتھ۔

ابراہیمؒ اُسے لے کر چلے مگر یہ محبت اہلِ بیت تھی۔ ابراہیمؒ کے دل میں کہ

ایک لمحے کے لیے خیال کیا کہ یہ اتنی خوشی ظاہر کر رہا تھا، کہیں کوئی دشمن اہلِ بیتؑ تو نہیں ہے؟ اگر یہ دشمن اہلِ بیتؑ تو مجھے اس کا احسان نہیں لینا۔

ایک مرتبہ اس سے سوال کیا: تو یہ بتا کہ تیرا علیؑ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

اس نے جواب دیا: علیؑ کی دشمنی کو میں کلِ ایمان سمجھتا ہوں۔

بس ــــ!

اتنا سننا تھا کہ ابراہیمؒ نے بے اختیار تلوار نیام سے نکالی اور اس کی گردن کو اُڑا دیا۔

واپس آئے ابراہیمؒ، لیکن وہی مسئلہ، وہی پریشانی، کہ اب دریا کس طرح پار کریں؟ اور اُدھر مصعب ابن زبیر کی نگاہ دُور سے ابراہیمؒ پر پڑ گئی۔ عبداللہ ابن مطیع کو بلایا۔

یہ نام اتنے سارے ہیں کہ بعض اوقات سنتے سنتے آدمی کو بڑی غلط فہمی ہو جاتی ہے اور ناموں کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔

بہرحال ــــ! اس کا کوئی علاج بھی نہیں ہے۔

مصعب نے عبداللہ ابن مطیع کو بلایا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ مصعب حاکم ہیں اور عبداللہ ان کے گورنر تھے کوفہ میں، جو آج کل فرار ہو کر آئے ہوئے ہیں۔

کہا: یہ آدمی مجھے مشکوک لگتا ہے۔ یہ اپنے لشکر کا آدمی محسوس نہیں ہوتا، اسے بلواؤ۔ سپاہی بھیج کر بلوایا گیا، قریب آئے۔ عبداللہ ابن مطیع نے کہا: اے سپاہی! حاکم آیا ہے، جھک کر تعظیم کر اور اس کے پاؤں کا بوسہ لے۔

ابراہیمؒ اسی انداز میں کھڑے رہے، ابراہیمؒ نے جھکنے سے اور ابن زبیر کے پاؤں کو چومنے سے انکار کر دیا۔

مصعب کہنے لگے: اب مجھے یقین ہو رہا ہے کہ آدمی مشکوک ہے۔

عبداللہ ابن مطیع ایک مرتبہ غصے کی حالت میں کہتا ہے: تجھے کیا ہو گیا ہے؟

ابراہیمؒ نے دیکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خودکشی کی منزل سمجھ لی جائے، جو شریعت میں حرام ہے۔

کہا: اے حاکم! میں نیا نیا لشکر میں شامل ہوا ہوں۔ میں اُسی دیہات کا رہنے والا ہوں، مجھے شاہی آداب تو پتہ نہیں ہیں اس لیے میرا قصور معاف کیا جائے۔

عبداللہ ابن مطیع نے کہا: اچھا، اب جاؤ اور دوسروں کے ساتھ کام کرو۔ یہ آگے بڑھ کر کام کرنے لگے۔

مصعب نے کہا: عبداللہ! مجھے یہ آدمی بڑا خطرناک لگتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ یہ ابراہیم ابن مالکِ اشترؒ کا کوئی جاسوس ہے، اسے گرفتار کر کے خیمے میں رکھو، کل ہم اس کا فیصلہ کریں گے۔

یہ کہہ کر اپنے ایک سپاہی عامر ابن مرّہ کو بلایا۔ یہ ایک مشہور دشمنِ اہلِ بیتؑ تھا۔ اُسے بلایا اور ابراہیم کو اس کی قید میں دیا۔

اب مصعب ابن زبیر ابراہیم کو پہچانتے نہیں ہیں کیونکہ مصعب رہنے والے ہیں حجاز کے اور ابراہیم رہنے والے ہیں کوفہ کے، خالی ان کے انداز سے شک ہو گیا تھا۔

ادھر قید میں دیا اور قید میں دینے کے بعد یہ لوگ اپنے کام سے فارغ ہو کر راہب کے گرجے میں آرام کے ارادے سے چلے گئے۔

عامر ابن مرّہ نے بھی یہ خیال کر کے کہ یہ کوئی معمولی دیہاتی ہے اور کسی وجہ سے میرے حاکم نے اسے گرفتار کیا ہے تو خاص توجہ نہ دی۔ خیمے میں ان کو رکھا، خیمے کا پردہ گرایا اور خود باہر رات بھر آرام کیا۔

اگلے دن بلکہ جب رات ختم ہو رہی تھی تو عامر کو کسی کام سے جانا تھا، وہ اپنے

گھوڑے پر سوار ہوا۔

یہ ایسا وقت ہوتا ہے جب رات ختم ہو رہی ہو اور صبح قریب ہو تو ہر شخص کو اس وقت میں بہت گہری نیند آتی ہے اور بہترین نیند اسی وقت کی خیال کی جاتی ہے۔ پہرا دینے والے سپاہی بھی غافل ہو جاتے ہیں۔

اور یہی وہ وقت ہے جب اس راہب نے پانچویں امامؑ سے سوال کیا تھا: وہ کون سا وقت ہے جو جنت کا وقت ہے۔ جس میں بیماروں کو بھی نیند آ جاتی ہے؟

میرے امامؑ نے یہی وقت بتایا تھا اور اسی لیے مومن کی علامت قرار دی گئی ہے۔ نمازِ شب پڑھنا یہی نمازِ شب کا افضل ترین وقت ہے کہ خدا کی خاطر بندہ اپنی آرام وہ نیند قربان کر دے، اور اپنے ایمان کا ثبوت دے۔

اس وقت سارا لشکر سونے لگا تھا اور اس لیے بھی لوگ غافل تھے کہ دریا بیچ میں موجود ہے۔ پل سارے ٹوٹے ہوئے ہیں، دشمن کا لشکر اُدھر ہے، اِدھر دشمن کی کوئی فوج نہیں، سپاہی سارے آرام کرتے رہے۔

عامر گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو چلانا چاہا، مگر رات کا وقت تھا، تھکا ہوا گھوڑا ہے، اس نے حرکت نہیں کی۔ عامر نے دو تین بار اس کو حرکت دینی چاہی، لیکن وہ آگے نہ بڑھا۔ اب غصہ آ گیا عامر کو۔ عامر نے کہا: تجھ پر بھی اور علیؑ کے سارے شیعوں پر خدا کی لعنت ہو۔ اب یہ جملہ اس زمانے کے لوگوں کے طریقے میں شامل ہو گیا تھا۔

ابراہیم نے سنا، جوشیلے مومن ہیں، بے اختیار تلوار نکالی اور بغیر نتائج کے بارے میں سوچتے ہوئے باہر نکل کر عامر کی گردن کو جدا کیا اور پھر دیکھا کہ یہ تو خدا نے بہترین موقع فراہم کیا ہے۔ سارا لشکر غفلت کی نیند سو رہا ہے، چپکے سے باہر آئے۔

اُدھر وہ راہب بیچارہ بہت پریشان کہ ابراہیم گرفتار نہ کیا جائے۔ جب یہ باہر

نکلے تو وہ پاس ٹہل رہا تھا پریشانی کی حالت میں، ابراہیم کو دیکھا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ابراہیمؒ نے کہا: تم یہیں رہو، مجھے فقط راستہ بتا دو، دریا پار کرنے کا۔ اس نے خفیہ راستہ بتایا اور ابراہیمؒ اپنے لشکر کے اندر آ گئے۔ لشکر کے لوگ تمام رات کے پریشان کہ ہمارا حاکم کہاں گیا۔ ابراہیمؒ کو آتا دیکھا تو خوشی کے نعرے لگائے گئے۔ ابراہیمؒ نے ساری کیفیت بتائی اور اسی وقت ایک خط لکھ کر مصعب کے نام بھیجا اور کہا: دیکھا تو نے کہ خدا نے مجھے کس طرح تمہارے چنگل سے بچا لیا۔ میں خود وہ ابراہیمؒ تمہاری قید میں تھا کہ جس وقت تم مجھے ایک جاسوس ہونے کا شک کر رہے تھے۔

خیر ــــــ!

اگلا دن آیا، دوبارہ مصعب کا لشکر تیار ہو کر نکلا۔ میدان میں جنگ شروع ہوئی اور بڑی خوف ناک جنگ ہوئی۔ چار ہزار ابراہیم کے ساتھی اور بیس ہزار کا دشمن کا لشکر۔ اگرچہ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، مگر ابراہیمؒ کے لشکر کے قدم اُکھڑ گئے۔ ابراہیمؒ اور ان کے سات آٹھ ساتھی اپنے مقام پر جمے رہے کہ سب چلے جائیں مگر ہم اس میدان سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹیں گے، چاہے یہیں پر قربان ہو جائیں اور بار بار پیچھے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں:

یَا لَثَارَاتِ الْحُسَیْن

"اے حسینؑ کے خون کا انتقام لینے والو! آگے بڑھو، پیچھے کہاں جا رہے ہو؟"

لشکر کو بھی غیرت آئی اور پوری طاقت سے یہ لشکر لڑا۔ جنگ پورے عروج پر تھی۔ مصعب نے ایک مرتبہ عبداللہ ابن مطیع سے کہا: آگے جاؤ، مرد بنو، کیا عورتوں کی طرح پیچھے آ کر بیٹھے ہو۔ ابراہیمؒ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا ہے، تم آگے بڑھ کر اس کا

مقابلہ کرو۔

ایک مرتبہ مجبور ہوا عبداللہ ابن مطیع اور اسی جنگ میں پہلی مرتبہ وہ آگے بڑھ کر آیا۔ ابراہیمؓ تو بہت دیر سے اس کے انتظار میں تھے۔ جب اس کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تو ہر طرف کے لشکر کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے ہوئے اور اپنا راستہ بناتے ہوئے سیدھے عبداللہ ابن مطیع کے پاس پہنچے۔ چند لمحوں کی جنگ تھی۔

تاریخ میں ہے کہ یا محمدؐ اور یا علیؑ کا نعرہ بلند کر کے ایک مرتبہ ابراہیمؓ نے تلوار چلائی اور پھر ایسا ہی لگا کہ جیسے خیبر میں مرحب کے دو ٹکڑے ہوئے تھے۔ اسی انداز میں علیؑ کے اس شاگرد کے بیٹے نے عبداللہ ابن مطیع کے دو ٹکڑے کیے۔ یہ منظر دیکھ کر مصعب کا پورا لشکر راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔ مالِ غنیمت ہاتھ میں آیا۔ یہ پلٹ کر واپس آئے اور امیر مختارؓ کو پہلے دشمن کے واصلِ جہنم ہونے کی خبر سنائی۔ یہ پہلا دشمن تھا جو راستے سے دُور ہوا اور امیر مختارؓ کی حکومت کو فوری خطرہ ٹل گیا۔

یہ بہت اہم کامیابی تھی ابراہیم کی، ورنہ جب تک عبداللہ ابن مطیع زندہ رہتا امیر مختارؓ کے لیے ہر وقت خطرہ تھا۔

کامیابی کے بعد روایت میں ہے کہ شکرانے کے ستر روزے مختارؓ نے رکھے اور جتنا مالِ غنیمت ملا اس کا پانچواں حصہ خمس کے طور پر امامؑ کا حصہ امام سجاد علیہ السلام کو بھجوایا گیا۔

اب اِدھر مصعب فرار ہو کر بصرہ واپس پہنچا۔ بڑا پریشان، اپنی توہین پر جلتا اور بھنتا ہوا۔ امیر مختارؓ چاہتے ہیں کہ قاتلانِ حسینؑ سے انتقام کا سلسلہ شروع کریں مگر یہ باہر کے دشمن چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ ایک معرکہ اور ہوا اور اس معرکے کے بعد دشمنوں کی کمر ایسی ٹوٹی کہ پھر مختارؓ کو قاتلانِ امام حسینؑ سے انتقام لینے کا موقع ملا۔

ایک جنگ اور ہوئی، اس کے بعد جنگیں تو متواتر ہوتی رہیں مگر ایک جنگ یہ

اور ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ اس کے بعد پھر اتنا موقع ملا کہ قاتلانِ حسینؑ سے انتقام بھی لیا جاتا رہا اور ساتھ ساتھ دوسری جنگیں بھی لڑی جاتی رہیں۔

اب مصعب فرار ہو کر بصرہ پہنچا، بڑا پریشان۔ فوراً اپنے بھائی کو خط لکھا کہ مختارؓ کا خطرہ بہت بڑھ گیا ہے۔ آپ لشکر بھیجیں تاکہ میں آپ کے لشکر کی مدد سے مختارؓ کا خاتمہ کروں۔

عبداللہ ابن زبیر اُدھر الگ پریشان تھے کیونکہ طائف اور یمن کے لوگوں نے ان کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ طائف اور یمن، یہ دو علاقے وہ ہیں جہاں ہمیشہ سے محبانِ اہلِ بیتؑ کی کثرت رہی ہے۔ یمن وہ علاقہ ہے جہاں چھ مہینے تک امیرالمومنینؑ گورنر رہے تھے تو محبت اہلِ بیتؑ کی بنیادیں وہاں بہت گہری تھیں۔ طائف وہ ہے کہ جہاں علیؑ کے شاگرد عبداللہ ابن عباسؓ نے اپنی زندگی گزاری اور وہی پر عبداللہ ابن عباسؓ کی قبر ہے وہاں بھی محبت اہلِ بیتؑ کا سلسلہ بہت پرانا تھا۔

تو عبداللہ ابن زبیر لکھتے ہیں کہ مجھے طائف اور یمن کی بغاوتوں نے پریشان کر دیا ہے۔ یہاں حجاز میں میری حکومت قائم نہیں ہو رہی۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا، اگر تم اپنی طاقت پر لڑ سکتے ہو تو لڑو ورنہ فی الحال خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ اور مختارؓ جو کر رہا ہے اس کو کرنے دو۔

مصعب نے سنا، ایک مرتبہ گھبرایا، پریشان ہوا لیکن مختارؓ سے بدلہ لینا ہے۔ اب مختارؓ کی دشمنی میں اپنے بدترین دشمن ولید کو دمشق میں خط لکھا اور کہا: امیر مختارؓ نے عبداللہ ابن مطیع کو قتل کرا دیا ہے۔ آپ ابن زیاد کو یہ خبر پہنچائیے کہ وہ میری مدد کریں۔ اپنا لشکر بھیجیں اور اگر آپ کے لشکر کی مدد سے میں کامیاب ہو گیا تو کوفہ اور بصرہ دونوں جگہ آپ کے نام کا سکہ جاری کراؤں گا اور آپ کے نام کا خطبہ پڑھواؤں گا۔

اسلام میں اب تک تو کوئی سکہ جاری نہیں ہوا تھا لیکن ایک مرتبہ یہ جملہ لکھ کر بھیجا۔ اب یہ آپ کے ذہن میں رہے۔

عبداللہ ابن زبیر کی ساری جنگ جو وہ خاندان بنومروان سے ہے، لیکن آج مختارؓ کی دشمنی میں اسی خاندان سے مدد لیتے ہیں کہ وہ بدترین دشمن سہی، مگر مختارؓ کا خاتمہ یقینی ہے اور مختارؓ کا قصور کیا ہے؟ فقط قاتلانِ امامؑ سے بدلہ لینا۔ خود یہ بتا رہا ہے کہ قتلِ حسینؑ کی سازش کے سلسلے بہت دُور تک گئے ہوئے تھے اور بہت سی ایسی ہستیاں بھی اس میں تھیں جو کہ ظاہری اعتبار سے بڑی مقدس نظر آتی ہیں۔

خیر ــــ!

اب مصعب نے خط لکھا۔ ولید ابن عبدالملک اس وقت حاکم ہے دمشق کا، اس نے ابن زیاد کو بلا کر یہ خط دیا اور کہا: دیکھو! عبداللہ ابن مطیع مارا گیا ہے۔

مصعب نے بڑھانے چڑھانے کے لیے کچھ باتیں اور لکھ دی تھیں کہ عبداللہ ابن مطیع کو مار کر اس کا لاشہ جلایا گیا۔ اس کے سر کو شہر کوفہ میں پھرایا گیا۔ ابن زیاد تک یہ پیغام پہنچا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنی کسی مجلس میں بتایا تھا کہ ابن زیاد سلیمان کے لشکر سے بچ کر اُونٹ کے نیچے اس کو باندھا گیا اور وہ دمشق پہنچا تھا اور وہاں پہنچنے کے بعد پہلا کام تو اس نے یہ کیا کہ مروان کو حاکم بنوایا۔ حاکم بنتے ہی مروان کو زیادہ خطرہ زفر سے تھا۔ زفر وہ آدمی تھا جنھوں نے سلیمان کی مدد کی تھی۔ تو مروان نے ابن زیاد کو اس سے لڑنے کے لیے بھیج دیا اور دو سال تک یہ جنگ جاری رہی۔ اب ابن زیاد پلٹ کر دمشق میں آیا۔ ایک مرتبہ تڑپ گیا، اس لیے کہ عبداللہ ابن مطیع سے اس کی بھی بہت پرانی دوستی تھی۔ یہ جو اس نے سنا تو کہا: اے حاکم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں لشکر لے کر جاتا ہوں اور لشکر لے کر پہلے کوفہ جاؤں گا۔ مختارؓ اور ابراہیمؒ کو قتل کر کے

ان کا سر لاؤں گا۔ پھر مکہ جاؤں گا محمد ابن حنفیہؓ کو قتل کر کے ان کا سر لاؤں گا۔ پھر مدینے جاؤں گا اور حسینؑ کے بیٹے کا سر لا کر اسی طرح گھماؤں گا جس طرح میں نے حسینؑ کا سر گھمایا تھا۔

ایک مرتبہ جوش میں یہ کہہ رہا ہے۔

ولید کہتا ہے: ابن زیاد! اس وقت دو دشمن ہمارے ہیں۔ بیک وقت دونوں سے مقابلہ مناسب نہیں۔ ایسا کریں کہ مصعب کے ساتھ کسی اور کو مدد دے کر بھیجتے ہیں۔ اگر مختارؓ نے اس کو مارا تو ہمارا ایک دشمن کم ہوگا مصعب۔ اگر مصعب نے مختارؓ کو مارا تو بھی ہمارا ایک دشمن کم ہوگا۔ ہمارا ان دونوں سے مقابلہ کرنا مناسب نہیں۔

ابن زیاد کی سمجھ میں یہ رائے آ گئی۔ اب ولید اپنی فوج بھی نہیں بھیجنا چاہتا تھا۔ وہ براہ راست اس مسئلہ میں ملوث نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اگلا دن جمعہ کا دن تھا۔ مسجد میں نماز کے بعد اعلان کیا۔ جس طرح سے ایک باغی مختارؓ نے کوفہ کی سرحد پر قبضہ کیا ہے، کون ہے جو جا کر اس کا مقابلہ کرے؟ میں اس کو بھاری انعامات دوں گا اور اسے بصرہ کی گورنری دوں گا اور روزِ قیامت اسے یزید، یزید کے باپ اور میرے باپ مروان کی شفاعت نصیب ہوگی۔

یہ جملہ کہا: تاریخ کا فقرہ ہے، اعلان کیا۔

ذرا دیکھیں ـــــ!

شام کے لوگوں کے عقائد کو کیسے بدلہ گیا ہے؟ تاریخ ساری باتیں نہیں بتاتی۔ فقط ایک جملہ یہ بتا دیتا کہ یہ جملہ کہنا یہ بتا رہا ہے کہ شام کے لوگوں کے ذہنوں میں ان شخصیات کو کیسا بنا کر پیش کیا گیا تھا۔

بس ـــــ!

یہ اعلان سنتے ہی ولید کا چچازاد بھائی عامر ابن ربیعہ وہ کھڑا ہو گیا۔ ستر ہزار کا

اس کا لشکر تھا۔ اس کا اپنا قبیلہ اور اس کی اپنی ذاتی فوج ستر ہزار کی تھی۔

کہا: اے ولید! میں جانے کو تیار ہوں، میں جاؤں گا اور مقابلہ کروں گا۔

یہ کہہ کر اپنے لشکر کو لے کر چلا۔ مصعب کے پاس بھی نہیں گیا۔ براہِ راست چلا اور کوفہ سے دس فرسخ کے فاصلے پر تقریباً تینتیس، چونتیس میل کے فاصلے پر جا کر رُک گیا اور رُکنے کے بعد کہا: پہلے مختارؓ کی حالت معلوم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے اپنا جاسوسی کا نظام قائم کیا۔ اِدھر مختارؓ کی عادت تھی کہ روزانہ نمازِ صبح کے بعد مستحبات کو ادا کر کے اپنے ساتھیوں کو لے کر کوفہ کا ایک چکر لگایا کرتے تھے۔ کیا ہو رہا ہے، کیا حالات ہیں۔

آج جو صبح کے وقت مختارؓ اور کوفہ کے ایک دروازے کا دورہ کر رہے تھے کہ سامنے سے ایک اُونٹ سوار آتا ہوا نظر آیا۔ اجنبی شکل وصورت کا آدمی، صبح سویرے بالکل اکیلا آ رہا ہے۔

مختارؓ نے کہا: جاؤ اور اُسے گرفتار کر کے لاؤ۔ اس اُونٹ سوار کو گرفتار کر کے لایا گیا۔ مختارؓ نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس وقت یہاں کیسے آ رہا ہے؟

کہا: میرا تعلق قبیلہ ازد سے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں تا کہ اپنے ساتھیوں اور دوستوں سے ملاقات کروں جو تیری فوج میں داخل ہیں۔

مختارؓ نے کہا: کیا تو مجھے کم عقل اور بے وقوف سمجھتا ہے؟ کیا میں تیرے بہکاوے میں آ جاؤں گا؟

یہ کہہ کر ننگی تلوار نکالی اور کہا: صحیح صحیح بتا دے تو کون ہے؟ ورنہ یاد رکھ! تیرا لاشہ ابھی یہاں تڑپتا ہوا نظر آئے گا۔

ننگی تلوار کو اُس نے دیکھا تو ایک مرتبہ ہوش و حواس جاتے رہے، کانپتے ہوئے اس نے جواب دیا: اے مختارؓ! درحقیقت عامر ابن ربیعہ، ولید کا چچازاد بھائی

ستر ہزار کا لشکر لے کر آیا ہے۔ میں قبیلہ ازد کا ہوں اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں جاؤں، جا کر تیری فوج میں جتنے اس قبیلے کے لوگ ہیں انھیں جا کر اپنے ساتھ لے کر آؤں تا کہ تیری فوج سے یہ لوگ باہر آ جائیں۔

مختارؓ نے کہا: اس قبیلے کا کوئی آدمی میرے لشکر میں شامل نہیں ہے، تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ تیرے حاکم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس قبیلے کا کوئی آدمی میرے لشکر میں نہیں ہے۔

یہ کہہ کر ایک مرتبہ اپنے نقیبوں کو بلایا، جو لشکر والوں کی تعداد اور ان کا نام یاد رکھتے تھے۔ بلا کر کہا: کیا میرے لشکر میں کوئی قبیلہ ازد کا سپاہی ہے؟

انھوں نے کہا: نہیں، کوئی آدمی نہیں ہے۔

ایک آدمی آگے بڑھا، کہا: میرا تعلق اس قبیلے سے ہے جس کا یہ آدمی نام لے رہا ہے۔

مختارؓ نے پوچھا: کیا تیرا نام میری فوج کے رجسٹرڈ میں لکھا ہے؟

کہا: نہیں۔

مختارؓ نے کہا: کیا میں نے کبھی کسی جنگ میں تجھے بھیجا ہے؟

کہا: نہیں۔

کہا: بس! ٹھیک ہے، یہ ایک ہزار دینار لے اور میرا شہر چھوڑ کر نکل جا۔

یہ کہہ کر اس جاسوس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: تو نے خود دیکھ لیا فقط ایک آدمی تھا جس کا میرے لشکر سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ خود آ کر شامل ہوا تھا، جا کر یہ خبر اپنے حاکم عامر کو بتا دے۔

اب یہ بڑا دلچسپ واقعہ ہے تو یہ جاسوس واپس گیا اور جا کر اپنے حاکم عامر ابن ربیعہ کو بتایا۔

روایت کا ایک ٹکڑا اور ہے، جب یہ چلا رہا تھا تو مختارؓ نے کہا: اتنا اور بتا دے کہ جب تو جائے گا تو لازمی طور پر تیرا حاکم پوچھے گا کہ میرے لشکر کی تعداد کتنی تھی۔

اس نے جواب دیا: ہاں! پوچھے گا اور میں کہہ دوں گا کہ ایک لاکھ کا لشکر تھا۔

مختارؓ نے کہا: خبردار! تجھے پتہ نہیں ہم آلِ محمدؐ کے ماننے والے ہیں، ہم جھوٹ کبھی نہیں بول سکتے چاہے ہماری جانیں بھی جا رہی ہوں۔ ہم جھوٹ نہیں بول سکتے۔ جھوٹ نہ بول۔ میرا لشکر تیس ہزار کا ہے اور یہی بات تو جا کر اس سے کہہ دینا کہ تیس ہزار کا میرا لشکر ہے۔

اب دیکھئے ــــــ!

بظاہر مختارؓ کتنی بڑی غلطی کر رہے ہیں، وہ ستر ہزار لشکر لے کر آیا۔ اگر اسے ایک لاکھ کی خبر ملے گی تو وہ بھاگ جائے گا کیونکہ تیس ہزار کی خبر ملے گی تو اس کی ہمت بڑھ جائے گی، لیکن آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کی خصوصیت یہی ہوتی ہے کہ جان جائے تو جائے شریعت کو قربان نہیں ہونا چاہیے۔ ایک مرتبہ کہا: یہ صحیح خبر جا کر دینا۔

اس نے وعدہ کیا۔ مختارؓ اس خوشی میں ایک شاہی لباس اسے انعام کے طور پر عطا کیا اور کہا: اب جا کر بتا۔

یہ پلٹ کر عامر کے پاس آیا۔ اپنے حاکم کو پورا واقعہ سنایا۔

حاکم نے کہا: مختارؓ کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ مختارؓ کے لشکر میں اس کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے آدمیوں میں ہر وقت چودہ آدمی قبیلہ ازد کے ہیں۔ یہ دیکھو ان کے خط میرے پاس آئے ہیں جس میں انھوں نے مجھے کہا ہے کہ ہمیں حکم دیا جائے کہ ہم مختارؓ کو دھوکہ دے کر اسے قتل کر دیں گے اور آپ کی فوج میں آ کر شامل ہو جائیں گے۔

اب ایک اور خط دیا، اور کہا: ان چودہ میں سے کسی ایک کے حوالے یہ خط کر دینا۔ اب عامر لکھتے ہیں: مجھے تمہارا خط ملا، بڑی خوشی ہوئی، جیسے ہی موقع ملے ویسے ہی حملہ کر کے مختارؒ کو قتل کر دینا۔ تمہیں بڑے بھاری انعامات دیئے جائیں گے۔

اس شخص نے خط لے تو لیا مگر کہا: اے حاکم! میں جا تو رہا ہوں لیکن اگر راستے میں اور کوفہ کے قریب مختارؒ اور میری ملاقات ہوگئی اور مختارؒ نے فوراً مجھے آتا دیکھا تو ایسا نہ ہو کہ شک ہو جائے، مختارؒ میری تلاشی لے۔ اگر یہ خط پکڑا گیا تو اس کے بعد میں بھی مارا جاؤں گا اور تیرا مقصد بھی ناکام ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ عامر ابن ربیعہ کہتا ہے: میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ ایسا کر کہ یہاں سے تو ایک اُونٹ پر سوار ہو کر جا، جہاں سے کوفہ کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں وہاں سے تو اپنے اُونٹ پر سے اُتر کر جا اور قریب کے کسی آدمی کے پاس اپنا اُونٹ کھڑا کر دے اور اس کے بعد پھٹا پرانا لباس پہن کر آگے بڑھ، یقیناً مختارؒ کے سپاہی تجھے گرفتار کریں گے۔ جب تجھے مختارؒ کے سامنے پیش کیا جائے تو کہہ دینا کہ جب سے آپ نے مجھے شاہی لباس پہنا کر بھیجا تھا جب میں اپنے حاکم کے پاس آیا تو اُس نے مجھ سے کہا: غالباً تو رافضی ہو گیا ہے، ورنہ مختارؒ کبھی تجھے انعام نہیں دیتا۔ تو جاسوسی کے لیے گیا تھا، مختارؒ تجھے قتل کرا دیتا۔ اس نے تجھے انعام کیوں دیا ہے، اس لیے حاکم نے سزا کے طور پر اس لباس کو اُتار دیا ہے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنا کر اور سزا دے کر مجھے نکال دیا ہے۔

اے مختارؒ! اب میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ یقیناً مختارؒ تجھے خوشی سے اپنے لشکر میں شامل کرلیں گے۔ اور جب موقع ملے تو ان چودہ آدمیوں میں سے کسی ایک فرد کو میرا خط پہنچا دینا۔

بڑی خطرناک سازش مختارؒ کے خلاف تیار ہو رہی ہے۔ راضی ہو گیا یہ شخص،

ایک مرتبہ اسی طرح سارے واقعات پیش آئے۔ کوفہ کے قریب اپنے اُونٹ ایک گاؤں میں رکھوا دیا۔ پھٹا پرانا لباس پہن کر نکلا۔ مختار صبح سویرے کوفہ کے دروازوں کو دیکھ رہے تھے۔ ایک مرتبہ اس پر نگاہ پڑی۔ گھبرا گیا۔ وہی سازش بیان کی اور اپنی مظلومیت کا اظہار کیا۔

مختارؓ نے کہا: مت گھبرا، ہر مظلوم کی مدد کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ میرے ساتھیوں میں شامل ہو جا، یہ کہہ کر اس کو مختارؓ نے اپنے ساتھیوں میں شامل کر دیا۔

روایت یہ ہے: یہ دل میں سراسر مختارؓ کی دشمنی لے کر شامل ہوا۔ شامل تو ہو گیا، اور اب موقع کی تلاش میں تھا کہ چودہ آدمیوں میں کوئی بھی نظر آئے تو میں یہ خط اُسے پہنچاؤں، مگر جب یہ چند دن مختارؓ کے لشکر میں رہا تو اس کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے یہ منظر دیکھا کہ مختارؓ کے لشکر کے لوگوں کو سوائے نماز، روزہ کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ اس کے دل پر بے انتہا اثر ہوا اور اس نے سوچا کہ یہ لوگ سچے نظر آتے ہیں۔ میرا اپنا لشکر چھوٹا نظر آتا ہے۔ میں مختارؓ کے خلاف سازش کر رہا ہوں۔

ایک مرتبہ اس کا دل مختارؓ کے لشکر کی کیفیت دیکھ کر پلٹا۔ یہی وجہ ہے کہ میرے چھٹے امامؑ نے ارشاد فرمایا:

> ”لوگوں کو ہماری جانب بلاؤ، مگر زبان سے نہیں بلکہ اپنے کردار کے ذریعہ سے۔ تمہارا کردار ایسا ہو کہ دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں خود بخود ہماری محبت پیدا ہو“۔

تاریخ نے بتایا کہ مختارؓ کے لشکر کا کردار ایسا تھا کہ بدترین دشمن مختارؓ کے ساتھیوں کا کردار دیکھ کر پلٹا۔ ایک مرتبہ مختارؓ کے پاس پہنچا۔ مختارؓ کے چودہ مشیر اور دوسرے لوگ بیٹھے ہیں۔ اتنا اثر ہوا دل میں کہ مختارؓ سے کہا: اے حاکم! میں ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔

مختارؓ نے کہا: کہو، کیا بات ہے؟

کہا: سب کے سامنے نہیں بلکہ تنہائی میں کہوں گا۔

یہ کہہ کر مختارؓ کو لے کر چلا اور لے جانے کے بعد پوری حالت بتائی کہ میری کیا کیفیت تھی۔ میں تو اس لیے یہاں پر آیا تھا۔ میں آپ کو دھوکہ دے رہا تھا، مگر آپ اور آپ کے ساتھیوں کا کردار دیکھ کر اب میرا دل نہیں مانتا ہے۔ میں آپ کو غلط نہیں سمجھ سکتا۔ میں آپ کی وفاداری کرتا ہوں۔ اب اس نے خط کے بارے میں کہا کہ یہ خط مجھے عامر نے دیا ہے، ان چودہ آدمیوں کے لیے۔

مختارؓ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ میرے اتنے قریبی مشیر اور مجھ سے دغابازی کر رہے ہیں، لیکن خط موجود تھا کس طرح جھٹلایا جائے۔

مختارؓ واپس آئے بڑے پریشان ہیں مختارؓ۔ سارے لوگ دربار میں بیٹھے ہیں۔ مختارؓ واپس پلٹے اور اپنے جسم سے ہتھیار اُتار کر نیچے ایک جانب رکھ دیے۔

کہا: میں ہتھیار اُتارتا ہوں، تم لوگ بھی ہتھیار اُتار دو۔

ابراہیم ابن مالک اشترؓ نے سب سے پہلے ہتھیار اُتارے۔ سب نے ہتھیار اُتارے لیکن فقط ان چودہ مشیروں نے ہتھیار نہ اُتارے۔

ایک مرتبہ مختارؓ کے دل میں شک قوی ہو گیا کہ یقینی طور پر یہ دل سے میری اطاعت کرنے والے نہیں۔ اس نے اس جاسوس کو بلوایا۔

روایت یہ ہے کہ بہت ہی بھاری گُرز تھا وہ اُٹھا کر اس کے سر پر رکھا اور کہا: جو میں پوچھتا ہوں وہ سچ بتا ورنہ اسی گُرز سے تمہارے ٹکڑے کر دوں گا۔

اس نے سارا واقعہ سنا دیا۔ مختارؓ نے ایک مرتبہ چودہ مشیروں کو بلایا۔ تاریخ میں ہے تیرہ کو قتل کیا اور چودھویں کو قتل کرنا چاہتے تھے کہ ابراہیم ابن مالک اشترؓ نے مختارؓ کو روکا، چودھویں کو لے کر ایک کونے میں گئے اور کہا: تیرہ ساتھی تمہارے مارے

گئے ہیں، سچ سچ بتا دو کہ تم لوگ کون ہو؟

وہ خوف کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا: واقعی یہ حقیقت ہے ہم لوگوں کا پروگرام یہ تھا کہ ہم مختارؓ کو میدانِ جنگ میں گرفتار کر کے قتل کریں اور مختارؓ کا لشکر ہار جائے۔

ابراہیمؒ مختارؓ کے پاس واپس آئے۔ کہا: اے مختارؓ! میں اب تک شک کی حالت میں تھا کہ آپ اپنے وزیروں کو قتل کر رہے ہو، لیکن اس کی گواہی سے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آنے والا بالکل مخلص ہے، یہ جاسوس بالکل سچا ہے۔ اب یہ چودھواں بھی آپ کے حوالے ہے، آپ جو سلوک چاہیں اس کے ساتھ کریں۔

ایک مرتبہ مختارؓ نے اس کی گردن بھی اُڑا دی۔ اب یہ چودہ آدمی مارے گئے۔ یہ ختم ہوئے، ابھی ایک خطرہ باقی ہے عامر کا، اس کا لشکر تیار ہے۔ یہ جاسوس مختارؓ کے قریب جا کر کہتا ہے: اے حاکم! تنہائی میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں وہ کہ اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی مدد کروں۔

ایک کام کریں، آپ بھیس بدل کر میرے ساتھ چلیں اور میں عامر کے لشکر میں جاؤں گا۔ اس سے جا کر کہوں گا کہ چودہ آدمیوں میں ایک آدمی تیرے پاس آیا ہے اور وہ تجھ سے بہت اہم ترین بات کرنا چاہتا ہے، مگر چھپ کر ملاقات کرنا چاہتا ہے، تاکہ کوئی اس کو پہچان نہ لے، یقیناً یہ سن کر عامر میرے ساتھ آجائے گا اور میں اسے لے کر فلاں مقام پر آؤں گا وہاں آپ اپنی تلوار سے اُسے قتل کر دیجیے گا۔

مختارؓ نے کہا: نہیں، میں بڑا مشہور آدمی ہوں مجھے سب پہچانتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ میں پہچان لیا جاؤں اور اپنا مقصد پورا نہ کر پاؤں اور قتل کر دیا جاؤں۔

مختارؓ چلے گئے، ابراہیمؒ آگے بڑھے۔ کہا: تیری بات میرے دل کو لگی ہے۔ یہ بہت اچھی تجویز تو نے بتائی۔ اس کے ذریعہ ہم بغیر جنگ کے اپنے دشمن کا خاتمہ

کر سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ دونوں راضی ہو گئے۔ روایت یہ ہے کہ یہ دونوں چلے، بغیر کسی کو بتائے ہوئے، رات کی تاریکی میں دونوں باہر نکلے۔ ابراہیم نے بھیس بدلا اور ساتھ ساتھ چل رہے ہیں یہاں تک کہ وہ پہنچ گئے لشکر کے قریب۔ آگے بڑھے۔ ابراہیم نے بھیس بدلا ہے۔ یہ جاسوس پورے اطمینان کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے کیونکہ اس کے پاس حاکم کا وہ اجازت نامہ جسے دکھا کر یہ کسی بھی وقت لشکر میں آ سکتا تھا لیکن جیسے ہی یہ آگے بڑھا کہ ایک مرتبہ روکا، فوج کے دستہ نے۔

کہا: ہمارے پاس یہ حکم نامہ کہ تم جب بھی آؤ تمہیں آنے دیا جائے، مگر آج ایک اجنبی آدمی تمہارے ساتھ ہے۔ ہم تمہیں اس طرح نہیں جانے دیں گے۔ یہ ایک مرتبہ گھبرا کر کہتا ہے: میں حاکم کا خاص الخاص آدمی ہوں، تمہیں سزا دلواؤں گا اگر تم نے مجھے راستہ نہیں دیا۔

وہ کہتے ہیں: ہم کیا کریں، حاکم کا حکم ہمارے پاس ہے۔ اگر تمہیں چھوڑتے ہیں تو حاکم کی جانب سے ہمیں سزا ملے گی، ہم گرفتار کر کے تمہیں حاکم ہی کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔

روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ دونوں کو گرفتار کر کے حاکم کے پاس پہنچایا گیا۔ حاکم ایک مرتبہ آگے بڑھا۔

کہا: یہ تیرے ساتھ کون ہے؟

کہا: یہ میرا ایک بھائی ہے رشتے کا۔

کہا: راستے میں مل گیا تھا۔ میں اسے اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں۔

عامر کو یقین نہ آیا، اس نے کپڑا اٹھایا، غور سے دیکھا اور پہچان لیا۔

کہا: یہ تو مالکِ اشترؓ کا بیٹا ابراہیمؒ ہے، میں تو خود اس کی تلاش میں تھا۔ یہ کہہ

کر ابراہیم ابن مالک اشترؓ کو بھی گرفتار کیا۔

اور اپنے جلاد کو بلایا، بلا کر کہا: شکار تیرے سامنے ہے۔ اس کی گردن پہ تلوار چلا اور گردن کو جدا کر دے۔

اب جلاد آگے بڑھ رہا ہے، لیکن عین اس وقت قدرت کا ایک معجزہ پیش آیا اور ابراہیم ابن مالک اشترؓ کے قتل کے وقت ایک دوست آ گیا عامر کا۔ اس نے پوچھا: یہ آدمی رات کو کسے قتل کیا جا رہا ہے؟

کہا: یہ ابراہیم ہمارے ہاتھ آ گئے، تو ایک مرتبہ خوشی سے اُچھل پڑا۔

کہا: اچھا! کیا ہی اچھا ہو کہ آپ اسے کل قتل کریں تاکہ پورا لشکر دیکھے اور سب کو عبرت ہو۔

تجویز پسند آ گئی۔ ایک مرتبہ عامر ابراہیمؓ کو اسی گرفتاری کی حالت میں لے گیا اور اپنے خاص دربان کو بلایا اور کہا: یہ خطرناک قیدی ہے۔ اسے پوری حفاظت کے ساتھ رکھ۔

یہ کہہ کر اپنی نگرانی میں چار میخیں زمین میں گڑوائیں اور ان چاروں کو لوہے کی زنجیروں کی مدد سے ابراہیمؓ کے جسم کو باندھ کر وہاں سے ڈالا خیمے میں اور خیمے کے چاروں طرف پہرہ لگا کر چلا گیا۔

روایت یہ ہے کہ وہ عامر تو رخصت ہو گیا، رات کو آرام کرنے کے لیے۔ یہاں سخت ترین پہرہ لگا ہوا ہے۔ اِدھر ایک مرتبہ یہ جاسوس بڑا پریشان ہے اور گھبرا گھبرا کر کہہ رہا ہے ابراہیمؓ! ہم کتنی بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔

ابراہیمؓ نے کہا: پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ زیادہ سے زیادہ کل مارے جائیں گے۔ اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہے کہ کل ہم محمد مصطفیٰؐ، علی مرتضیٰؑ، حسن مجتبیٰ اور حسینؑ سید الشہداء سے ملاقات کریں گے۔

اس کے باوجود بھی اس جاسوس کی پریشانی بڑھتی گئی۔ ایک مرتبہ ابراہیمؒ نے سورۂ دھر کی تلاوت شروع کر دی اور ابراہیمؒ کی تلاوت میں اتنا اثر تھا کہ آہستہ آہستہ اس آواز کو سن کر دربان کو بھی نیند آ گئی اور اس جاسوس کو بھی نیند آ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس ازدی سپاہی نے آنکھ کھولی اور کہا: خدا کا شکر ہے۔

ابراہیمؒ نے کہا: کس بات پر شکر ادا کیا؟

کہا: ابھی میں سویا تو میں نے خواب میں اپنے امام، امام حسینؑ کو دیکھا۔ جو آ کر مجھ سے کہہ رہے ہیں: ابراہیمؒ کو میرا سلام کہہ دینا اور اسے کہنا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہم خود اس کی مدد کے لیے آ گئے ہیں۔ اے شخص! تو بھی پریشان نہ ہو، تھوڑی دیر کے بعد تم لوگوں کو رہائی ملنے والی ہے اور اطمینان کے ساتھ تم اپنے اپنے علاقے میں واپس جاؤ گے۔

ایک مرتبہ اُس نے یہ خواب سنایا۔ ابراہیمؒ بتا رہے ہیں کہ میں تو پہلے سے ہی تمہیں سمجھا رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ دربان آگے بڑھا اور کہا: اے ابراہیمؒ اور ایک شخص! میں تم دونوں کو آزاد کر رہا ہوں۔ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔

یہ کہہ کر ابراہیمؒ کی زنجیر کھولی اور اس جاسوس کی رسیاں کھولیں اور دونوں کو رخصت کیا۔ جب وہ اتنی دُور چلے گئے کہ اس کو یقین ہو گیا کہ اب اگر سپاہی ان کے پیچھے بھی جائیں تو نہیں پکڑ سکتے تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔

ایک مرتبہ اس کے شور کی آواز سن کر سب کی آنکھ کھل گئی۔ عامر بھی دوڑا دوڑا آیا، کہا: کیا بات ہے؟

کہا: آپ ہماری حفاظت میں ان دو آدمیوں کو دے کر گئے تھے، تھوڑی دیر کے لیے ہم سب کی آنکھ لگ گئی۔ اب جو میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ زنجیریں کھلی ہوئی ہیں اور وہ فرار ہو گئے۔

عامر کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی اور فوراً اپنی فوج کو ان کے پیچھے دوڑایا اور کہا: اے دربان! مجھے اس میں تیرا قصور لگتا ہے۔ خیر! وہ ہاتھ میں آجائیں تو پھر تیرے ساتھ میں نمٹوں گا۔ اس کے بعد عامر خود بھی ان کے پیچھے نکلا۔

اب اِدھر وہ دوڑتے ہوئے جا رہے ہیں۔ اچانک پیچھے سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آنے لگی۔ ایک مرتبہ وہ جاسوس گھبرا گیا۔ دیکھئے! ہمارے اُلٹے ہاتھ پہ جنگل ہے۔ تیزی سے جنگل میں گھس جایئے۔ اس میں ہم اپنے آپ کو چھپا لیں گے۔

ابراہیمؓ نے کہا: نہیں جنگل میں چھپنا آسان ہے، مگر وہاں سے پھر آگے بڑھنا بہت مشکل ہے۔ یہ کھلا ہوا راستہ ہے اس میں دوڑ کر تیزی سے اپنے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔

اس نے کہا: نہیں، میرا دل نہیں مان رہا، میں تو اس جنگل میں جاؤں گا۔

ابراہیمؓ نے کہا: پھر جاؤ۔ خدا حافظ!

یہ شخص جنگل میں گیا اور ابراہیمؓ سیدھا جا رہے ہیں۔ تیزی سے گھوڑے دوڑ رہے ہیں۔ مگر وہاں فوج کے سپاہی اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ابراہیمؓ کی نگاہ پڑی کہ اب تو وہ قریب آنے والے ہیں تو ایک مرتبہ گھوڑے کو جنگل میں ڈالا اور خود درخت کے اُوپر جا کر بیٹھ گئے۔ اپنے آپ کو پوشیدہ کر دیا۔ دیکھا کہ وہاں سے وہی دستہ دوڑ کر جا رہا ہے۔ دوپہر کا وقت آ گیا۔ ابراہیمؓ درخت کے اُوپر بیٹھے ہیں۔ وہ جاسوس جنگل کے اندر پوشیدہ ہے اور وہ دربان اُدھر قید ہے۔ یہ تین محبان اہل بیتؑ الگ الگ اپنے اپنے مقام پر قید ہیں۔ مگر قدرت نے بہت جلد ان سب کی رہائی کا انتظام کیا کہ تین چار اہم اہم آدمی ابھی مارے گئے اور ان سب کو رہائی بھی مل گئی۔ تو یہ اہم ترین جنگ تھی ابراہیمؓ کی۔ اس کے فوراً بعد سارے

بڑے بڑے دشمن مارے گئے تھے۔ یعنی عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے ابن مطیع مارا گیا، ولید کی طرف سے عامر ایک شخص تھا وہ مارا گیا۔ اب مختارؓ کو موقع ملا کہ مختارؓ قاتلانِ امامؑ انتقام لیں۔

تو واقعہ بہت طویل ہے۔ باقی گفتگو کو ان شاء اللہ میں کل مکمل کروں گا اور جس کے اندر قاتلانِ امامؑ کا انتقام شروع ہو جائے گا۔

ذکرِ مصائب!

بس عزادارو ___!

بالکل یہی کیفیت زندانِ شام میں اہلِ بیتؑ کی بھی تھی۔ آپ یہاں بیٹھ کے نہیں سمجھ سکتے۔ پنکھے کے نیچے بیٹھ کر، روشنیوں کے درمیان بیٹھ کر، فرش کے اُوپر بیٹھ کر، زندانِ شام کی کیفیت کو کون سمجھ سکتا ہے؟

زندانِ شام کی کیفیت تو وہ بیبیاں سمجھ سکتی ہیں جو سورج کی شعاعوں کی گرمی کو برداشت کرتی تھیں اور سردیوں میں رات کے وقت کی سردی کو برداشت کرتی تھیں۔

زندانِ شام کی کیفیت تو وہ بیبیاں بتا سکتی ہیں جنھیں کھانے کے لیے اتنی کم غذا ملا کرتی تھی کہ سید سجادؑ کی جب آنکھ کھلی نمازِ شب کے لیے تو دیکھا کہ پھوپھی زینبؑ مجھ سے پہلے نماز پڑھ رہی ہیں، مگر آج زینبؑ بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہیں۔

سید سجادؑ امام معصومؑ حیران ہو کر کہتے ہیں: پھوپھی اماں! آج یہ دن آ گیا کہ نماز بیٹھ کر ادا کرنا پڑ رہی ہے؟

کہا: بیٹا! جو غذا آتی ہے یزید کی جانب سے وہ اتنی کم ہوتی ہے اگر سب کھائیں تو کسی کا پیٹ نہ بھرے۔ زینبؑ اپنا حصّہ بھی بچوں کو دے دیا کرتی ہے۔ کم از کم بچوں کا پیٹ تو بھر جائے اور آج غذا کی کمی کی وجہ سے زینبؑ اتنی کمزور ہے کہ

بیٹھ کر نمازِ شب ادا کر رہی ہے۔

مگر ـــــ!

زینبؑ مجبور ہوگئی، زینبؑ کمزور ہوگئی، زینبؑ نے اتنی کمزوری کی حالت میں بھی نمازِ شب کو ترک نہ کیا۔

یہ نمازِ شب اتنی اہم ہے کہ یا تو یہ نمازِ شب ہمیں زندانِ شام میں نظر آئی یا اس وقت نظر آئی جب میرا مولا حسینؑ آخری رخصت کے لیے زینبؑ کے پاس آیا تھا۔ یہی تو کہا تھا: اے بہن زینبؑ! میری دو وصیتیں ہیں: پہلی وصیت یہ تھی: جب نمازِ شب پڑھنا تو اس میں اپنے بھائی کا نام لینا فراموش نہ کرنا۔

امام حسینؑ نے وقتِ آخر نمازِ شب کو یاد کیا اور زینبؑ نے زندانِ شام میں نمازِ شب کو یاد کیا۔

صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ شب داریوں کا زمانہ ہے۔ جب بھی رات کو جاگنے کا موقع ملے تو ایک مرتبہ زندانِ شام میں زینبؑ کی نماز کو یاد کرلیا کریں اور جب اتنا موقع ملے کہ اپنی نیند کو قربان کرنا پڑے تو امام حسینؑ کی آخری وصیت کو یاد کرلیا کریں کہ امام حسینؑ نے اپنی آخری وصیت میں نمازِ شب کا ذکر کیا تھا۔ تو زندانِ شام کے مصائب ہم نہیں سمجھ سکتے یہ زینبؑ جانتی ہے۔

بس ـــــ!

ان تمام بیبیوں نے زندان کی قید پوری کی اور ان کی رہائی کا دن آیا۔ مگر ہاں! ایک بچی ایسی تھی جسے قید خانے میں یہی خیال تھا کہ پتہ نہیں کب مجھے پلٹ کر اپنی دادی کی قبر پر جانے کا موقع ملے گا۔

اکثر ہوتا تھا کہ نمازِ مغرب کا وقت ہے۔ سکینہؑ کی نگاہ آسمان پر پڑی، دیکھا کہ تمام پرندے شام کے وقت اپنے اپنے گھونسلوں کی جانب جا رہے ہیں۔

سید سجادؑ سے کہا: بھیا! یہ پرندے کہاں جا رہے ہیں؟

سید سجادؑ کہتے ہیں: بہن سکینہؑ! یہ سب کے سب اپنے اپنے گھروں کی جانب جا رہے ہیں۔

بس ـــــ!

تڑپ کر ننھی بہن بھائی سے سوال کرتی ہے: بھیا! کیا ہمیں بھی اپنے گھر جانے کا موقع نہیں ملے گا؟

اب سید سجادؑ سب کو تسلی دے سکتے ہیں، مگر سکینہؑ کو تسلی نہیں دے سکتے، اس لیے کہ سب اپنے اپنے گھروں کی طرف پلٹ کر جائیں گے مگر ننھی سکینہؑ اسی قید خانے میں رہ جائے گی۔

رات آ گئی، سکینہؑ سو رہی تھی۔ ایک مرتبہ تڑپ کے سکینہؑ نے آنکھ کھولی۔ کہا: میرا بابا کہاں چلا گیا؟ یہ کہہ کر رونا شروع کیا۔

زینبؑ نے کہا: بیٹی! کیا بات ہے تیرا بابا کربلا میں ہے۔

کہا: نہیں پھوپھی اماں! ابھی تھوڑی دیر پہلے میرا بابا اسی قید خانے میں تھا۔

پھوپھی اماں! میں سو رہی تھی، میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا بابا آیا ہے۔ میرے بابا کے ساتھ کوئی بی بی آئی ہے۔

باباؑ نے کہا: سکینہؑ! انھیں سلام کرو، یہ تیری دادی فاطمہ زہراؑ ہیں۔

پھوپھی اماں! میں نے بابا سے کہا: باباؑ! آپؑ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔

باباؑ نے کہا: سکینہؑ بیٹی! گھبرانا نہیں، ہم تمھیں لینے آئے ہیں۔ بس! آج کی رات تو ہمارے پاس آ جائے گی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

مجلسِ دوازدھم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ○ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۲۷)

قرآن نے ارشاد فرمایا: ''ظالمین عنقریب اپنے انجام کو دیکھ لیں گے''۔

تاریخ اسلام نے بتایا کہ کتنی جلد وہ موقعہ آ گیا کہ ظالمین کو اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

دس محرم ۶۱ ہجری میں فرات کے کنارے امام حسینؑ کو شہید کیا گیا اور بعض روایات کے مطابق ایک سال کی قید کے بعد ۶۲ ہجری میں امام حسینؑ کا یہ لٹا ہوا قافلہ واپس شہر مدینہ پہنچا۔

فقط پانچ سال مختصر مدت گزرتی ہے۔ دس محرم ۶۷ ہجری کا دن جب آتا ہے تو اسی دریا کے کنارے ابن زیاد کے لاشے بے سر کو پاتا ہے۔ فقط پانچ سال کی حکومت، اس میں بھی تین مرتبہ جان بچا کر فرار اختیار کرنا پڑا۔

ابن زیاد کا یہ انجام یہ بتانے کو کافی ہے کہ کس طرح سے قدرت نے قاتلانِ امام حسینؑ سے ایک ایک کر کے انتقام لیا تھا۔

آج کی مجلس اس سلسلے کی آخری مجلس ہے لیکن آغازِ مجلس سے ہی مجھے اندازہ ہے کہ یہ موضوع بہرحال اس حد تک تو مکمل نہیں ہوگا کہ خود مختارؓ کی شہادت کیسے ہوئی؟ قاتلانِ امامؑ کے انجام پر گفتگو ختم ہوگی اور وہ قاتلانِ امامؑ کہ جو مختار کے ہاتھ سے نہیں مارے گئے بلکہ قدرت نے خود ان سے اپنا انتقام لیا۔ ان کا تذکرہ اور امیر مختارؓ کے باقی حالات آئندہ کسی موقع پر آپ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

کل گفتگو اس مقام پر پہنچی تھی کہ امیر مختارؓ کی فہرست میں ابن زیاد کا نام سب سے پہلے تھا اور ساری تیاریاں ہو رہی تھیں کہ ابن زیاد کے قتل کا انتظام کیا جائے۔ موصل کی جانب ابراہیم ابن مالک اشترؒ اپنا دستہ لے کر روانہ ہونے والے ہیں۔ حاکم موصول کا خط آچکا ہے کہ ابن زیاد دمشق سے ایک لاکھ کا لشکر لے کر روانہ ہوا ہے۔

ابراہیمؒ اپنا لشکر لے کر نکلے، اِدھر قاتلانِ حسینؑ نے اپنی حماقت، جلد بازی یا یہ کہ جب موت آتی ہے تو آنکھوں پہ پردے پڑ جاتے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ کوفہ سے کوئی فرار اختیار کرنے کا کوئی منصوبہ بناتے۔ سب نے سوچا کہ مختارؓ تو اکیلے رہ گئے ہیں، فوجیں جا چکی ہیں، اچھا موقع ہے مختارؓ پہ حملہ کر کے مختارؓ کو نقصان پہنچانے کا۔ یہ ارادہ کر کے سازش کی گئی۔ مختارؓ کو اطلاع ملی۔ ابراہیمؒ کو خط لکھا: جہاں ہو، جس حالت میں ہو، جیسے ہو، فوراً واپس آؤ۔ ابراہیمؒ تین دن کا راستہ ایک دن میں طے کر کے خط ملنے کے اگلے دن کوفہ کے دروازے پر کھڑے تھے اور امیر مختارؓ کے ساتھ مل کر اس بغاوت کو ناکام بنایا اور شہر کوفہ کے چاروں طرف اپنی فوج کا پہرا لگا دیا۔ اب قاتلانِ حسینؑ کے لیے کوئی مقام نہیں رہا۔

مختارؓ نے بھی کہا: ابن زیاد سے تو بعد میں نمٹیں گے ابھی ان قاتلانِ حسین سے جنھوں نے اتنا ظلم کیا اور ہم نے ان کو ڈھیل دی اور انھوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا، پہلے ان سے نمٹا جائے۔

چنانچہ راتوں رات حکم جاری ہوا، فہرستیں تیار کی جانے لگیں۔ عبداللہ جو امیر مختارؓ کے ایک سپہ سالار ہیں، انھیں کوفہ کا گورنر بنایا۔ کوفہ کی تمام فوج اور پولیس ان کے ہاتھ میں دی گئی کہ جاؤ اور قاتلانِ حسینؑ کو گرفتار کر کے لاؤ۔

تیس ہزار کا لشکر بتایا گیا ہے کم از کم عمر ابن سعد کا، تو تاریخ میں چالیس پچاس آدمیوں کے تفصیلی حالات ملتے ہیں کہ کس طرح گرفتار ہوئے اور مارے گئے۔

بہرحال ـــــ!

سب عبداللہ، مالک ابن بشیر گرفتار ہوئے، ان کے بعد نافع ابن مالک گرفتار ہوئے۔ ان کے بعد ایک مومنہ نے تین آدمیوں کو پکڑوا دیا جن میں سے دو قتل کر دیئے، تیسرے نے اپنی بے گناہی ثابت کی اور اس کو مختارؓ نے معاف کیا۔ اب ان کے بعد عبد ابن کامل تلاش میں نکلے خولی کی۔ خولی، سنان، شمر، یہ تین شخص ہیں۔ ان تین میں سے کسی ایک نے امامؑ کے قتل کا فعل حرام انجام دیا ہے۔ لیکن تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ تینوں نے برابر سے حصّہ لیا۔ شمر وہ تھا کہ جو سینے پر چڑھ کر امام حسینؑ کے سر کو بدن سے جدا کرتا ہے۔ سنان وہ تھا کہ جب حسینؑ گھوڑے سے گرے تو وہ تلوار لے کر آگے بڑھا تھا اور امامؑ کے ہاتھوں کو اُس نے اپنی تلوار سے نقصان پہنچایا تھا اور خولی وہ تھا جس نے تیراندازی میں حصّہ لیا اور امامؑ پر تیر برسائے تھے۔ اگرچہ یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ ان تین میں اصلی قاتل کون ہے؟

بہرحال ـــــ!

اب خولی کی تلاش شروع ہوئی۔ مختارؓ نے کہا: سب سے پہلے خولی کو تلاش کیا جائے۔

عبداللہ ابن کامل فوج لے کر نکلے۔ چاروں طرف تلاش کیا جا رہا ہے۔ خولی

کا کوئی پتہ نہیں چل رہا ہے۔ یہاں تک عبداللہ ابن کامل نے کہا: اب اس کے گھر کی تلاشی لی جائے گی۔ گھر پر چھاپہ مارا گیا تو خولی کا کہیں پتہ نہ چلا۔

خولی کی دو بیویاں تھیں: ایک شام کی اور ایک کوفہ کی۔ شامیہ جو تھیں وہ انتہائی سخت دشمن اہلِ بیتؑ تھی۔ کوفیہ جو تھی وہ انتہائی محبہ اہلِ بیتؑ تھی۔ جب چھاپہ مارا گیا اور گھر میں سوائے ان دو عورتوں کے اور کوئی نظر نہ آیا۔ تو آخر میں عبداللہ ابن کامل نے پہلی بیوی سے ایک سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ خولی کہاں ہے؟

اُس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ ایک مہینہ ہو چکا ہے وہ کوفہ سے باہر گیا ہوا ہے۔

اب عبداللہ ابن کامل نے اس کوفیہ کی طرف رجوع کیا۔ زبان سے اس نے بھی یہی کہا کہ خولی کافی عرصہ سے شہر سے باہر ہے مگر

فَاَشَارَتْ بِيَدِهَا

"پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا"۔

اور یہاں دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ کہ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا کہ تہ خانے میں خولی چھپا ہوا ہے۔

عبداللہ ابن کامل نے تہ خانے کا پتہ نکالا اور اس کے اندر جا کر خولی کو گرفتار کیا۔ اور ایک روایت یہ کہ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ خولی بیت الخلا میں چھپا ہوا ہے۔ چنانچہ عبداللہ کامل بیت الخلا میں داخل ہوئے تو دیکھا خولی بیت الخلا میں چھپ کر بیٹھا ہوا ہے۔ عبداللہ کامل نے تلاشی لی اور خولی پکڑا گیا۔

ایک مرتبہ وہ زنِ مومنہ، جو کوفہ والی عورت وہ کہتی ہے: اے عبداللہ کامل! کس کو لے جا رہا ہے تو اس عورت کو بھی نہ چھوڑ یہ دشمنی اہلِ بیتؑ میں خولی سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے۔

عبداللہ کی سمجھ میں نہ آیا۔ اُس نے اس کو بھی لیا۔ دوسری بیوی کو بھی لیا اور تینوں کو لے کر مختارؒ کے دربار میں پہنچے۔ ایک مرتبہ خولی کو تو قید میں بھیجا گیا۔ پہلے عورتوں کا معاملہ، دونوں عورتوں کو کھڑا کیا گیا دربار میں۔

مختارؒ اس زنِ کوفیہ سے کہتے ہیں: تو نے خولی کی اس بیوی کو کیوں گرفتار کرایا ہے؟

کہا: اے حاکمِ کوفہ! دشمنیِ اہلِ بیتؑ میں یہ اپنے شوہر سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے، مجھے کیا پتہ کہ جب میرا شوہر خولی حسینؑ کے کٹے ہوئے سر کو میرے گھر میں لے کر آیا تھا تو اس دن میں پڑوس میں ایک کام سے گئی تھی۔ جب میں واپس آئی تو ایک مرتبہ یہ عورت ناچتی ہوئی میرے پاس آئی اور آ کر کہا: آج میں تیرے پاس ایک بہت بڑی خوشخبری لے کر آئی ہوں۔

میں نے پوچھا: کیسی خوشخبری؟

کہا: ایسی خوشخبری کہ جس سے امیر (یزید) کا دل بڑھے گا اور ایک نجس فقرہ ادا کر کے کہا کہ ابوتراب کے ماننے والوں کا دل جلے گا۔

میں نے گھبرا کر پوچھا: بتا تو سہی، ایسی کیا بات ہے؟

کہا: ابوترابؑ کا بیٹا حسینؑ کربلا میں مارا گیا ہے، اس کا سر کاٹا گیا ہے اور اس کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے بازاروں میں گھمایا جا رہا ہے اور وہ شہر کوفہ میں ہیں اور وہ کٹا ہو سر حسینؑ کا ہمارے پاس آیا ہے۔

میں نے گھبرا کے پوچھا: وہ کہاں ہے؟

کہا: میں اُسے جلتے ہوئے تنور میں رکھ کر آئی ہوں۔

زنِ کوفیہ کہتی ہے کہ اس کے بعد میں بے اختیار دوڑتی ہوئی آگے بڑھی اور اس جلتے ہوئے تنور سے اپنے آقا اور مولاؑ کا سر نکالا۔ جس وقت مولاؑ کے سر کو دیکھا،

میں رونے لگی اور ماتم کرنے لگی تو یہ عورت بار بار علیؑ اور حسینؑ کا نام لے لے کر بُرا بھلا کہنے لگی۔

بس! اس وقت غصہ کی حالت میں، میں نے بے اختیار کہا: کاش خدا کسی ایسے محبِ اہلِ بیتؑ کو پیدا کرے، جو تیری زبان کو کاٹے۔

مختارؓ نے سنا تو مختارؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس زنِ شامیہ سے کہا: یہ بتا کہ تیرا یزید کے بارے میں کیا خیال ہے؟

اس نے کہا: میں یزید کو خلیفہ برحق سمجھتی ہوں۔

بس ـــــ!

ایک مرتبہ یہ سننا تھا کہ مختارؓ نے کہا: اے زنِ کوفیہ! میں تیری دعا کو قبول کروں گا۔

یہ کہہ کر حکم دیا کہ پہلے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے اور اس کے بعد اس کے جسم کے جوڑ جوڑ کو جدا کیا اور اس دشمنہ اہلِ بیتؑ کو جہنم واصل کیا اور اس کے بعد پانچ سو دینار اس زنِ کوفیہ کو عطا کیے۔ دوسرے دربار والوں نے بھی اس کی مدد کی۔ اور یہ مومنہ مختارؓ کو دعائیں دیتی ہوئی اپنے گھر واپس آ گئی۔ اس کے بعد خولی کو قید خانے سے نکالا گیا۔

مختارؓ نے کہا: اے خولی! تو بتا کہ کیا تو مسلمان ہے یا کافر؟

خولی بڑے فخر سے کہتا ہے: میں مسلمان ہوں۔

کہا: تو کیسا مسلمان ہے کہ رسولؐ کے نواسے کو کربلا میں قتل کرتا ہے اور ان کے گھر والوں کو دربدر کر کے بے مقنع و چادر کے گھماتا ہے۔ یہ کیسا تیرا اسلام ہے؟

خولی نے کہا: میں تو مجبور تھا حکمِ حاکم سے۔

مختارؓ نے کہا: تیرا یہ بہانہ تیرے کام نہیں آئے گا۔ تجھے عبرت ناک سزا دی

جائے گی، لیکن اتنا بتا کہ کربلا میں تو نے کیا کیا کام کیے تھے؟

خولی نے بڑے فخر کے ساتھ اپنے کاموں کی فہرست گنوائی اور پھر آخر میں کہا: اے مختارؓ! میں ہی وہ شخص تھا کہ جب خیمے جل رہے تھے اور سیدانیاں خیموں کے باہر نکل رہی تھیں تو میں آگے بڑھا اور سکینہؑ کی چادر کو کھینچ کر میں نے اُتارا اور سکینہؑ کے کانوں سے گوشوارے کھینچ کر میں نے اُتارے تھے۔ وہ گوشوارے اُتر نہیں رہے تھے کہ میں نے زور سے کھینچے اور سکینہؑ کے کان کٹ گئے اور وہ گوشوار میرے ہاتھ میں آ گئے۔

اس کے بعد میں آگے بڑھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک خیمے میں سید سجادؑ غشی کی حالت میں پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں ایک مرتبہ سید سجادؑ کو بستر سے اُٹھا کر زمین پر لٹایا، اپنا کوڑا سید سجادؑ کی پشت پر مارا اور اس کے بعد چمڑے کا وہ بستر میں اُٹھا کر آگے بڑھا، جب تھوڑی دُور گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک خیمے کے باہر شہزادی زینبؑ کھڑی ہیں۔ میں آگے بڑھا اور میں ہی وہ شخص تھا جس نے زینبؑ کی چادر کو کھینچ کر اُتارا تھا اور اس کے بعد جب چادر اُتری تو میری نگاہ زینبؑ کے کان کے گوشواروں پر پڑی۔

میں نے کہا: زینبؑ! یہ گوشوارے میرے حوالے کر دے۔ زینبؑ نے انکار کیا۔ میں نے زبردستی زینبؑ کے کانوں سے ان گوشواروں کو بھی اُتارا۔

مختارؓ کہتا ہے: زینبؑ نے کچھ کہا تھا؟

کہا: زینبؑ نے فقط یہ کہا تھا کہ خدا کسی ایسے مردِ مومن کو پیدا کرے، جو تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر جہنم کی آگ سے پہلے تجھے دنیا کی آگ کا مزہ چکھا دے۔

بس! اتنا سننا تھا، مختارؓ کی آنکھوں میں آنسو تو بہہ ہی رہے تھے، کہا: میں ایک صدیقہ صغریٰؑ کی بات کو سچا ثابت کروں گا۔ میں وہ مومن بنوں گا جس کے لیے

زینبؑ نے دعا کی ہے۔ اور یہ کہہ کر حکم دیا کہ خولی کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں، پھر دونوں پاؤں کاٹے جائیں، ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کے بعد خولی کو جلتی ہوئی آگ میں زندہ ڈالا گیا اور وہ ملعون، وہ دشمن اہلِ بیتؑ وہاں تڑپ تڑپ کے ہلاک ہوا۔ خولی مارا گیا۔ خولی کے مارے جانے کے بعد دشمنانِ اہلِ بیتؑ کو مسلسل گرفتار کر کے لایا گیا۔ یہاں تک کہ وہ دس آدمی لائے گئے۔ جنھوں نے لاشۂ امام مظلومِ کربلاؑ پر گھوڑے دوڑائے تھے۔

حکمِ مختارؓ سے انھیں زمین پر لٹایا گیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں میں کیلیں لگائی گئیں اور اس کے بعد مختارؓ نے کہا: اُنھوں نے نواسۂ رسولؐ کے لاشہ پر گھوڑے دوڑائے ہیں۔ اب ان کے جسموں پر گھوڑے دوڑائے جائیں اور اس کے بعد ان دس آدمیوں کے جسموں پر جو اس وقت زندہ تھے، گھوڑے دوڑائے گئے اور وہ دس دشمنانِ اہلِ بیتؑ وہاں جہنم واصل ہوئے۔ ایک ایک کر کے دشمنانِ اہلِ بیتؑ گرفتار ہو رہے ہیں یہاں تک کہ مختارؓ نے اُنھیں بھی نہیں چھوڑا کہ جنھوں نے کربلا میں امام حسینؑ کے ایک اُونٹ کو گرفتار کیا تھا فوجِ یزید نے۔

اس کے بعد اس کو نحر کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کر کے کھایا تھا، جن جن آدمیوں نے ناقۂ حسینؑ کے گوشت کو کھایا تھا۔ مختارؓ نے ان سب کو قتل کیا اور ان کے مکانات کو گرایا تو تیزی کے ساتھ قاتلانِ امامؑ کا قتلِ عام ہو رہا ہے۔

ایک مرتبہ کافی طویل عرصہ گزرا اور کوئی آدمی قاتلانِ امامؑ میں سے ہاتھ نہ آیا۔ مختارؓ دربار میں آئے بڑے غصے کی حالت میں اپنے سپاہیوں کو دیکھ کر کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ کئی دن ہو گئے ہیں اور کوئی قاتلِ امامؑ پکڑا ہی نہیں گیا۔

ایک مرتبہ عبداللہ ابن کامل نے آگے بڑھ کر کہا: اے حاکم! ہم کیسے گرفتار کریں قاتلان کو، جب کہ کوفہ کے بڑے بڑے بااثر لوگ انھیں اپنی پناہ میں لیے

ہوئے ہیں۔

مختارؒ نے کہا: وہ کون ہیں؟

کہا: حکیم ابن طفیل (جناب عباسؑ کا قاتل) اور حاتم طائی کا بیٹا، عدی ابن طائی، اسے اپنی پناہ میں رکھے ہوئے ہے۔

مختارؒ نے کہا: جاؤ اور اُسے گرفتار کر کے لاؤ۔

ایک مرتبہ فوج گئی۔ عدی ابن حاتم کے گھر پر چھاپہ مارا۔ وہ خود گھر سے باہر تھے۔ حکیم ابن طفیل کو اس نے اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا۔ فوج نے حکیم ابن طفیل کو گرفتار کیا۔

عورتوں نے کنیزوں نے شور مچایا مگر عبداللہ ابن کامل اور اُن کے سپاہی حکیم ابن طفیل کو گرفتار کر کے لائے۔ اِدھر حکیم ابن طفیل گرفتار کر کے لائے گئے اُدھر عدی حاتم طائی کو اطلاع ملی۔ وہ فوراً سیدھا مختارؒ کے دربار میں آیا۔

کہا: اے مختارؒ! میں تیرے پاس حکیم ابن طفیل کی سفارش لے کر آیا ہوں، اسے چھوڑ دے۔

مختارؒ کہتے ہیں: تم صحابی رسولؐ ہو، رسولؐ کا زمانہ دیکھتے ہوئے بھی نواسۂ رسولؐ کے دشمن کو تو نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے۔

کہا: ہاں! میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں اور تمھیں میرا وعدہ ماننا پڑے گا۔

ایک مرتبہ مختارؒ سوچ میں پڑ گئے۔ عدی ابن حاتم نے کہا: کیا سوچ رہے ہو؟

کہا: نہ حکیم ابن طفیل کو رہا کرنے کو دل چاہتا ہے نہ آپ کی بات کو ٹھکرانے کو دل چاہتا ہے۔

ایک مرتبہ عدی کہتے ہیں کہ میری بات تو تمھیں ماننا پڑے گی۔

مختارؒ نے کہا: ایک شرط پر میں اُسے چھوڑنے کے لیے تیار ہوں اور وہ یہ کہ یہ

فوراً کوفہ سے نکل جائے۔

عدی نے کہا: یہ میرا وعدہ ہے۔

اِدھر یہ بات چیت ہو رہی تھی اُدھر عبداللہ کامل حکیم ابن طفیل کا کٹا ہوا سر لے کر دربار میں حاضر ہوئے۔

درحقیقت بات یہ ہوئی کہ جب یہ گھر میں ہنگامہ ہوا عورتوں کا اور غلام دوڑا دوڑا گیا اطلاع دینے عدی کو تو عبداللہ ابن کامل کے سپاہیوں نے آپس میں کہا کہ عدی کا بڑا اثر ورسوخ ہے ایسا نہ ہو کہ مختارؓ اُس کی بات مان لے اور جناب عباسؑ کا قاتل جو ہے وہ زندہ بچ جائے۔ ایسا کرو کہ دربار میں پہنچنے س پہلے ہی اُسے قتل کرڈالو تاکہ پھر مختار بھی کچھ نہ کرسکیں۔

انھوں نے عبداللہ کامل سے مشورہ کیا، عبداللہ نے کہا: میں مختارؓ کا ملازم ہوں کچھ بول تو سکتا نہیں، البتہ تم جو کچھ کرو گے میں خاموش رہوں گا۔

اتنا جملہ کافی ہے اس بات کے لیے کہ عبداللہ کامل ہماری حمایت میں ہیں۔ ایک مرتبہ آگے بڑھے، حکیم ابن طفیل پر چاروں طرف سے لوگوں نے حملہ کیا۔ اس کے کپڑے اُتارے گئے۔ اس کے بعد اُسے زندہ آگ میں جلایا گیا اور اس کے سر کو کاٹا گیا۔ یہ کٹا ہوا سر لے کر عبداللہ کامل اس وقت دربار میں داخل ہوئے کہ جب مختارؓ حکیم ابن طفیل کو آزاد کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔

مختارؓ نے کٹا ہوا سر دیکھا، دل ہی دل میں خوش ہوئے۔ کہا: یہ کٹا ہوا سر کیسا؟ میں نے تو کہا تھا کہ اُسے گرفتار کر کے لانا۔

عدی کی بھی چیخ نکل گئی۔ کہا: مختارؓ! یہ تو بڑا دھوکہ ہوا۔

عبداللہ کامل نے کہا: میرا کوئی قصور نہیں۔ میں لا رہا تھا کہ راستے میں کچھ آدمیوں نے حملہ کر کے ان کو قتل کرڈالا۔

عدی کہنے لگے: سارا تیرا چلایا ہوا چکر ہے۔

مختارؓ نے کہا: اے عدی! میں نے آپ کی بات مان لی تھی۔ میں نے اس کو پناہ دینے کا وعدہ کرلیا تھا۔ اب مزید گفتگو نہ کریں۔ اس لیے کہ اب میں بھی مجبور ہوں، یہ بھی مجبور ہے۔

روایت میں ہے کہ عدی ایک مرتبہ بُرا بھلا کہتے ہوئے باہر نکلے۔ عبداللہ کامل نے کہا: آپ کے سامنے یہ آپ کو گالیاں دے کر گیا ہے۔ آپ خاموش ہیں؟

کہا: کیا تمہیں پتہ نہیں یہ جو آدمی میرے سامنے کھڑے ہیں یہ وہ آٹھ آدمی تھے جنھوں نے کل کی بغاوت میں حصّہ لیا تھا جو محمد ابن اشعث کی قیادت میں ہوئی تھی۔

کہا: تمہیں پتہ ہے کہ جو بھی آدمی گرفتار کر کے لایا جا رہا ہے، جس نے مجھ پر حملہ کیا یا مجھے نقصان پہنچایا، میں اُسے آزاد کر رہا ہوں۔ میں تو فقط قاتلانِ امام حسینؑ کو گرفتار کر رہا ہوں اور فقط انھی کو سزا دے رہا ہوں۔ اپنے دشمنوں سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ یہ صحابیِ رسولؐ ہے۔ اس نے قتلِ حسینؑ میں حصّہ نہیں لیا۔ اس لیے اس کو بکنے دو اور اُس کو جانے دو۔

اس طرح حکیم ابن طفیل کا خاتمہ ہوا۔ حکیم ابن طفیل کے خاتمے نے لوگوں کو بہت زیادہ پریشان کر دیا۔ خاص طور پر قاتلانِ امامؑ کو بہت زیادہ پریشان کر دیا۔ سنان تک یہ اطلاع پہنچی وہ گھبرایا اور شہر چھوڑ کر وہ بھاگا۔ چلتے چلتے وہ ایک دیہات میں پہنچا۔ اس دیہات کے لوگوں نے پوچھا: تم کون ہو؟

کہا: میں سنان ہوں اور مختارؓ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے، اس لیے میں جان بچا کر بھاگ رہا ہوں۔

اس شہر کے لوگوں نے کہا: اگر مختارؓ تیرے پیچھے ہے تو تم خدا کے واسطے ہمارا

شمر چھوڑ دو، ایسا نہ ہو کہ تیرے پیچھے مختارؒ کی فوج آجائے اور بلاوجہ ہم بھی تیری وجہ سے مارے جائیں۔

مایوسانہ جواب سن کر سنان یہاں بھاگا۔ تھوڑی دُور گیا ہوگا۔ گاؤں والوں نے کہا: یہ تو بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے ہم سے، وہ یہ کہ ایک آدمی پناہ لینے آیا تھا اور ہم نے اُسے باہر نکال دیا۔ ہمیں چلنا چاہیے اور اُسے واپس لانا چاہیے۔ یہ خیال کر کے گاؤں کا ایک پورا وفد اُس کے پیچھے بھاگا۔ اس نے جب ان کو پیچھے سے آتے دیکھا تو وہ یہ سمجھا کہ شاید یہ مختارؒ کی فوج آگئی ہے۔ چنانچہ اُس نے تیراندازی شروع کردی۔

اب جو ان پر تیر برسائے گئے تو اُنھیں غصہ آگیا کہ ہم تو مہمان بنانے کے لیے اس کے پیچھے جارہے ہیں اور یہ ہمارے آدمی مارتا جارہا ہے۔ اُنھوں نے بھی اِدھر سے تیر برسائے جو سنان کی ران میں لگے۔ اب وہ زخمی ہوکر گرا۔ اُنھوں نے اس کو پکڑا اور کہا: تو نے ہمارے احسان کا یہ بدلہ دیا؟ اب ہم تمھیں اپنے ہاتھ سے گرفتار کرکے مختارؒ کے پاس پہنچائیں گے۔

بہرحال ـــــ!

مختارؒ کے دربار میں پہنچایا گیا۔

مختارؒ نے کہا: میں تو بہت عرصہ سے تیری تلاش میں تھا۔ یہ کہہ کر ایک مرتبہ مختارؒ نے سنان کو بلوایا۔ اپنے سامنے کھڑا کیا۔ کہا: بتا تو سہی تو نے کربلا میں کیا کیا؟

سنان نے کہا: میں نے کربلا میں بہت کچھ کیا ہے۔ یہ کہہ کے سارے واقعات بیان کیے کہ کیا کیا ہے۔ اور آخر میں کہنے لگا کہ جب حسینؑ گھوڑے سے زمینِ کربلا پر گرے تھے، خاکِ کربلا پر حسینؑ تڑپ رہے تھے۔ حسینؑ کے جسم میں تیر لگے تھے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ حسینؑ کی کمر میں ایک کمربند بندھا ہوا ہے۔

انتہائی قیمتی کمر بند مجھے لگا۔ میں نے ایک مرتبہ ہاتھ بڑھایا اور اس کمر بند کو کھولنا چاہا کہ حسینؑ نے ایک مرتبہ کمر بند پہ ہاتھ رکھ لیا۔ میں نے حسینؑ کے ہاتھ کو ہٹایا اور دوبارہ کمر بند کو کھولنا چاہا تو حسینؑ نے پھر اپنا ہاتھ کمر بند پہ رکھ دیا۔

سنان کہتا ہے: میں نے تلوار لی اور کلائی سے حسینؑ کا ہاتھ کاٹا اور کاٹ کر ایک جانب پھینکا، تاکہ نہ یہ ہاتھ رہے اور نہ مجھے کمر بند اُتارنے سے روکے۔ اس کے بعد یہ کمر بند اُتار کر میں اپنے مقام سے چلا۔ مختارؓ نے سنا، بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سپاہی کو بلایا اور کہا کہ اس کی ایک ایک انگلی کی ایک ایک گرہ کو کاٹا جائے۔ اس کے بعد اس کی کلائی سے کاٹا جائے۔ اس کے بعد اس کی کہنی کو کاٹا جائے، اس کے بعد اس کے شانہ کو کاٹا جائے۔ اسی طریقہ سے اس کے پیروں کو کاٹا جائے۔

اور جب پورا جسم اس کا اس طرح کاٹ دیا گیا تو باقی بچے ہوئے جسم کو مختارؓ نے آگ میں ڈال کر جلوا دیا۔ ایک اور قاتلِ حسینؑ دنیا سے رخصت ہوا۔

اب حکیم ابن طفیل اور سنان کا قتل دیکھ کر گیارہ یا بارہ قاتلانِ امامؑ ایک جگہ پر جمع ہوئے جن میں آگے آگے شمر تھا۔ وہ کہنے لگے: پہلے تو ہمیں توقع تھی کہ مختارؓ کے ہاتھ سے بچ نکلیں گے لیکن اب ایسا لگ رہا ہے کہ مختارؓ کسی کو نہیں چھوڑنے والا۔ اب کسی طرح سے یہاں سے بھاگ نکلو۔ یہ آپس میں طے پایا لیکن گیارہ آدمی بھاگے۔ عمر ابن سعد نے جانے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ بھاگے اور بھاگنے کے بعد اس طرح پکڑے گئے، اس طرح قتل ہوئے، یہ ایک الگ موضوع ہے جو ان شاء اللہ کبھی بیان ہوگا۔

یہ بھاگے۔ عمر ابن سعد جو تھا وہ نہ بھاگا، اس لیے کہ خاندان اہلِ بیتؑ کے ہی ایک شخص عبداللہ ابن جودہ نے ان کی ضمانت لی تھی۔

خیر ــــ!

پھر شمر پکڑ کے لایا گیا، شمر کو قتل کیا گیا۔ یہ سارا واقعہ عمر ابن سعد کے سامنے پیش آیا تو بڑے اطمینان کے ساتھ وہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دن مختارؒ نے کہا کہ اب میرا ارادہ ہے، میں ایک ایسے آدمی پر حملہ کروں جس کا سر چھوٹا ہے، پاؤں بڑے بڑے ہیں، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہیں۔ اس کے سر کے اُوپر والے حصّے پر بال نہیں ہیں اور اس کے قتل سے خدا، رسولؐ اور امامؑ خوش ہوں گے اور دشمنانِ خدا پریشان ہوں گے۔

عمر ابن سعد کا بیٹا، اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا ایک رشتہ دار دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب مختارؒ نے یہ جملے کہے اُس نے جب یہ جملے سنے تو سمجھ گیا۔ اُس نے فوراً عمر ابن سعد کو آ کر بتایا کہ آج مختارؒ نے ایسی بات کہی ہے اور تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ جان بچانے کا انتظام کرو۔

عمر ابن سعد نے سنا تو گھبرا گیا اور اُس نے اپنے قریبی دوستوں سے مشورہ کیا۔ میں کوفے سے جانا چاہتا ہوں کوئی ایسا آدمی مل جائے تو مجھے خفیہ راستے سے لے جائے۔

کہا: ایک شخص ہے جو کوفہ شہر کی تعمیر کے وقت اس میں شامل تھا۔ اُسے سارے راستے معلوم ہیں۔ عمر ابن سعد نے کہا: چار سو دینار اُسے دوں گا، لیکن وہ کسی طرح مجھے یہاں سے باہر نکالے۔ ایک مرتبہ وہ آدمی آیا اور عمر ابن سعد نے اُسے چار سو دینار دیئے اور وہ لے کر چلا۔

روایت میں ہے کہ کوفہ کے باہر جہاں حمام بنے ہوئے تھے شہر والوں کے، وہاں عمر ابن سعد پہنچا تو اُس کے غلام نے کہا کہ آپ کے غلام نے بہت بڑی غلطی کی۔ آپ نکل نہیں سکتے۔

عمر ابن سعد رات کی تاریکی میں واپس آ گیا، مگر مختارؓ کو پوری اطلاع مل گئی۔
اب عمر ابن سعد نے ایک ذریعہ اور استعمال کیا۔ اپنی بیوی کو جو کہ مختارؓ کی سگی بہن ہے، سے کہا: تمہارا بھائی میری جان کا دشمن ہے۔ تم کسی طرح سے اپنے بھائی سے میری سفارش کرو۔

مختارؓ کی بہن کہتی ہے: اے دشمنِ خدا! میں تو خود پریشان ہوں، جب سے میرا بھائی کوفہ کا حاکم بنا ہے نہ میرے پاس آیا ہے، نہ مجھ سے ملاقات کی ہے، نہ میں اُس کے گھر جا سکی ہوں۔ تیری وجہ سے مجھ سے میرا بھائی علیحدہ ہو گیا۔

عمر ابن سعد کہتا ہے: کسی طرح جا اور میرے لیے امان نامہ لے آ۔

مختارؓ کی بہن نے جب بہت آہ و زاری سنی اپنے شوہر کی تو ایک مرتبہ برقعہ سر پہ ڈالا، کنیزوں کو لیا اور مختارؓ کے دربار میں پہنچی۔ مختارؓ کو سلام کیا۔ مختارؓ نے سلام کا جواب دے کر غصہ سے منہ پھیر لیا۔ ایک مرتبہ کہا: تو عمر ابن سعد کی بیوی بن کے آئی ہے، مجھے تو یقین نہیں آتا کہ تو ابوعبیدہ کی بیٹی ہے۔ تیرا دل چاہتا تو کب سے اُسے قتل کر سکتی تھی۔ فقط اس لیے قتل نہ کیا کہ تو بیوہ نہ ہونے پائے۔

مختارؓ کی بہن رونے لگی۔ کہا: کئی مرتبہ دل چاہا کہ میں اپنے شوہر کو رات کو سوتے ہوئے قتل کر دوں لیکن اس وقت تو ابن زیاد کی قید میں تھا۔ اگر میں عمر ابن سعد کو قتل کر دیتی تو پھر ابن زیاد کبھی تجھے آزاد نہ کرتا۔

مختارؓ کی سمجھ میں بات آ گئی۔ اُس نے کہا: اچھا! اب واپس نہ جا، سمجھ لے کہ تیرا شوہر مر گیا ہے۔

مختارؓ کی بہن نے کہا: اس سے بڑھ کر میرے لیے خوشی کی بات کیا ہے۔

اب عمر ابن سعد کو موت کا یقین ہو گیا۔ اگلے دن اُس کو گرفتار کر کے مختارؓ دربار میں بلاتے ہیں۔ ایک مرتبہ دیکھا، مختارؓ نے کہا: اچھا! تجھے مملکت رَے کا لالچ تھا،

جس نے تجھے نواسۂ رسولؐ کے قتل پر اُبھارا تھا۔ ذرا یہ تو بتا کہ تو نے اس وقت کون سے اشعار کہے تھے؟

عمر ابن سعد نے اشعار پڑھے، آٹھ شعر ہیں، میں فقط ان کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

عمر ابن سعد کہتا ہے:

"ایک طرف حکومت رَے ہے، ایک طرف نواسۂ رسولؐ کی جان کا مسئلہ ہے۔ اگر حکومت رَے کو حاصل کرتا ہوں تو نواسۂ رسول کو قتل کرنا پڑے گا، جو کہ آخرت ہے اور اگر نواسۂ رسول کو بچاتا ہوں تو حکومت رَے ہاتھ سے جاتی ہے جو کہ دنیا ہے۔ دنیا کا سودہ نقد ہے۔ آخرت کا سودہ اُدھار ہے۔ عقل مند کبھی اُدھار کی خاطر نقد کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا"۔

مختارؓ نے یہ اشعار سنے اور کہا: اے دشمنِ خدا! اگر تیرا یہ نظریہ ہے تو میں تجھے دردناک سزا دوں گا۔ یہ کہہ کر عمر ابن سعد کو مروایا۔

جب سب مارے گئے تو مختارؓ نے کہا: ابراہیم! اب ابن زیاد کی فکر کرتا ہے۔ ابن زیاد کے ساتھ دو اور آدمی ہیں: ایک ابن نمیر اور دوسرا شیث ابن ربعی۔ اب ان کی فکر کی جائے۔

ابراہیم ابن مالک اشترؓ کو فوج دے کر بھیجا کہ جاؤ تم موصل کی جانب اور جا کر تم انتقام لو۔ اور ادھر عبدالملک ابن مروان کو جو دمشق کا حاکم تھا، اس کو ایک خط لکھا اور اپنے ایک سپہ سالار (ابوعمرو) کے ہاتھ یہ خط بھجوایا:

اے عبدالملک! میرا تیرا کوئی جھگڑا نہیں۔ میں تو فقط قاتلانِ امام حسینؑ سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ یہ تین آدمی میرے حوالے کر دے۔

عبدالملک کے پاس یہ قاصد پہنچا۔ ابوعمرو دربار میں آیا اور دیکھا یہاں تو مجھے ذلیل کرنے کا انتظام کیا ہوا ہے۔

ابوعمر نے کہا: مجھے بیٹھنے کی جگہ تو دے دو۔

اس نے کہا: کیا تو نے اسے مختارؓ کا دربار سمجھ لیا ہے۔ ہم نہیں بٹھاتے۔

ایک مرتبہ ابوعمر نے کہا: مجھے نہیں پتہ تھا کہ تو ایسا ہے۔ میں تو انتہائی شریف النفس حاکم کے دربار سے آرہا ہوں۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ تیرے سارے درباری اور تو سب فاسق و ذلیل ہو۔

عبدالملک ابن مروان ایک مرتبہ غصّے میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ قتل کردو اُسے، یہ تو کافر سے بھی بدتر ہے۔ اس کے بعد خط پڑھا اور کہا: جا کر مختارؓ سے کہہ دے کہ اپنے آپ کو میرے حوالے کردے۔

ابوعمرو واپس آیا اور بتایا کہ میں نے کیا کام کیا ہے۔ اب مختارؓ کہتے ہیں: اے ابراہیم! اب تم جاؤ اور اب کوئی راستہ نہیں ہے سوائے جنگ کے۔ ابراہیم ابن مالک اشترؒ اپنا لشکر لے کر نکلے۔ راستے میں ایک سے واسطہ پڑا۔ اس گاؤں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ دشمنانِ امامؑ کا گاؤں ہے۔

ابراہیم نے کہا: ہم چونکہ دشمنانِ اہلبیتؑ کو ختم کر رہے ہیں اور چونکہ یہ گاؤں والے بھی دشمنانِ اہلبیتؑ ہیں، اس لیے ان کو بھی ختم کرنا چاہیے۔

اس کے بعد ابراہیم آگے بڑھے۔ موصل کے قریب پہنچے، لشکر روکا گیا، خیمے لگائے گئے۔ ابراہیم خیمے میں ہیں۔ اتنے میں ایک بڑھیا آئی۔ دربان سے کہا: مجھے تمہارے حاکم سے ملنا ہے۔

دربان نے جا کر بتایا۔ ابراہیم نے سمجھا کہ شاید کوئی فقیرنی ہوگی۔

کہا: پچاس درہم جا کر اس کو دے دو

باہر آ کر پچاس درہم اس کو دیے تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔

بڑھیا نے کہا: میں ملنا چاہتی ہوں۔

ابراہیم نے کہا: اس کو بلا کر لاؤ۔

وہ بڑھیا اندر آئی۔ کہا: کیا تم مختارؓ کے ساتھی ہو؟

کہا: ہاں۔

کہا: تمہاری ایک امانت میرے پاس ہے۔

کہا: کیا امانت ہے؟

کہا: میں اور میرا شوہر قریب کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ میرا شوہر لکڑہارا تھا۔ وہ روزانہ دو درہم کماتا تھا۔ ایک درہم راہِ خدا میں خیرات کرتا تھا اور ایک درہم لوگ خود کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ متواتر تین دن تک بارش ہوتی رہی۔ گھر میں کوئی چیز بھی جمع نہیں تھی۔ اب ہم لوگوں پر فاقہ کی نوبت آ گئی۔

میں اور میرا شوہر بڑے پریشان ہوئے۔ اتنے میں میری نگاہ پڑی کہ مکان کے صحن میں بارش کی وجہ سے ایک شگاف پڑ گیا ہے اور سنگِ مرمر کی ایک تختی نظر آئی۔ میرے شوہر نے وہ تختی اُٹھائی تو دیکھا کہ اس کے نیچے ایک دروازہ بنا ہوا ہے۔ میرے شوہر نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ سیڑھیاں اُتر رہی ہیں۔ جب میرا شوہر اندر گیا تو دیکھا کہ وہاں بہت بڑا تہہ خانہ ہے۔ اس میں ہیرے اور جواہرات اور سونا چاندی پڑا ہے۔

میرے شوہر نے سونے کی ایک چھوٹی چیز اُٹھائی اور لے کر باہر آیا۔ کہا: میں اسے بیچ کر آتا ہوں تاکہ آج کے دن کا کچھ گزارہ ہو جائے۔

میرا شوہر بازار گیا۔ یہ سونے کی چیز بیچ کر پیسے لے آیا اور کھانا لے کر آیا۔ کھانا شروع کیا۔ ... شوہر وہ کھانا کھا کر مر گیا۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو میں گھبرا

گئی۔ اتنے میں ایک آواز میرے کان میں آئی کہ یہ سارا خزانہ امانت ہے۔ اس کے لیے جو قتلِ حسینؑ کا انتقام لینے کے لیے کھڑا ہوگا۔ اے عورت! جب مختارؓ کا ایک سپہ سالار ابراہیم نام کا یہاں آئے تو یہ خزانہ اس کے حوالے کر دینا۔

تو میں اس لیے آپ کے پاس آئی ہوں کہ وہ خزانہ آپ کے حوالے کروں۔

ابراہیم نے خزانہ لے کر مختارؓ تک پہنچایا۔ اس خزانے میں تیس ہزار دینار امام سجادؑ کے پاس بھجوائے اور اس کے علاوہ مکہ اور مدینہ میں جو سادات کے گھر ٹوٹے ہوئے ان کو بنوایا۔

اب ابراہیم آگے بڑھے اور وہاں پہنچے جہاں ابن زیاد کا لشکر سامنے تھا۔ اس لشکر سے جنگ ہوئی۔

اب اتنا وقت نہیں کہ میں پورا واقعہ بیان کروں۔

بس ـــــ!

ابن زیاد مارا گیا اور ابن زیاد کا کٹا ہوا سر مختارؓ کے پاس آیا۔ مختارؓ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر حکم دیا کہ ابن زیاد کا سر اسی مقام پر لٹکایا جائے جہاں ابن زیاد نے حسینؑ کا سر لٹکایا تھا۔ اس کے بعد یہ کٹا ہوا سر محمد ابن حنفیہؒ کے پاس پہنچایا گیا۔

۹ ربیع الاوّل کی تاریخ تھی۔ محمد ابن حنفیہ نے سجدۂ شکر ادا کر کے یہ سر سید سجادؑ کے پاس بھجوایا۔ روایت ہے کہ اس وقت سید سجادؑ مکہ میں تھے۔ ۹ ربیع الاوّل کا دن تھا۔ صبح کے ناشتے کا وقت تھا۔ ناشتہ لایا گیا۔ لوگوں نے ناشتہ کیا۔ سید سجادؑ کے گھر سے ناشتہ کے ساتھ ہمیشہ حلوہ آتا تھا لیکن آج حلوہ نہیں آیا۔

لوگوں نے کہا: مولاؑ! آج حلوہ نہیں آیا ہے۔

کہا: آج ایک ایسا منظر تمہارے سامنے آنے والا ہے جس کو دیکھنا حلوے سے زیادہ شیریں ہے۔ اور تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عمر ابن سعد اور ابن زیاد کے کٹے

ہوئے سر آئے تو میرے مولاؑ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

رقیہؑ بنت علیؑ کہتی ہیں: پانچ سال ہو گئے تھے ہمارے گھر میں چولہا نہیں جلا تھا۔ کسی نے بالوں میں کنگھی نہیں کی تھی۔ کسی نے نیا لباس نہیں پہنا تھا۔ آج سید سجادؑ نے حکم دیا کہ یوم غم ختم ہوا ہے، خوشیاں مناؤ۔

اور اہلِ بیتؑ کے گھر میں خوشیاں منائی جانے لگیں۔

باقی رہا مصائب وہ ان شاء اللہ کسی اور موقع پر میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

●......●......●



ادارہ منہاج الصالحین لاہور